Edited

15-3/10

10

سلسلۂ مطبوعات انجمنِ ترقیٔ اردو (ہند) نمبر ۱۴۷

دیوانِ نظیر اکبرآبادی

مرتبہ

جناب مرزا فرحت اللہ بیگ صاحب دہلوی

شایع کردہ

انجمنِ ترقیٔ اردو (ہند) دہلی

سنہ ۱۹۴۲ء

قیمت مجلد ے غیر مجلد عہ

بار اوّل تعداد ۱۰۰۰

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

مجھے ادب کی کتابیں پڑھنے کا ہمیشہ سے شوق رہا ہے۔ مگر باوجود اس قدر پڑھنے کے مجھے کوئی ایسا شاعر نہیں ملا جس کے بارے میں نہ صرف نقادان فن بلکہ عام لوگوں کے اس قدر متضاد خیالات ہوں۔ جتنے نظیر اکبر آبادی کے متعلق ہیں اگر ایک طرف اس کو اتنا بڑھایا جاتا ہے۔ کہ دنیا کے بہترین شاعر کے رتبے پر پہنچا دیا جاتا ہے تو دوسری طرف اتنا گرایا جاتا ہے کہ اس کو شاعروں کی صف ہی سے نکال دیا جاتا ہے۔ اگر ایک تذکرے میں اس کی تعریف میں صفحے کے صفحے رنگے جاتے ہیں تو دوسرے تذکرے میں اس کا حال صرف آدھی سطر میں ختم کر دیا جاتا ہے۔ اور زیادہ تعداد تو ایسے تذکروں کی ہے جہاں اسکا ذکر تک نہیں آتا۔ اس کی وجہ بظاہر یہ معلوم ہوتی ہے کہ نظیر نے ایک آزاد طبیعت پائی تھی۔ وہ شاعری میں ان قیود کا پابند رہنا نہیں چاہتا تھا جو شاعروں نے اپنے اوپر عاید کر لی تھیں۔ اور اب تک عاید کئے ہوئے ہیں۔ اس کی طبیعت ایک تیز رو دریا کی سی تھی جسکی تیزی اور روانی کے آگے ایسے کم زور بند

ایک تنکے کی طرح بہہ جاتے تھے۔ شاعری کے متعلق اس کے دو رجحان تھے ایک نغمہ اور دوسرے اظہار فطرت۔ اس لئے وہ لوگ جو شاعری میں ان دو چیزوں کے متلاشی ہیں وہ اس کی تعریف کرتے ہیں اور جو لفظوں کے گورکھ دھندوں میں پھنسے ہوئے ہیں وہ اس کے کلام پر ناک بھوں چڑھاتے ہیں اس کے مداح کہتے ہیں کہ اپنے کلام میں استاد نے الفاظ کو اس طرح باندھا ہے جس طرح وہ اُردو میں آکر عام طور پر بولے جاتے ہیں اس کے مخالف کہتے ہیں کہ دوسری زبان کے لفظ کا تلفظ اور استعمال اردو میں آکر بھی وہی رہنا چاہیئے جو پہلے تھا۔ اور یہی وجہ ہے کہ جو شعراء اپنی شاعری کا سلسلہ میرؔ اور مرزاؔ سے ملاتے ہیں یا جو ناسخؔ کا تتبع کرتے ہیں وہ نظیرؔ اکبرآبادی کو خاطر میں نہیں لاتے۔ ورنہ دیکھا جائے تو اپنے رنگ میں نظیرؔ فرد فرید اور یکتائے روزگار ہے۔

اس سے پہلے کہ میں اس کے کلام سے بحث کروں اور اس کے نمونے دوں۔ میں مختصراً اس کے کچھ حالات بیان کر دیتا ہوں تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ نظیرؔ کون تھا، کیا کرتا تھا، کس طرح اپنی عمر گزارتا تھا، کس طرح جیا اور کس طرح مرا۔ کیوں کہ جب تک یہ حالات معلوم نہ ہوں اس وقت تک نہ تو کسی شاعر کے کلام میں مزا آسکتا ہے اور نہ یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ اس نے یہ رنگ کیوں اختیار کیا۔ تذکروں کے دیکھنے سے نظیرؔ کے حالات بہت کم معلوم ہوتے ہیں۔ سب سے اہم تذکرہ جس میں اس کا ذکر آیا ہے گلشن بیخار ہے۔ اس کے مؤلف نواب مصطفےٰ خاں شیفتہؔ ہیں۔ جو اپنے زمانے کے بہترین نقاد فن شاعری سمجھے جاتے تھے انھوں نے لکھا ہے :-

(1228)

"نظیر تخلص۔ ولی محمد اکبرآبادی خانہ در جوار روضۂ تاج گنج کہ بیرون شہر مذکور ست دارد۔ لمر یخلق مثلہما فی البلاد کہ در خصوص باغ شدانے آمدہ است مہر و ماہ گشت ورنہ در تمنائے این گلستان ہمیں معنی بر زباں آمدے۔ گویند نظیر در حلم و خلق و انکسار بے نظیر روزگار ست بہ تعلیم صبیاں بسر می برد۔ کم مدت ست کہ ازین خاکداں بروضۂ رضواں رفت۔ اشعار بسیار دارد کہ بر زبان سوقین جاریست و نظر بآں ابیات در اعداد شعرا نشایدش شمرد۔ اما برعایت ابیات منتخب قلع نظر کردہ شدہ"

اور اس طرح وہ نظیر سے زیادہ آگرے کی تعریف کر گئے ہیں۔ یہ تذکرہ سنہ ۱۲۵۰ھ میں چھپا۔ اس کو دیکھ کر نظیر کے شاگردوں کو جوش آ گیا۔ اور سنہ ۱۲۶۵ھ میں اس کے ایک شاگرد قطب الدین باطن نے حق شاگردی ادا کرتے ہوئے تذکرہ گلستان بیخزاں لکھ ڈالا۔ اس میں جس قدر نظیر کی تعریف کی ہے اس سے کچھ زیادہ ہی نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ۔ ان کے استاد حکیم مومن خاں مومن اور ان کے شاگردوں کی ہجو کی ہے۔ لیکن اس سے یہ ضرور ہوا کہ نظیر کے حالات پر کچھ کچھ روشنی پڑنے لگی۔ اس کے بعد محمد عبدالغفور شہباز نے جو اورنگ آباد کالج کے پروفیسر تھے (۴۰۰ صفحے) کی ایک کتاب زندگانی بے نظیر اور (۸۵۴ صفحے) کا کلیات لکھ کر نظیر کو دوبارہ زندہ کر دیا۔ انھوں نے نظیر کے حالات معلوم کرنے میں بڑی محنت اٹھائی ہے آگرہ کے سن رسیدہ لوگوں سے مل کر حالات دریافت کئے۔ نظیر کی نواسی کے پاس جا کر ان کی شکل و شباہت رہنے سہنے کے طریقے۔ ملنے جلنے کے واقعات دریافت کئے۔ نظیر کے دیکھنے اور ملنے والوں سے خط و کتابت کر کے حالات معلوم کئے۔ اور اس کی ایک ایسی سوانح عمری لکھ دی کہ نظیر کے

مرنے کے اتنے دن بعد اس سے زیادہ کچھ معلوم کرنا یا لکھنا مشکل اور بہت مشکل ہے۔

نظیر دہلی میں ۱۷۳۵ء مطابق ۱۱۴۷ھ میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد محمد فاروق تھے اور والدہ نواب سلطان خاں قلعہ دار آگرہ کی بیٹی تھیں، محمد فاروق عظیم آباد (پٹنہ) میں کسی نواب کے ہاں نوکر ہو کر چلے گئے اور وہیں ان کا انتقال ہوا۔ محمد فاروق کے ہاں بارہ اولادیں ہوئیں مگر بچپنے ہی میں مر گئیں۔ نظیر تیرھویں اولاد تھے۔ کہتے ہیں کہ کسی فقیر کی دعا سے یہ پیدا ہوئے۔ اس خیال سے کہ یہ لڑکا ہے۔ نظر نہ لگے بچپن ہی میں ان کے ناک اور کان چھید کر ان کی شکل لڑکیوں کی سی بنا دی تھی۔ ان کے پیدا ہونے کے بعد ہی دہلی مصیبتوں کی آماجگاہ بن گئی۔ ۱۷۳۹ء میں نادر شاہ نے حملہ کر کے دہلی کو تاراج کیا۔ اس کے بعد احمد شاہ ابدالی نے ۱۷۴۸ء۔ ۱۷۵۱ء اور ۱۷۵۶ء میں متواتر تین حملے کر کے اس شہر میں لوگوں کا رہنا مشکل کر دیا۔ اس لئے نظیر اپنی ماں اور نانی کے ساتھ ۲۲۔۲۳ سال کی عمر میں دہلی سے نکلے اور اکبر آباد، (آگرہ) میں جا کر دم لیا۔ اور وہاں مٹھائی کے پل کے پاس نوری دروازے میں مکان لے کر رہنے لگے۔ کچھ عرصے کے بعد ان کی شادی دہلی کے ایک احدی عبدالرحمٰن خاں چغتائی کی نواسی اور محمد رحمٰن کی بیٹی تہور النساء بیگم سے ہو گئی جو دہلی سے آکر آگرہ میں بس گئے تھے۔ اور محلہ تاج گنج میں ملکوں کی گلی میں رہتے تھے۔ اس بیوی سے نظیر کی دو اولادیں ہوئیں ایک لڑکا اور ایک لڑکی۔ لڑکے کا نام گلزار علی اور لڑکی کا نام امامی بیگم تھا۔ امامی بیگم کی شادی میر نخف علی مرزا جان سے ہوئی۔ امامی بیگم کے ہاں ایک لڑکی ہوئی، جس کا نام ولایتی بیگم تھا، انھی ولایتی بیگم

۱۔ صرف ایک تذکرے میں لکھا ہے کہ یہ آگرے میں پیدا ہوئے۔ لیکن اس کی تردید بقیہ تمام تذکروں سے ہوتی ہے

سے پروفیسر شہباز نے نظیر کے حالات معلوم کر کے اپنی کتاب زندگانی بےنظیر
لکھی ہے۔ اور حالات کی صراحت یہاں تک کی ہے کہ نوکروں اور ماماوں
تک کے نام لکھ دئے ہیں۔ چنانچہ اس تذکرے کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ
خدابخش اور امام بخش نظیر کے نوکر تھے ایاز سائیس تھا اور گھر میں گلاب، بختاور
چندو اور بخیبن لونڈیاں تھیں۔ نظیر کے مذہب کے متعلق ان کی نواسی کا بیان
ہے کہ وہ شیعہ تھے اور تعزیہ داری کرتے تھے۔ لیکن ان کا کلام دیکھنے سے
ظاہر ہوتا ہے کہ مذہب میں وہ تنگ نظر بالکل نہیں تھے۔ نسب کے لحاظ
سے قریشی اور عقیدے کے لحاظ سے صوفی تھے۔ وحدت الوجود کے قائل تھے۔
اس لئے ہر مذہب و ملت والے سے ملتے تھے اور خلوص سے ملتے تھے۔ مولانا
فخر دہلوی سے ان کو خاص عقیدت تھی۔ اور صوفیوں سے میل جول بہت
زیادہ تھا۔ بڑھاپے میں جب اٹھتے بیٹھتے تھے تو یا عاجز نواز اور یا غریب نواز
کہتے تھے۔ دہلی میں اکثر خاندان ایسے ہیں جن میں کچھ لوگ شیعہ اور کچھ لوگ
سنّی ہیں یہی صورت شاید نظیر کے ہاں بھی پیش آئی۔ کیونکہ ان کے والد کا نام
محمد فاروق ہونا ظاہر کر رہا ہے کہ باپ سنّی تھے اور چونکہ وہ نظیر کے
بچپن ہی میں عظیم آباد چلے گئے تھے اس لئے ممکن ہے کہ ماں کی تربیت نے جو
شیعہ عقیدہ رکھتی تھیں نظیر کو شیعہ بنا دیا ہو۔ لیکن اس میں غلو کو دخل نہیں ہوا
ہر مذہب والا ان کو اپنا ہی سمجھتا تھا۔ چنانچہ جب ۲۶ صفر ۱۲۴۶ھ مطابق
یکم اگست ۱۸۳۰ء کو ان کا انتقال ہوا تو شیعہ سنّی دونوں نے اپنے اپنے
طریقے پر علحدہ علحدہ ان کی نماز جنازہ پڑھی۔ اور جنازے کی چادر ہندو احباب
لے گئے ان کے مرنے کی تاریخ ان کے ایک شاگرد نے کہی ہے

مخمس بے سرو پا بیت بے دل فرد بے مرشد

سنہ ۱۳۴۶ ہجری

نظیر کا رنگ گندم گوں، قد میانہ، پیشانی اونچی اور چوڑی۔ آنکھیں چمکدار، اور بینی بلند، تھی، ڈاڑھی خشخاشی اور مونچھیں بڑی رکھتے تھے۔ خربزے اور آم کے بہت شوقین تھے۔ ماشاء اللہ خوراک بھی اچھی تھی۔ آدہ سیر کھچڑی میں ڈال کر لیموں کے اچار کے ساتھ کھاجاتے تھے۔ کسی قسم کا نشہ نہیں کرتے تھے۔ البتہ حقے کے بہت شوقین تھے۔ حقے پیتے تھے اور بہت پیتے تھے۔ لباس وہی تھا جو محمد شاہ کے زمانہ میں دلی میں رائج تھا یعنی کھڑکی دار پگڑی، گاڑھے کا انگرکھا سیدھا پردہ نیچی چولی اس کے نیچے کرتہ ایک بر کا پاجامہ، گھیتلی جوتی، ہاتھ میں شام دار چھڑی، انگلیوں میں فیروزے اور عقیق کی انگوٹھیاں۔ خود انھوں نے اپنا جو نقشہ کھینچا ہے، وہ ملاحظہ ہو:-

کہتے ہیں جس کو نظیر سنیئے ٹک اس کا بیاں
تھا وہ معلم غریب بزدل و ترسندہ جاں
فضل نے اللہ کے اس کو دیا عمر بھر
عزت و حرمت کے ساتھ پارچہ و آب و ناں
فہم نہ تھا علم سے عربی کے کچھ بھی ایسے
فارسی میں ہاں مگر جانے تھا کچھ این و آں
فرد و غزل کے سوا شوق نہ تھا کچھ اسے
اپنے اسی شوق میں رہتا تھا خوش ہر زماں
سن سٹ و شش اب ہے قد سانولا ہندی نژاد
تن بھی کچھ ایسا ہی تھا قد کے موافق عیاں
ماتھے پر اک خال تھا چھوٹا سا مسّے کے طور
تھا وہ بڑا آنکھ اور ابروؤں کے درمیاں
وضع سبک اس کی تھی تس پہ نہ رکھتا تھا ریش
مونچھیں بھی اور کانوں پر پٹے بھی تھے پنبہ ساں
پیری میں جیسی کہ تھی جس طرح اس کو دل افسردگی
ویسی ہی تھی ان دنوں جن دنوں میں تھا جواں
لکھنے کی یہ طرز تھی کچھ جو لکھے تھا کتاب
پختگی و خامی کے اس کے تھا خط درمیاں

طبیعت میں استغنا بہت تھا۔ واجد علی شاہ نے بلایا نہیں گئے۔ راجہ بھرت پور نے طلب کیا نہیں گئے۔ متھرا میں بچے پڑھانے پر نوکری کر لی تھی وہ بھی کچھ دنوں کے بعد چھوڑ دی۔ آگرے میں آکر بھاؤ قلعہ دار کو پڑھانے لگے اور پھر نواب محمد علیخاں کے بچوں کی تعلیم پر نوکر ہو گئے۔ تھوڑے ہی دنوں میں وہاں کی بھی نوکری چھوڑ کر راجہ بلاس رائے کے بچوں ہربخش رائے، گوربخش رائے، مول چند رائے، من سکھ رائے، بنسی دھر اور شنکر داس کو پڑھانے لگے وہاں سے سترہ[1] روپیہ مہینہ ملتا تھا، اسی پر بسر اوقات تھی۔ مکان کے صحن میں شمال کی طرف نیم اور بیری کے دو درخت تھے۔ وہی ان کا دیوان خانہ تھا وہیں بوریئے پر بیٹھ کر بچوں کو پڑھاتے، وہیں دوست اور شاگردان کران سے ملتے اور مشورۂ سخن کرتے۔ انھی درختوں کے نیچے ساری عمر ختم کر دی۔ سنہ ۱۲۴۳ھ میں فالج ہوا، سنہ ۱۲۴۶ھ میں اس جہان فانی سے رخصت ہوئے اور انھی دو درختوں کے نیچے مر کر دفن ہوئے۔

علمی قابلیت یہ تھی کہ آٹھ زبانیں، عربی، فارسی، اردو، پنجابی، بھاشا، مارواڑی، پوربی اور ہندی جانتے تھے اور ایسی جانتے تھے کہ ان میں شعر کہتے تھے، خوشنویس تھے، فن سپہ گری سے واقف تھے۔ علم ہیئت پر عبور تھا، طب میں دخل تھا۔ اور معانی و بیان میں اچھی معلومات تھی۔ شاگردوں کی تعداد بھی کچھ کم نہ تھی، ان میں قطب الدین، باطنؔ، مہاراجہ[2] بلونت سنگھ راجہ، لالہ بدھ سین صافی، شیخ مداری، ضمیر،

---

[1] ایک تذکرے میں ستر روپے لکھے ہیں [2] یہ کاشی والے کہلاتے تھے۔ اور ان چیت سنگھ راجہ بنارس کے بیٹے تھے، جن کی وارن ہسٹنگز گورنر جنرل سے چلی تھی۔

حکیم میر محمد مہدی ظاہر۔ شیخ نبی بخش عاشق، منشی حسین علی خاں محو، بیدار بخش لہر۔ شیخ حسین بخش بخشی بہت مشہور رہیں۔ قطب الدین باطن نے اپنے تذکرے میں اسد اللہ خاں غالب کو بھی ان کا شاگرد لکھ دیا ہے۔

نظیر کے عادات و اخلاق کی سب نے تعریف کی ہے۔ وہ ایک آزاد شخص تھے۔ اس لئے دنیا سے بے نیاز تھے۔ تمام عمر نہ کسی کی مدح کی اور نہ ہجو، جس سے ملتے اخلاق سے ملتے مزاج میں حلم تھا۔ اگر کوئی بات خلاف بھی ہوتی تو پیشانی پر بل نہ آتا، اپنی خوش مذاقی سے ہر انجمن کو شگفتہ کر دیتے تھے۔ کوئی حاجتمند ان کے دروازے سے خالی ہاتھ نہ جاتا تھا۔ اگر دینے کو کچھ نہ ہوتا تو عاجزی سے معذرت کر لیتے۔ دوستی کا بڑا پاس تھا اور ان کی صحبت میں بڑے اور چھوٹے کا فرق قائم نہ رہتا تھا۔ کریم الدین نے طبقات الشعراء میں لکھا ہے، کہ نظیر لڑکوں پر بہت عاشق ہوتا تھا اور رات دن اسی خیال میں رہتا تھا۔ شعر بھی اسی لئے اس نے کہنے شروع کئے" معلوم ہوتا ہے رام بابو صاحب سکینہ نے اسی بناء پر تاریخ ادب اردو میں لکھ دیا ہے کہ "وہ جوانی میں رنگین مزاج تھے اور عشق عاشقی کا ذوق رکھتے تھے" گو اس کی تائید کسی اور تذکرے سے نہیں ہوتی۔ پھر بھی اس کی تردید کرنے کی ضرورت نہیں ہے، کیوں کہ "در ایام جوانی چنانکہ افتد دانی" اور خاص کر "در عہد محمد شاہ"

اب یہ اندازہ لگانا مشکل ہے کہ نظیر کا کلام کتنا تھا۔ کیوں کہ انھوں نے تمام زندگی میں نہ خود اپنا کلام جمع کیا اور نہ جمع کرانے کی کوشش کی۔ حال یہ تھا کہ کوئی فقیر آیا، صدا لکھوا کر لے گیا۔ کوئی بچہ آیا اپنے مطلب کے شعر لکھوا کر لے گیا بھلا ایسے آدمی کا کلام کیا جمع ہو سکتا ہے۔ اس وقت ان کا جو کلیات طبع ہوا ہے وہ بلاس رائے کے لڑکوں کی وجہ سے طبع ہوا ہے یہ لڑکے نظیر سے

پڑھتے بھی تھے اور استاد کا کلام جمع بھی کرتے جاتے تھے اس طرح انھوں نے ایک ایسا کلیات جمع کرلیا جس میں تقریباً سات ہزار شعر ہیں۔ یہ کلیات مطبع الٰہی، کنبوہ دروازہ میرٹھ میں چھپا اور پھر سنہ ۱۲۸۲ھ میں مطبع احمدی چارسو دروازہ میرٹھ میں طبع ہوا۔ بعد میں فحش اشعار اور قابل اعتراض بندوں کو نکال کر منشی نولکشور نے لکھنؤ میں اس کو چھپوایا۔ اور یہی کلیات ہر جگہ ملتا ہے۔ سنہ ۱۹۰۰ء میں پروفیسر شہباز نے بڑی محنت سے ایک دوسرا کلیات مرتب کرکے مطبع نول کشور لکھنؤ میں چھپوایا تھا مگر اب وہ ذرا مشکل سے دستیاب ہوتا ہے۔ اس کلیات کے علاوہ نظیرؔ کے تین مکمل دیوان اور تھے دو اردو میں اور تیسرا فارسی میں، اردو دیوانوں کی تو اکثر غزلیں باطنؔ نے اپنے تذکرے میں دی ہیں مگر فارسی کے دیوان کا اب پتہ نہیں چلتا پھر بھی پروفیسر شہباز نے اپنے مرتبہ کلیات میں فارسی اشعار کے بہت سے نمونے دئے ہیں۔ فارسی نثر میں بھی نظیرؔ نے نو کتابیں لکھی ہیں۔ لیکن ان میں سے ایک بھی طبع نہیں ہوئی باطنؔ نے ان کتابوں کے نام، نرمی گزیں، قدرتیں، فہم قرین، بزم عیش، رعنائے زیبا، حسن بازار، طرز تقریر، بتلائے ہیں۔ اور پروفیسر شہباز کو ان کتابوں میں سے پانچ کتابیں مل بھی گئیں تھیں، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ باطن نے اپنے استاد کی وقعت بڑھانے کو یہ نام گھڑ نہیں لئے۔ ان نثر کی کتابوں میں سب سے بہتر کتاب بزم عیش ہے۔ جس میں نظیرؔ نے آگرے کے میلوں کا تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ اور ان میں سے اکثر کو اردو میں نظم کر دیا ہے۔

نظیرؔ کے دو اردو دیوان تھے اور یہ دونوں آپ کے سامنے آرہے ہیں گارساں دی تاسی نے لکھا ہے کہ "نظیرؔ کا دیوان سب سے پہلے ۲۲۴، صفحوں پر سنہ ۱۸۲۰ء میں لیتھو کے ذریعے سے دیوناگری میں چھپا۔ اس کے سرورق پر

شاعر کی تصویر بھی تھی۔ اس کے بعد ۱۸۵۰ء میں ایک دیوان خط نستعلیق میں آگرے سے شائع ہوا۔ یہ دیوان نظیر کا خود مرتب کردہ تھا۔" واقعات کے لحاظ سے یہ بیان صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ کیونکہ کریم الدین کے گلدستۂ نازنیناں سے پایا جاتا ہے کہ ۱۸۴۵ء تک نظیر کا کوئی دیوان طبع نہیں ہوا تھا، دی تاسی نے جن دیوانوں کا طبع ہونا بیان کیا ہے وہ دراصل دیوان نہیں بلکہ کلیات تھے اور اس میں ہر قسم کے اشعار تھے، یہ پہلا موقع ہے کہ اس شاعر کے دونوں دیوان شائع ہو رہے ہیں، اکثر تذکروں میں نظیر کی غزلوں کے کچھ اشعار دئے گئے ہیں۔ لیکن اس کے دیوان تک کسی کی دسترس نہ ہو سکی۔ پروفیسر شہباز نے ان کی تلاش میں بیس برس گزارے اور آخر اس کو یہ کہنا پڑا کہ "دو رتا رہیں تحریک کی گئی لیکن ان کیمیا گروں کو اس نسخے کی اشاعت منظور نہیں..... باضابطہ دیوان اس کا ابھی تک خاندان کے بعض تنگ خیال لوگوں کے خلوت خوش خیالی میں بند ہے ""

اب دیکھیے کہ یہ دونوں مجھے ملتے ہیں تو کیوں کر ملتے ہیں سوائے اس کے اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ:-

خدا کی دین کا موسیٰ سے پوچھیے احوال
کہ آگ لینے کو جائیں پیمبری مل جائے

ہوا یہ کہ مجھے ایک مضمون لکھنے کے لئے کلیات نظیر مرتبہ شہباز کے دیکھنے کی ضرورت تھی، کہیں جگہ ڈھونڈا نہیں ملا، خیال آیا کہ چلو اپنے عزیز دوست آغا حیدر حسن پروفیسر نظام کالج سے چل کر پوچھیں، ان کو پرانی کتابیں جمع کرنے کا بڑا شوق ہے شاید وہاں یہ کتاب مل جائے۔ اُن کے پاس جا کر پوچھا کہنے لگے کہ شہباز والا کلیات تو نہیں ہے، ہاں نظیر کا ایک قلمی دیوان ہے۔ وہ

لیتے ہو تو لے جاؤ میں نے دل میں یہ سوچ کر کہ اس دیوان کو بھی دیکھ لیں، شاید اس میں بھی کوئی مطلب کی بات نکل آئے، ان سے کہا کہ لایئے اس دیوان کی بھی زیارت کریں، وہ جو دیوان نکال کر لائے تو آنکھیں پھٹی رہ گئیں۔ یا میرے اللہ یہ وہ دیوان ہیں جن کی تلاش میں پروفیسر شہباز نے تمام ہندوستان چھان مارا اور نہ ملے۔ تذکرہ نویسوں نے ان دیوانوں کا ذکر تو کیا مگر سوائے باطن کے اور کسی کو ان کا دیکھنا نصیب نہیں ہوا۔ یا تو یہ ملتے ہی نہیں تھے یا ملے تو کہاں بھائی آغا حیدر حسن کے ہاں۔

یہ دیوان آغا صاحب کے خاندان میں کہاں سے آئے اس کا حال تو خدا ہی بہتر جانتا ہے مگر خود ان کا یہ بیان ہے کہ ان کے پرنانا عبدالرحمٰن خان احسان دہلوی کے کتب خانے کے یہ دیوان ہیں۔ غدر کے زمانے میں یہ کتب خانہ لٹا۔ مگر خدا کی قدرت سے چند کتابیں دو چھتی میں پڑی رہ گئیں، انھیں کتابوں میں یہ دونوں دیوان بھی تھے۔ یہ دیوان نہایت نفیس کشمیری کاغذ پر ہیں۔ شروع میں نظیر کی تصویر ہے۔ اس کے بعد نظیر کی وہ نظمیں ہیں جو اس نے ہندو اوتاروں کے متعلق لکھی ہیں۔ کتاب کے اس حصے میں نظموں کے لحاظ سے بہت سی تصویریں بھی دی ہیں اور تصویریں بھی کیسی کہ لاجواب۔ اس کے بعد وہ دونوں دیوان ہیں جن کی تلاش میں ایک صدی سے زیادہ گزر گئی اور نہیں ملے۔ خط صاف ہے گو بہت اچھا نہیں اور بعض لفظوں کو اس طرح ملا کر لکھا ہے کہ پڑھنے میں دقت ہوتی ہے۔ کہیں کہیں صرف آدھا مصرعہ لکھ کر بقیہ آدھا مصرعہ چھوڑ دیا ہے بعض الفاظ کی تذکیر و تانیث موجودہ زمانے کے تذکیر و تانیث سے مختلف ہے۔ اس کو ہاتھ نہیں لگایا گیا۔ لفظاً لفظاً قلمی نسخے کی پیروی کی گئی ہے۔

اس بارے میں کہ یہ کتاب کس کی ہو سکتی ہے میں ذرا خیال آرائی کرتا ہوں۔

یہ تو آپ اوپر پڑھ ہی آئے ہیں کہ راجہ بلاس رائے کے لڑکے نظیر سے پڑھتے تھے اور انھوں نے ہی اس کا کلیات مرتب کر کے طبع کرایا تھا اگر یہ دیوان بھی ان کے پاس ہوتے تو یقیناً کب کے چھپ چکے ہوتے۔ قطب الدین باطن نے جن دیوانوں کا انتخاب اپنے تذکرے میں درج کیا ہے۔ وہ نظیر کے بیٹے گلزار علی کے پاس تھے۔ لیکن یہ قیاس بھی نہیں ہو سکتا کہ یہ وہی دیوان ہیں کیوں کہ بھلا نظیر یا ان کے صاحبزادے میں اتنی سکت کہاں تھی جو اس شان سے ان دیوانوں کو لکھواتے۔ علاوہ ازیں ان دیوانوں کے شروع میں ہندو اوتار کے متعلق نظموں کا ہونا (جن کا غزلیات سے کوئی تعلق نہیں ہے) صاف ظاہر کر رہا ہے کہ یہ نظیر کے کسی امیر ہندو شاگرد کی کتاب ہے اور نظیر کے شاگردوں کی فہرست دیکھنے سے خیال پیدا ہو سکتا ہے کہ یہ کتاب شاید مہاراجہ بلونت سنگھ المتخلص بہ راجہ فرزند راجہ چیت سنگھ کی ہے۔ جن کی امارت کا یہ حال تھا کہ وارن ہسٹنگز جیسے گورنر جنرل نے بھی ان کے روپیہ پر ہاتھ ڈال دیا تھا یہ کتاب عبدالرحمن خان احسان کے پاس دہلی کیوں کر آئی اس کا اب کھوج لگانا ممکن نہیں۔

نظیر کی تصویر آپ کے سامنے ہے اس سے مصور کی قلم کا زور معلوم ہو سکتا ہے اس فن کے بڑے پرکھنے والے مولوی غلام یزدانی صاحب او، بی، ای ناظم محکمۂ آثار قدیمہ حیدر آباد دکن ہیں انھوں نے اس کتاب کے کاغذ اور ساری تصویروں کو دیکھنے کے بعد یہ رائے قائم کی ہے کہ اٹھارویں صدی کے آخر اور انیسویں صدی کے شروع کا یہ قلم ہے۔ اور کسی ایسے مصور کا ہے جس کے مقابلے کے اس زمانے میں بھی ایک دو ہی مصور ہوں گے۔ اس بیان کے لحاظ سے دیکھا جائے تو دو نتیجے نکلتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ یہ کتاب اس زمانے کی


شبیہ نظیر

لکھی ہوئی ہے۔ جب نظیر زندہ تھا اور بہت ممکن ہے۔ کہ اس کو دیکھ کر ہی یہ تصویر بنائی گئی ہو۔ دوسرے یہ کہ مصور کے قلم کے زور کے لحاظ سے یہ باور کیا جاسکتا ہے کہ یہ تصویر نظیر کی سچی تصویر ہے۔ خود نظیر نے ایک نظم میں اپنی جو تصویر کھینچی ہے اس کے ساتھ اس قلمی نسخے کی رنگین تصویر کو ملا کر دیکھا جائے تو میں نے مندرجۂ بالا جو نتیجے نکالے ہیں وہ ایک بڑی حد تک صحیح معلوم ہوں گے۔

بھائی حیدر حسن کی محبت اور ہمت تعریف سے بالاتر ہے۔ کہ انھوں نے اس نایاب قلمی نسخے کو مجھے دیدیا اور یہ بھی کہدیا کہ تم اس کی نقل کر لو۔ اور اگر چاہو تو چھپوا بھی دو۔ نقل کرنا تو آسان تھا وہ تو میں نے سات آٹھ دن میں کر لی، البتہ اس کے چھپوانے کی ہمت نہیں ہوتی تھی، کیوں کہ آج کل کے زمانے میں پرانے شاعروں کے تو کیا نئے شاعروں کے دیوانوں کو بھی کوئی نہیں پوچھتا یہ مشکل مولوی عبدالحق صاحب نے آسان کی۔ اور انجمن ترقی اردو (ہند) کی طرف سے اس کو شائع کرنے کا ذمہ لے لیا۔ مگر اس کے ساتھ ہی ایک بڑی شرط یہ لگا دی کہ اس کی کاپیاں اور پروف تم خود دیکھو اور ایک مختصر سا دیباچہ بھی لکھ دو۔ دیباچہ لکھنا تو مشکل نہیں تھا۔ لکھ دیا۔ مگر کاپیوں اور پروفوں نے بڑا ستایا۔ بس اس کے سوا اب اور کیا کہوں۔

سفینہ جب کہ کنارے پہ آلگا غالبؔ
خدا سے کیا ستم و جور ناخدا کہیے

میں بھائی حیدر حسن کا بیحد ممنون ہوں کہ انھی کی عنایت اور وسعت قلبی کی وجہ سے یہ پوشیدہ خزانہ اب پبلک کے سامنے آرہا ہے۔ خدا ان کو جزائے خیر دے۔

اس کے بعد رہ ہی کیا جاتا ہے۔ صرف نظیرؔ کے کلام پر تبصرہ کرنا اب تک اس کا جو کلام کلیات کی شکل میں شائع ہوا ہے وہ زیادہ تر نظموں کی صورت رکھتا ہے اس میں چند غزلیں بھی ہیں لیکن وہ اتنی کم ہیں کہ ان کا ہونا نہ ہونا برابر ہے نقادانِ فن نے اسی کلیات کو دیکھ کر نظیرؔ کے متعلق اظہار رائے کیا ہے ان کی رائے کو بھی مختصراً سن لیجیے۔

نواب مصطفےٰ خاں شیفتہ کی وہ رائے تو آپ اوپر پڑھ آئے ہیں جو انہوں نے گلشن بے خار میں ظاہر کی ہے اسی کے توڑ پر نظیرؔ کے شاگرد رشید حکیم قطب الدین باطن نے اپنے استاد کی تعریفوں کے وہ پل باندھے ہیں کہ خدا کی پناہ۔ اول سے آخر تک بس لفاظی ہی لفاظی ہے۔ فرماتے ہیں۔ "گل گلستان عظمت غنچۂ بہار ندرت۔ ۔ ۔ ۔ ظریف انجمن دانائی، عالی فطرت، بلند ہمت، جس وقت مزاج عالی تحریر نثر پر ملتفت ہوا مضمون انشاہائے ترم گزیں وغیرہ نو عدد مثال نورتن زیب بازوئے مدعا ہو کر دست لبستہ آن پہنچا۔ (اس کے بعد گلشن بےخار پر اعتراض کر کے لکھا ہے) یاران ہمنشین نے بھی باوجود واقفیت کمال پوشی کی چنانچہ مرزا اسد اللہ صاحب نے کہ ہادی شعرا (باطن نے یہ خطاب نظیرؔ کو دیا ہے) کے شاگرد اور ان کی کیفیت سے خوب آگاہ تھے خاموشی کی۔ ۔ ۔ ۔ پچاس برس کا عرصہ ہوا جب ہادیٔ شعراء کا فکر سخن میں دور آخر تھا۔ فی زمانہ بہت لفظ شعرا حال نے لچر سمجھ کر چھوڑ دیئے تو اب جتنے متقدمین شاعر تھے برے اور شعراء حال اچھے ٹھیرے"۔

ڈاکٹر فیلن ان سے بھی کچھ آگے بڑھ گئے ہیں اور اپنی لغات انگریزی میں لکھتے ہیں کہ صرف یہی ایک شاعر ہے جس کی شاعری اہل فرنگ کے نصاب کے مطابق سچی شاعری ہے۔ مگر ہندوستان کی لفظ پرستی اس کو سرے سے شاعر ہی

تسلیم نہیں کرتی۔ صرف نظیر ہی ایسا شاعر ہے جس کے اشعار نے عام لوگوں کے دلوں میں راہ کی ہے۔ اس کی نظمیں اس کی سوانح عمری ہیں...... جس قسم کے شاعرانہ خیالات اس نے معمولی چیزوں میں پیدا کئے ہیں ان پر دوسرے ہندوستانی شعراء نے لکھنا یا تو کسرِ شان سمجھا یا ان کے لکھنے کی قابلیت ان میں تھی ہی نہیں۔" یہی خیالات رام بابو صاحب سکسینہ کے ہیں جو انھوں نے تاریخ ادب اردو میں اس طرح ظاہر کئے ہیں کہ "نظیر کے کلام میں آزادہ روی ہے...... اس کی عام واقفیت اور ہمہ دانی قابل تعجب ہے...... اس کو لغات پر کامل عبور تھا چنانچہ بہت سے الفاظ اسی کی وجہ سے زبان میں رہ گئے ہیں۔ البتہ اس کو الفاظ کی صحت کا خیال نہیں تھا۔ وہ موقعہ کے لحاظ سے الفاظ لاتا ہے خواہ وہ متروک ہی کیوں نہ ہوں۔" تقریباً یہی رائے ڈاکٹر بیلی نے اپنی کتاب تاریخ ادب اردو میں ظاہر کی ہے۔ ساحل بلگرامی اپنے تذکرہ شمع اردو میں لکھتے ہیں کہ "نظیر نے ہندوستانی تشبیہات اور استعارے استعمال کئے ہیں ان کے کلام میں بناوٹ اور تکلف بالکل نہیں ہے۔ ان کے پاس الفاظ کا بہت بڑا ذخیرہ تھا۔ ایسے الفاظ پہلے انھوں ہی نے نظم کئے جو فصحاء کے نزدیک باعث عار سمجھے جاتے تھے۔ متروک الفاظ بھی استعمال کرتے تھے کیوں کہ وہ الفاظ کے اثرات کو سمجھتے تھے۔" "روح نظیر" میں مخمور اکبرآبادی نے یہ تسلیم کرتے ہوئے کہ بعض وقت نظیر رکیک الفاظ استعمال کر جاتے تھے لکھا ہے کہ "شعراء اس کو ہزل گو۔ فحش پسند صحت لفظی سے معرا۔ یا وہ گو ناظم اور مبتذل طبیعت کا آدمی سمجھتے ہیں، جس وقت نظیر تھا۔ اس وقت کی ترکیبوں میں آج کل کی سی بیجا شستگی اور قیود لسانی اور عروض کی پابندی نہ تھی وہ ایک آرٹسٹ تھا

اور ہر تصویر کے لحاظ سے اس میں رنگ بھرتا تھا۔ اس نے نئی بندشوں، ترکیبوں اور استعاروں اور تشبیہوں کا اضافہ زبان میں کیا۔ وہ پہلا شاعر تھا جس نے معشوق کو مونث قرار دیا ہے" اب رہے پروفیسر شہباز۔ تو انھوں نے اپنی کتاب "حیات بے نظیر" میں نظیر کی تعریف میں سیکڑوں صفحے رنگے ہیں اور آخر میں اس کی اکثر قابل اعتراض ترکیبوں اور متروک الفاظ کو بتا کر اور دوسرے شعرا کے اشعار دے کر ثابت کیا ہے۔ کہ اس زمانے میں ایسی ترکیبیں عام تھیں۔ اور ایسے متروکات کا استعمال جائز تھا۔ دی تاسی نے نظیر کے متعلق کوئی رائے ظاہر نہیں کی ہے صرف یہ لکھا ہے کہ "نظیر نے بہت سی نظمیں ریختہ میں بھی لکھی ہیں۔ جن کو ہندوستان والے بڑے شوق سے پڑھتے ہیں"۔

اب ان تعریفوں کے مقابلے میں نظیر کی مذمت بھی سن لیجیے۔ شیفتہ لکھتے ہیں کہ "اس کے بہت سے اشعار بازاری لوگوں کی زبان پر ہیں لیکن ان اشعار کی وجہ سے اس کو شاعروں میں نہیں گنا جا سکتا (گلشن بیخار) کریم الدین کی یہ رائے ہے کہ "اس کے شعر بازاری لوگوں کو بہت یاد ہیں... اشعار اس شاعر کے شیوع تام اور بر زبان خاص و عام کے رکھتے ہیں۔ وہ کثرت سے شعر کہتا تھا ایسے آدمی کم ہوتے ہیں جیسا کہ نظیر پر گو تھا" (طبقات الشعرائے ہند اور گلدستۂ نازنیناں) مرزا قادر بخش صابر گلستان سخن میں لکھتے ہیں کہ "عوام ہندوستان کے اس کی شاعری کا پایہ فرق شاعری اور تاک ثریا سے بلند جانتے ہیں۔ پر گوئی کا یہ عالم تھا کہ مقلدان ہنگامہ ہولی سے ہر ایک کی زبان پر سو سو مخمس جداگانہ سے کم نہ ہوگا۔ جو کہ اس طرح کی زبان درازی سخن کو خبط کر دیتی ہے۔ اغلب وہ کلام بے انتظام شائستہ آفرین نہ پایا

لیکن بعض شعر کہ حلیۂ لطف سے آراستہ تھے کم کم گوش زد بھی ہوئے۔"

ابوالقاسم میر قدرت اللہ قاسم نے صرف "شاعرے بہت دیرینہ مشق" کہہ کر نظیر کے کلام کے متعلق کوئی رائے ظاہر نہیں کی۔ محمد حسین آزاد فرماتے ہیں کہ "ہمارے تذکرہ نویسوں کا دستور ہے کہ جب شاعر کا حال لکھتے ہیں تو اس کے اشعار انتخاب کر کے لکھتے ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ فیضان سخن رائیگاں نہیں جاتا نظیر کے بعض اشعار ایسے ہیں کہ میر سے پہلو مارتے ہیں، پس اگر نظیر کا ذکر لکھ کر اس کے چند شعر منتخب لکھ دیئے جائیں تو ناواقف سوائے اس کے کہ نظیر کو میر کا ہم پلہ شاعر سمجھے اور کیا تصور کر سکتا ہے" (تذکرۂ آب حیات)۔ اور اسی پہلو سے خواجہ الطاف حسین حالی نے اپنے دیوان کے مقدمے میں شعرائے اردو کے کلام پر نظر ڈال کر لکھا ہے کہ "آج کل یورپ میں شاعری کے کمال کا اندازہ اس بات سے کیا جاتا ہے کہ اس نے اور شعرا سے کس قدر زیادہ الفاظ خوش سلیقگی اور شائستگی سے استعمال کئے ہیں۔ اگر ہم اسی کو معیار کمال قرار دیں تو بھی میر انیس کو اردو شعرا میں سب سے برتر ماننا پڑتا ہے اگرچہ نظیر اکبرآبادی نے شاید میر انیس سے بھی زیادہ الفاظ استعمال کئے ہیں مگر اس کی زبان کو اہل زبان کم مانتے ہیں۔"

آرائے بالا کے بعد اس بارے میں میرا کچھ لکھنا گویا آفتاب کو چراغ دکھانا ہے لیکن مجھے بھی کچھ لکھنا ہی پڑیگا۔ اور اسلئے لکھنا پڑے گا، کہ مندرجۂ بالا سبھی رائیں ہیں۔ وہ نظیر کے ایسے کلیات کے متعلق ہیں جس میں غزلوں کی تعداد انگلیوں پر گنی جا سکتی ہے۔ اور اب جو دیوان طبع ہو رہا ہے ان میں سوائے غزلوں، رباعیوں اور مثنویوں کے اور کچھ نہیں ہے اور یہ خود اتنا بڑا ذخیرہ

ہے کہ کئی سو صفحوں پر پھیل گیا ہے۔ میرے خیال میں نقادان فن کی یہ رائے نظیر کی غزلیات پر بھی صادق آتی ہے کہ وہ الفاظ کے استعمال میں کچھ زیادہ محتاط نہیں تھا۔ نظموں میں تو الفاظ کی یہ ٹھونس ٹھانس چل جاتی ہے۔ لیکن غزلوں میں ان کا کھپنا مشکل ہے۔ دیکھا جائے تو ہندوستان کے تمام شعراء نے کیا ہی کیا ہے۔ بس یہی کیا ہے کہ غزل کو ثقیل لفظوں اور، نامانوس بندشوں وغیرہ سے پاک کر کے کہیں سے کہیں پہنچا دیا ہے۔ غزل کیا ہے اردو ادب کا "تاج گنج" ہے۔ اس میں اگر ایک بھی پتھر بد وضع بدرنگ یا بے موقع لگا ہو تو فوراً اس کی طرف نظر پڑتی ہے اور انگلیاں اٹھتی ہیں غزل قلعہ کی فصیل نہیں ہے کہ جیسا پتھر چاہا دے کر جما دیا کہ مضبوطی سے غرض ہے۔ خوبصورتی سے غرض تھوڑی ہے۔ مجھے ان نقادان فن کی رائے سے اختلاف ہے۔ جو فرماتے ہیں کہ نظیر کے زمانے میں ترکیبوں کی شستگی اور عروض کی پابندی نہیں تھی۔ متروکات کا استعمال بے تکلف ہوتا تھا اور الفاظ کی صحت کا خیال نہیں رکھا جاتا تھا۔ نظیر کا تعلق شعرائے اردو کے دور سوم سے ہے۔ لیکن اس دور کا کوئی ایک شاعر بھی ایسا نہیں ہے۔ جس نے ایسی بے راہ روی اختیار کی ہو جیسی نظیر نے کی ہے۔ عامیانہ الفاظ اس زمانے کے دوسرے شاعروں نے بھی استعمال کئے ہیں۔ لیکن صرف ہجو میں یا بلحاظ موقعہ۔ مگر نظیر موقعہ و محل کی ذرا پروا نہیں کرتا۔ الفاظ کے ایک بڑے ذخیرے کا مالک ہے۔ اس لئے ادھر کوئی لفظ دھیان میں آیا اور ادھر اس کے قلم سے نکلا۔ بظاہر اس آزادہ روی کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ:۔

نہ ستایش کی تمنا نہ صلے کی پروا
گر نہیں ہیں مرے اشعار میں معنی نہ سہی

کا خیال کرکے وہ بیباک ہوگیا تھا۔ ذرا آپ خود ہی غور کیجیے کہ ایسے شعر غزل میں کھپ سکتے ہیں۔

ناز کا اس کے جو تھپیڑا ہے ۔ طبع مشتاق کو وہ بیڑا ہے

طمانچہ مارنا اکثر شعرا نے لکھا ہے۔ لیکن نہ اس طرح کہ اس میں ہیہ ہو دگی کا پہلو نکلے۔ چنانچہ سودا نے کہا ہے۔

برابری کا تری گل نے جب خیال کیا ۔ صبا نے مار تھپیڑا منہ اس کا لال کیا

لیکن نظیر نے عاشق و معشوق میں "طمانچہ بازی" چلادی ہے۔ شعر ہوا ہے۔

مہندی بھرے جو ہاتھ سے اگلا تو اس نے بھی
ایسے طمانچے مارے کہ منہ لال کر دیا

اور مزا یہ ہے کہ اس طمانچہ بازی کے طریقے کو اظہار ناز وادا سمجھا جاتا ہے۔

اس نے اٹھایا ہم پہ طمانچہ ہم نے ہٹایا منہ کو جو آہ
شوخ نے ہم کو اس دن سے پھر ناز دکھانا چھوڑ دیا

جب خود پیٹے ہیں تو دوسروں پہ ہاتھ کیوں نہ کھولیں۔ فرماتے ہیں۔

ہم نے جب مارا طمانچہ دل کو اور گردن پکڑ
دی جھٹکا اور یوں کہا تو ان کے قدموں کو نہ چھوڑ

میرے خیال میں یہ عجیب و غریب مضمون شاید ہی کسی شاعر نے باندھا ہو تو باندھا ہو میری نظر سے تو نہیں گزرا۔ یہ مار پیٹ تو ہو ہی رہی تھی اب دو چٹکی بازی" بھی شروع ہوگئی۔

ٹھایا اک چٹکی لی ایسی جس سے ۔ لگے منہ بنا ہم وہیں آہ کرنے
جو یہ شکل دیکھی تو چٹکی بجا کر ۔ کہا یوں نظیر اور لگا واہ کرنے

میاں ایک میٹکی میں کی آہ ایسی اسی منہ سے آئے ہو تم چاہ کرنے
جی ہاں عاشق ہوئے ہو تو طمانچے کھاؤ اور چٹکیاں لواؤ۔

معشوق کو شاید ہی کسی نے "نٹ" بنایا ہوگا۔ خدا بھلا کرے رعایت لفظی کا۔ میاں نظیر اپنے معشوق کو نٹ بنانے سے بھی نہیں چوکتے۔ لکھتے ہیں:-

کیا کھیلتا ہے نٹ کی کلا آنکھوں آنکھوں میں
دل صاف لے لیا ہی جو پوچھا تو نٹ گیا

"نٹنا" اب بھی گنواروں میں "انکار کرنے" کے معنی میں استعمال ہوتا ہی معشوق نٹ تو تھا ہی اب سپیرا بھی بن گیا۔ کمال تو یہ ہی کہ اس کے چہرے کو سپیرے کے پٹارے سے تشبیہ دی ہی۔

اس کے چہرے پہ نہیں کاکل مشکیں کی نمود
یہ پٹارے کے تئیں توڑ کے کالا نکلا

میں یہ مانتا ہوں کہ "نظیر" ہی وہ پہلا شاعر ہی جس نے معشوق کو "نٹ" قرار دیا ہی۔ لیکن اس کے یہ معنے تو نہیں ہیں اس بیچارے معشوق کا ایسا رگڑا کھویا جائے کہ خدا کی پناہ۔ ذرا اس غریب کے ساتھ میاں نظیر کا برتاؤ دیکھیے:-

قطعہ

"عشاق جانثاروں میں میں تو امام ہوں" یہ کہہ کے میں جو اس کے گلے سے لپٹ گیا
کتنا ہی اس نے تن کو مروڑا جھڑک جھڑک پر میں بھی قینچی باندھ کے ایسا چمٹ گیا
یہ کشمکش ہوئی تو گریباں مرا ادھر ٹکڑے ہوا اور اس کا دوپٹہ بھی پھٹ گیا
آخر اسی بہانے ملا یار سے نظیر کپڑے بلا سے پھٹ گئے سودا تو پٹ گیا

ان اشعار میں "قینچی باندھنا" "ملنا" اور "سوواٹینا" ایسے رکیک محاورے ہیں کہ غزل کسی طرح ان کی تاب نہیں لاسکتی۔ ذرا اس سے کچھ ہلکا رنگ ملاحظہ ہو:۔

چڑھی جو دوڑ کے کوٹھے پہ وہ پری اک بار — تو میں نے جا لیا اسکو ادھر کے زینے سے
وہ پہنا کرتی تھی انگیا جو سرخ لاہی کی — لپٹ کے تن سے وہ تر ہوگئی پسینے سے
پڑا جو ہاتھ میرا سینے پر تو ہاتھ جھٹک — پکاری آگ لگے اوئی اس قرینے میں

اس سے گہرا رنگ دیکھنا ہو تو ازاربند والا قطعہ دیکھیئے۔

معشوق کی زبان ملاحظہ ہو۔ ماشاء اللہ کیا پھول جھڑتے ہیں۔

کہا جو "ایک لے بوسہ" میں دو لگا لینے — تو ہنس کے کہنے لگے "چل بے اتنے ایک نہ دو"

اور بوسہ بھی کن رخساروں کا تھا۔ تشبیہ قابل غور ہے۔ نئی ضرور ہے "ایجاد بندہ" کی تعریف میں آتی ہے

سرخ گالوں پہ جو ہم کرتے ہیں اس گل کے نگاہ — پڑی نارنگیاں ٹپکے ہیں ہزاروں دلخواہ

شب وصل کے ختم ہونے کو کس خوبی سے ادا کیا ہے۔

صبح جب بول اٹھا مرغ سحر گردوں کوں — اٹھ گئے پاس سے وہ رہ گیا میں ٹٹولوں

آخر ہوتے ہوتے ان کا یہ رکیک مذاق اتنا بڑھا کہ ناقابل برداشت ہو گیا ہے اور "بازی بازی باریش بابا ہم بازی" کی نوبت آگئی ہے۔

حکمت کا الٹ پھیر نہیں جس کی نظر میں — وہ کہتے ہیں غافل "یہ بقا ہے یہ فنا ہے"
بالفرض اگر ہم ہوئے حوا کے شکم سے — آدم کے تئیں پوچھیے یہ کس کا جنا ہے

انہی دادا جان کے متعلق ارشاد مزید ہوتا ہے۔

آدم اک مٹی کی حقیا کو رہے عاجز سدا — ہم کو کیا کیا ہیچوان اور گڑگڑی پر ناز ہے
غور سے دیکھا تو اب یہ وہ مثل آئی نظر — باپ نے پدڑی نہ ماری بیٹا تیر انداز ہے

"دور کی سوجھنا" طنزیہ پہلو لئے ہوئے ہے لیکن نظیرؔ نے اس محاورے کو اس طرح ایک جگہ باندھا ہے کہ "تادب یا قلم" کہنا پڑتا ہے۔

موسیٰ کے تئیں تو شجر طور کی سوجھی   پر ختم رسالت کو پڑی دور کی سوجھی

مگر کیا کیا جائے ان کو نظمیں کہتے کہتے ایسے الفاظ برتنے کی عادت پڑ گئی تھی غزل تو کیا نعت شریف میں بھی ان کو استعمال کر گئے۔

نظیرؔ کو اپنے کلام میں سخت اور عجیب و غریب قافیے اور محاورے لانے کا بڑا شوق تھا۔ خواہ وہ عامیانہ ہی کیوں نہ ہوں۔ نظموں میں تو کیا غزلوں تک میں اس نے اپنے اس شوق کو پورا کیا ہے، بعض جگہ تو یہ رنگ نبھ گیا ہے۔ اور بعض جگہ بدمزہ ہو کر رہ گیا ہے۔ یہ رنگ بھی ملاحظہ ہو۔

دیکھ انکار جام اس نے نظیرؔ   یوں کہا میاں یہ کیا بکھیڑا ہے
پی لو جلدی ابھی تو ساغر ہے   ورنہ پھر تم ہو اور تڑیڑا ہے

"تڑیڑا" عام طور پر بولا جاتا ہے۔ اور اس کے معنی ہیں "پانی یا کوئی سیال شے ایک دم کسی پر الٹ کر اس کو شرابور کر دینا" لیکن غزل اس لفظ کی متحمل نہیں ہو سکتی۔

جو وہ بعد بوسہ کے ناز سے ذرا جھڑکے ہے تو نظیرؔ کو
کبھی مصری ہے کبھی قند ہے کبھی شہد ہے کبھی راب ہے

یا

دے جو دشنام بجائے شکر بوسہ نظیرؔ   مارے خوش وقتی سے جب دل نے ابھی راب پہ ہاتھ

"راب" کا لفظ ایسے موقعہ پر شاید ہی کبھی اردو زبان میں آیا ہو۔

اس رشک مہ کے آگے کیا قدر ہے پری کا   کب حسن پہنچے اس کو ایسی گری پڑی کا

صنعت تجنیس خطی کے خیال سے "گری پڑی" جیسا عامیانہ فقرہ نظیرؔ نے

استعمال کیا ہے ورنہ ہے یہہ کہ غزل میں ایسے محاورے استعمال نہیں ہوتے۔

یہ ہے اگر جوئے شیر تم بھی زری پوش ہو
دود ھ چھٹی کا اسے یاد دلاتے چلو

اس میں تشبیہہ بھی ہے محاورہ بھی ہے رعایت لفظی بھی ہے۔ لیکن دیکھا جائے تو سب زبردستی کی ٹھونسم ٹھانس ہے۔

سزاوار "ارے آرے" ہوئے ہیں
بھلا اتنے تو ہم بارے ہوئے ہیں

ملاحظہ فرمایا "ارے آرے" کیا عجیب قافیہ ہے اور پھر کمال یہ ہے کہ فارسی لفظ "سزاوار" کو ایک ٹھیٹ اردو کے فقرے "ارے آرے" کے ساتھ اضافت سے چسپاں کردیا ہے۔ یہہ ضرور ہے کہ "ارے آرے" کا فقرہ انتہادرجے کا عامیانہ ہے اور شریفوں کے منہ پر کبھی نہیں آسکتا۔ مگر پھر بھی یہ ضرور کہوں گا کہ شعر کے معنے برے نہیں ہیں۔ کہتا ہے کہ بارے ہم اس قابل تو ہوگئے کہ وہ ہم کو بے تکلفی سے "ارے آرے" کہہ کر بلاتا ہے۔ دوسرا پہلو اس شعر میں یہہ نکلتا ہے کہ وہ ہماری طرف متوجہ ہی نہیں ہوتا تھا مگر اب خدا خدا کرکے اس طرح بلانے تو لگا جس طرح نوکروں کو بلاتے ہیں۔

صحرائے جنوں کے پھرنے سے جو خار چبھے تھے پانوؤں میں
ہر چند نکالے مدت تک پر تو بھی وہ ایک آدھ رہا

اس غزل کے قافیے بیداد، فرہاد وغیرہ ہیں "ایک آدھ" کا قافیہ قابل داد ہے۔ بولا ایک آدھ ہی جاتا ہے۔ گو لکھنے میں "ایک آدھا" آتا ہے۔

بعض جگہ محاورے میں تصرف بھی کیا ہے۔ مثلاً محاورہ ہے جامے سے باہر ہونا" انھوں نے لکھا ہے۔

پھولے خوشی سے ایسے تو دل نظیرؔ بولا — ایسا نہ ہو جو نکلو آغوش پیرہن سے

یا

دل جاتے ادھر دیکھا جب میں نے نظیرؔ اس کو — روکا ارے وہ مجھ کو لیگا تو میں کیا لوں گا

اصل محاورہ ہے "گیا بنا لوں گا" اسی طرح "ہاتھ پاؤں کا ہوش نہیں رہا" کے محاورے کو یوں بدل دیا ہے۔

وہ دست وہ پا اس کے حنا بستہ جو دیکھے — پھر دست میں اور پا میں ہمیں کچھ نہ رہا فرق

گفتگو ہو دیگی باہم جو اشارت کے ساتھ
متن اس کا بھی حریفوں میں محشا ہو گا

"حاشیہ چڑھانا" اردو کا محاورہ ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ کیا اردو کسی طرح بھی اس "محشا" کا بارِ گراں اٹھا سکتی ہے۔

زرا اس عامیانہ محاورے اور عجیب و غریب قافیے اور ردیف کو ملاحظہ کیجیے:—

سب بانکپن اب تیرا نظیرؔ عشق نے کھو یا
کیا ہو گئی سج کہہ وہ تیری ادوت و بک بے

بعض جگہ نئے رنگ میں ردیف اور قافیوں کا استعمال کر گئے ہیں۔

مطلع ہے۔—
تھا عہد یہ دل اس کو ہرگز نہ ہاریں نہ دوں گا
دیکھا تو لے بھولا "ہرگز نہ ہاریں نہ دوں گا"

اگر کوئی ذو معنی لفظ ہوتا ہے تو اس کے مطلع کے دونوں قافیوں میں لانے کا عام رواج ہے۔ لیکن یہاں صورت ہی دوسری ہے۔ اور میرے خیال میں اس کی نظیر اور کہیں مشکل ہی سے ملے تو ملے۔ آپ ان دیوانوں میں بہت سی نئی تشبیہات اور استعارے بھی دیکھیں گے۔ مگر اس طرح کہ یہ بعض جگہ جھینپ گئے ہیں اور

بعض جگہ زبردستی چپکائے گئے ہیں۔

ہمارے سینے میں کس شیشہ گر کی بھٹی ہے
بھنکی نکلتی ہیں آنسوؤں کی شیشاں یارب

آنسو کو شیشی سے تشبیہہ دینا جدت ضرور ہے، مگر آنسو کی سخت بیوقعتی ہے، بیچارے موتیوں سے گر کر اب شیشیاں رہ گئے، اور ذرا ان آنسوؤں کی شیشیوں کی جسامت کو تو دیکھیے۔ انہی آنسوؤں کی ایک اور تشبیہہ ملاحظہ ہو۔

ہمارے قطرۂ اشک اس کی سرد مہری سے
کسی زمانے میں موتی تھے اب تو اولے ہیں

نہ دیکھ اسکی مژگاں کو اے دل گر نہ
ابھی چھد کے تو رشک بادام ہوگا

آنکھ کو بادام سے تشبیہہ دی جاتی ہے یہاں دل سے تشبیہہ دی گئی ہے اور ڈرایا گیا ہے کہ اگر تو نے معشوق کی پلکوں کی طرف دیکھا تو یاد رکھنا کہ تجھ پر بھی ویسے ہی چھید پڑ جائیں گے، جیسے بادام کے چھلکے پر ہوتے ہیں۔

دیا جھپکوں سے پھر مژگاں کی بھڑکا
فرو کچھ ہو چلا تھا شعلۂ دل

میاں نظیر کو حقے کا بہت شوق تھا۔ نوکر کو پنکھے سے چلم کی آگ دہکاتے دیکھا ہوگا مضمون مل گیا باندھ گئے۔

ذرا اس ڈول رسی کا رنگ دیکھیے۔

دل چاہِ زنخداں میں گو غرق ہوا لیکن
اب بھی وہ اگر پادے زلفوں کی رسن نکلے

یہ تشبیہ ملاحظہ ہو۔ لمبی بہت ہے۔ مگر اثر نہیں رکھتی۔

کن انکھیوں کی نگہ کیتی اشارت تہہ مینوں کی
جو دوں دیکھا تو برچھی ہے جو یوں دیکھا تو بھالا ہے

ان کے مقابلے میں یہ خوبصورت تشبیہ ملاحظہ ہو۔

اس سیاہ ابر میں یوں اڑتے ہیں بگلے جیسے
لب بالیدہ مسی میں دردنداں کی صفا

ابر سیاہ میں بگلوں کی اڑان کو عبدالرحمٰن خاں احسان نے ایک دوسرے رنگ میں باندھا ہے۔ لکھتے ہیں :۔

نظر آتی ہے تری مانگ میں یوں ٹک گہنا
ابر میں بگلوں کی جس طرح قطار آئے نظر

بعض جگہ معشوق کے اشاروں کا چونچلا دکھلایا ہے۔ مگر بہت بدمزہ ہے دو نمونے ملاحظہ ہوں :۔

ایک چھڑی گل کی بھیج کر اس کو
فکر تھی وہ نہ پہنچی یا پہنچی

صبح پوچھی رسید جب تو نظیر
دی ہیں شوخ نے دکھا پہنچی

اگر یہ کہیئے کہ ہم ہیں بیکل زرا گلے مل تو ہنس کے ظالم
دکھاوے ہیکل اٹھا کے یعنے بلا سے میری مجھے تو ہے کل

معشوق کا یہ چونچلا دیکھ لیا۔ اب میاں نظیر کے نخرے دیکھیئے۔ فرماتے ہیں۔

پوچھا خواب آتا ہے تم کو تو اشاروں کے طریق
رکھدیا ہم نے وہیں مسند کمخواب پہ ہاتھ

نظیر کے کلام میں تعقید کا بھی عیب ہے، لیکن جس زمانے کا یہ کلام ہے۔ اس زمانے میں تعقید کو کچھ زیادہ عیب نہیں سمجھا جاتا تھا۔ چند نمونے دیکھ لیجیئے۔

شیریں کو جیسی جو کے تھی شیر پہ نوازش
ویسی ہی اب ہے۔ اس کو مجھ پیر پہ نوازش

ان دونوں نوادرشوں کا توازن شاید ہی دنیا کی کسی زبان میں اس پیچیدگی سے ہوا ہو تو ہوا ہو

ایک قطعہ کا آخری شعر ہے ۔

جب یہ سنا یار نے ہنس دیا اور یوں کہا — تم بھی نظیر اب تو میاں خوب کوئی ہو غرض

نثر میں اس شعر کا مصرعہ دوم یوں ہوگا ۔

"غرض میاں نظیر اب تم بھی خوب کوئی آدمی ہو" یعنی عجیب آدمی ہو۔ یا

خوش ہوئی سینے میں مژگاں کی جھپک تیر لگا — تو بھی اے جنبش ابرو کوئی شمشیر لگا

صاف کرو تو پہلا مصرعہ اس طرح ہوگا۔

"مژگاں کی جھپک سینے میں تیر لگا کر خوش ہوئی ہے ۔

بعض جگہ لف ونشر ایسا غیر مرتب ہو گیا ہے کہ پڑھنے سے الجھن اور سمجھنے میں دقت ہوتی ہے ۔ صرف ایک مثال سن لیجئے ۔

تن و دل لب و دنداں کو روے فکر سے — عقیق و سیم و در و سنگ کے مثال لکھا

اسی کے مقابلے میں وہ غزل ملاحظہ ہو جس کا مطلع ہے :-

دکھا کر اک نظر دل کو نہایت کر گیا بیکل
پری رو تند خو سرکش ہٹیلا چلبلا چنچل

اس میں تقریباً تمام شعروں میں لف ونشر مرتب آیا ہے ۔ نمونہ ملاحظہ ہو کیا اچھی بندش ہے ۔

کفوں میں انگلیوں میں لعل لب میں چشم میں گوں میں
حنا آفت ستم فندق مسی جادو فسوں کاجل

نظیر کے ہاں اکثر الفاظ کے حروف ر۔ ح۔ ع۔ ہ اور عربی و فارسی کے حروف علت گر جاتے ہیں۔ لیکن نہ تو میں اس بارے میں کسی نظیر کے پیش کرسکی

ضرورت سمجھتا ہوں اور نہ اس کے متعلق کوئی ریمارک کرنا چاہتا ہوں کیونکہ میں جانتا ہوں کہ وہ الفاظ کا استعمال اس لہجے اور تلفظ میں کرنے کے عادی تھے جو عوام میں جاری و ساری تھے اور اب بھی ہیں۔

یہ مجھ سے پوچھا جا سکتا ہے اور یقیناً پوچھا جائے گا کہ تم یہ مقدمہ لکھنے بیٹھے ہو یا نظیرؔ کی غلطیاں نکالنے اور خامیاں گنوانے۔ تو اس کا یہ جواب ہے کہ نظیرؔ کا کلام وحی من اللہ تو ہے ہی نہیں کہ تمام کمزوریوں سے پاک ہو ہر شاعر کے ہاں کمزوریاں ہوتی ہیں کسی کے ہاں زیادہ کسی کے ہاں کم۔ لیکن اس سے نظیرؔ جیسے شاعر کی وقعت کو دھکا نہیں لگ سکتا۔ اور میری رائے میں یہ طریقہ بہت اچھا ہے کہ شعراء کے کلام پر تنقید کرنے میں اچھے شعر دینے کے علاوہ کمزور اشعار بھی دیدیئے جائیں۔ تاکہ مقدمے کے پڑھنے والوں کو شاعر کی قابلیت کے متعلق غلط اندازہ نہ ہو۔ اور وہ اس کی تعریفیں سننے کے بعد جب دیوان میں اس کی کمزوریاں پائیں تو ان کے خیالات اس طرح نہ بدل جائیں کہ اس کا دیوان دیکھنے کو بھی جی نہ چاہے۔ اس خیال سے کہ پہل کرنے والا ہمیشہ برا سمجھا جاتا ہے۔ میں نظیرؔ کے بعض ایسے اشعار بھی دیدیتا ہوں جو سرسری طور پر نظر ڈالنے میں مجھے اچھے معلوم ہوئے ہیں۔

تمہارا دہ تری فریاد کریں حاکم سے ۔۔۔ وہ بھی کمبخت ترا چاہنے والا نکلا

بتوں کے ناز کی تب شوخیاں نظر آئیں ۔۔۔ میاں نظیرؔ سے جب ہم نقطہ نظر ہوئے

سچ ہے نواب رہ کر عاشقی نہیں کی جاتی۔

طائرِ دل جب ہم سے گیا تو فائدہ کیا جو پوچھیں نظیرؔ
شوخ نے اس کو ذبح کیا، یا قید کیا یا چھوڑ دیا؟

لگے لکھنے جب حال اپنا تو اس نے — کہا طول چھوڑو نظیرؔ اس بیاں کا
کوئی ایک دو بات کہنی ہو کہہ دو — میاں تم نے قصہ یہ چھیڑا کہاں کا

چاہ رکھتے تھے چھپائے ہم تو لیکن اس کا بھید — کچھ جو ہم نے سامنے اک ہمنشیں کے کہہ دیا
یہ ستم دیکھو زبانہ سے نکلتے ہی نظیرؔ — اس نے اس سے اس نے اس سے اس نے اس سے کہہ دیا

ملاحظہ فرمایا کس خوبی سے دنیا میں بات کے پھیلنے کے طریقے کو ظاہر کیا ہے۔ دوسرا مصرعہ تو ایسا ہے کہ اس کا جواب نہیں ہو سکتا۔

بعض عاشق "زبردست خاں" ہوتے ہیں شریفوں کی طرح پیش آؤ تو غلام ہیں۔ نہیں تو سنبھالنا مشکل ہو جاتا ہے یہ رنگ دیکھیے۔

آپ سے چاہوں تو اُٹھ جاؤں گا محفل سے تری
اور جو اک "دو ہوں"، بھی کرو گے تو مچل جاؤں گا

اسی نمونے کا اک اور شعر ملاحظہ ہو۔

حرف اُٹھ جانے کا کہہ بیٹھے ہو اب تو لیکن
پھر نہ کہیے گا کہیں قبلۂ من یاد رہے

فدا جو دل سے ہیں اس شوخ سبز رنگوں پر — یہ ظالم اس کی ہی چھاتی پہ مونگ دلتے ہیں

سبز رنگوں کی رعایت سے مونگ لائے ہیں۔ کیوں نہ ہو آخر دال ہی تو کھانے والے تھے۔

غنی کشمیری کا ایک مشہور شعر ہے۔

رنگ سبزش بخط سبز مرا کرد اسیر   دام ہمرنگ زمیں بود گرفتار شدم

اس کا ترجمہ اردو میں نظیر نے کیا ہے۔ مگر اس کو ٹھیٹ ہندوستانی رنگ دیدیا ہے:۔

زلف دوپٹہ دھانی میں کرکے نہاں مرا دل باندھ لیا
صید نہ کھاوے کیونکر غُل جب سبزے میں پنہاں دام کیا

بعض جگہ اس چربہ اتارنے میں مضمون کا ستیاناس کردیا ہے مثلاً۔ ایک مشہور قصہ ہے کہ رات کے وقت جہانگیر نے نورجہاں سے پوچھا، "از شب چہ قدر رسیدہ باشد" اس نے جواب دیا۔ "زلفش بکمر رسیدہ باشد" میاں نظیر لکھتے ہیں:۔

ہجراں میں ہوئی رات ہمیں طرفہ اذیت   جب بیل کی لیلا کے گئی زلف کمر تک

"ٹربجس" کا اظہار اس شعر میں کیا ہے اور خوب کیا ہے۔

ہوس تو گرم ہے اب تک کبھی کیا ہوا جو کیا   میاں نظیر کو بیری کے برف کا ٹھیلا

لگی تھی آگ جگر میں بجھائی اشکوں نے   اگر یہ اشک نہ ہوتے تو کیا ٹھکانہ تھا

"کیا ٹھکانہ تھا" کہکر شعر کو کہیں سے کہیں پہنچا دیا ہے جتنی خرابیاں سوچو سب پر یہ فقرہ حاوی ہو جاتا ہے۔

شوخی اور زبان کی روانی ملاحظہ کیجئے:۔

بیٹھے بٹھائے خلد میں ابلیس نے نظیر   کیا دم دیا ہے حضرت آدم کو دیکھئے

دل کی بیتابی کو کس خوبی سے ادا کیا ہے:۔

میں تو بے غیرت نہیں کیا جانوں اس نے خوکے ساتھ   کون سا کمبخت پھر لاتا ہے مجھ کو گھیر کر

صحبت احباب کو اس سے بہتر طریقے پر ادا کرنا ذرا مشکل ہے۔

بحرِ ہستی میں صورت احباب — یوں ہے جیسے بَرَوے آب حباب

ہر طرح سے یہ تشبیہ کامل ہے۔ کیا بلحاظ نزاکت حباب و نزاکت صحبت اور کیا بلحاظ اس کے کہ آج ملے ہوئے چل رہے ہیں اور کل جدا ہیں اور کیا بسبب اس کے کہ آج ایک ختم ہوا اور کل دوسرا۔

جو تم نے کہا اس کے بجا لانے میں ہم نے — ایک لحظہ توقف نہ کیا جھوٹ ہے یا سچ
سن کر یہ نظیر اس نے کہا ہنس کے بعد ناز — جانے اسے اب میری بلا جھوٹ ہے یا سچ

ردیف کی سختی کو دیکھیے اور اس قطعے کی روانی کو دیکھیے۔ چوتھا مصرع تو لاجواب ہے عورتوں کی باتوں کا رنگ پورا آ گیا ہے۔

غالب کا شعر ہے۔

پکڑے جاتے ہیں فرشتوں کے لکھے پر ناحق — آدمی کوئی ہمارا دمِ تحریر بھی تھا

نظیر نے اس مضمون کو بالکل الٹ کر کہا ہے۔

بندے کے قلم ہاتھ میں ہوتا تو غضب تھا — صد شکر کہ ہے کاتبِ تقدیر کوئی اور

کیا اچھا مضمون ہے، واقعی غنیمت ہے کہ فرشتے ہمارے اعمال لکھ رہے ہیں جن کو ہم سے کوئی مخالفت نہیں ہے ان کی جگہ اگر کوئی انسان اس کام پر مقرر ہوتا تو خدا جانے کیا غضب ڈھاتا۔ ہر قدم پر کھڑ پینچ نکالتا۔ اور جو جی چاہتا لکھ جاتا۔

ذرا اس شعر کو ملاحظہ کیجیے، کیسا دردناک اور عبرت خیز ہے اور کیا چبھتے ہوئے لفظوں میں اس مضمون کو ادا کیا ہے۔

چراغِ صبح یہ کہتا ہے آفتاب کو دیکھ — یہ بزم تم کو مبارک ہو ہم تو چلتے ہیں

ذرا مہندی کی ان مشکلات کو دیکھیئے، واقعی یار سے ملنے کا شوق ہو تو اتنا تو ہو۔

کٹی، چھلی گئی، ٹوٹی، چھنی، بھیگی، پسی مہندی
جب اتنے دکھ سہے تب اسکے ہاتھوں میں لگی مہندی

الفاظ کی بہتات اس شعر میں بھی قابل ملاحظہ ہے۔

منے، روٹھے، ہنسے، روئے، پھرے، ٹھیرے، ڈرے، سنبھلے
نظیر اک دل لگا کر واہ کیا کیا کچھ کیا ہم نے

دنیا کی ناپائداری اور تغیرات زمانہ کا نقشہ دیکھیئے۔

کل کا اقرار جو میں کرکے اٹھا
بولا میٹھا اور بھی جل گیا ہو گا
تو جو کل آنے کو کہتا ہے نظیر
تجھ کو معلوم ہے کل کیا ہو گا

اس شعر کو دیکھیئے۔ کیا ہم اور تم یہی ترکیب روز نہیں کرتے، باہر ملنے جاتے ہیں اور اندر کہہ جاتے ہیں کہ کسی کے ہاتھ کہلا بھیجنا کہ کھانا تیار ہے۔

باہر کبھی جو نکلے تو کہہ آئے گھر میں یوں
گر دیر ہو تو تجھ کو ملانا گھڑی گھڑی

محفل میں ہم کو دیکھ یہ کہتا ہے منہ کو پھیر
کیا میلی مفت میں ہوئی جاتی ہے چاندنی

واقعی "ہم" اس کی گلی میں سے ابھی لوٹ پوٹ کر آئے تھے گردیں اٹے ہوئے تھے چاندنی میلی نہ ہوتی تو اور کیا ہوتا، یار نے اسی بہانے سے نکال باہر کیا۔

اردو کا محاورہ ہے "اسکی رنگت کیا ہے۔ میدہ اور شہاب ہے" نظیر نے اپنے یار کے جسم کی ترکیب بجائے مٹی کے اسی محاورے سے کی ہے۔ لکھا ہے۔

وہ گورا پنڈا اور اس میں سرخی مگر خدا نے سر سے پا تک
کیا ہے میدا تو موتیوں کا اور اس کو گوندھا شہاب میں ہے۔

زرا اس بھاگ دوڑ کو ملاحظہ کیجیے۔ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی چور کچھ چرا کر بھاگا جا رہا ہے اور لوگ غل مچا رہے ہیں کہ لیجیو، پکڑیو، جانے نہ دیجیو۔

ہم ایک نظر دیکھ نظیر اس کو جو بھاگے　　بولا کہ اسے لیجیو، ہاں جانے نہ پائے

اس جوانی کے رنگ کو دیکھیے، اور ہمیش اثر کی ترکیب کی داد دیجیے۔

"ہائے جوانی، ہائے جوانی"

ایام شباب اپنے بھی کیا عیش اثر تھے　　کہتے ہیں جنھیں عیب وہ اسوقت ہنر تھے

آن کے قافیہ کو ذو معنی میں کیا خوبی سے بٹھایا ہے۔

کچھ دیر ہی ادھر آؤ اور اک آن نہ بیٹھو　　ہنس کر یہ کہا "تم کہیں پاس آن نہ بیٹھو"

آپ کی صورت تو دیکھا چاہیے۔ کو اس رنگ میں ادا کیا ہے۔

کی عرض نظیر اک بوسے کی جب ہنس کر بولا چنچل یوں
اس منہ سے بوسہ لیجیگا، قربان تمھاری صورت کے

ان درختوں کے جوڑ د　　ر کو دیکھیے۔ شاید موجودہ زمانے

میں بھی سنبل کے ساتھ صنوبر کا جوڑ اس طرح کوئی نہ بٹھا سکے۔

کھڑے ہو کے جب زلف کھولی تو گویا
صنوبر نے سنبل کی ڈالی نکالی

ایک رباعی سنیئے کیا بیخودی ہے۔

ساقی سے جو ہم نے مے کا اک جام لیا
پیتے ہی نشے کا یہ سرانجام لیا
معلوم نہیں جھک گئے یا بیٹھے رہے
یا گر پڑے یا کسی نے پھر تھام لیا

مخمس بہت ہیں رنگ دکھلانے کو ان میں سے ایک بند لکھے دیتا ہوں۔

نہ زیب کعبہ نہ دیر و مغاں کی رونق ہیں
نہ حسن وحشت ہیں نے گلستاں کی رونق ہیں
کوئی کہے تو بھلا ہم کہاں کی رونق ہیں
رہیں وہ شخص جو بزم جہاں کی رونق ہیں
ہمارا کیا ہے اگر ہم رہے رہے نہ رہے

نظیر کو ایسی غزلیں لکھنے کا بڑا ملکہ تھا جن میں ایک شعر دوسرے کا سلسلہ ہو نمونہ ملاحظہ ہو۔

میاں دل تجھے لے چلے حسن والے
کہوں اور کیا جا خدا کے حوالے
ادھر آ ذرا تجھ سے مل کر میں رولوں
تو مجھ سے زرا مل کے آنسو بہا لے
چلا اب تو ساتھ اس کے تو بے بسی سے
لگا میرے پہلو میں فرقت کے بھالے
خبردار ان کے سوا زلف و رخ کے
کہیں مت نکلنا اندھیرے اُجالے
ترے اور بھی ہیں طلبگار کتنے
مبادا کوئی تجھ کو واں سے اڑا لے
کہیں قہر ایسا نہ کیجو کہ مجھ کو
بلانے پڑیں فال تعویذ والے
کسی کا تو کچھ بھی نہ جاوے گا لیکن
پڑیں گے مجھے اپنے جینے کے لالے

تری کچھ سفارش میں اب بھی کر دوں — کریگا تو کیا یاد مجھ کو بھلائے
سنو، دلبرو، گلرخو، مہ جبینو — میں تم پاس آیا ہوں ایک التجا لے
خدا کی رضا یا محبت سے اپنی — پڑا اب تو آکر تمھارے یہ پالے
تم اپنے ہی قدموں تلے اس کو رکھیو — تسلی دلاسے میں ہر دم سنبھالے
کوئی اس کو تکلیف ایسی نہ دیجو — کہ جس میں یہ رو رو کرے آہ و نالے
تمھارے یہ سب ناز اٹھائے گا لیکن — وہی بوجھ رکھیو جسے یہ اٹھا لے
نظیر آہ دل کی جدائی بری ہے — بہیں کیوں نہ آنکھوں سے آنسو کے نالے
اگر دسترس ہو تو کیجیے منادی — کہ پھر کوئی سینے میں دل کو نہ پالے

جہاں لفظوں کی بہتات کی ضرورت ہوتی ہے وہاں نظیر کے قلم کو پر لگ جاتے ہیں اور یہ صورت اکثر قطعات میں واقع ہوتی ہے۔ اس سے یا تو یہ سمجھ لیا جائے کہ نظیر کو اپنے اظہار خیال کے لئے ایسی وسعت کی ضرورت تھی کہ بغیر قطعے کے وہ خیال ادا ہی نہیں ہو سکتا تھا اور اسی لئے اس کے دیوانوں میں شاید ہی کوئی غزل ہوگی، جس میں قطعہ نہ ہو یا اس کا طرز بیان ہی ایسا پھیلا ہوا تھا کہ ایک مصرعہ میں اس کا ادا کرنا اس کے لئے دشوار تھا۔ میر کا قطعہ ہے۔

کل پاؤں ایک کاسۂ سر پر جو آگیا — یکسر وہ استخوان شکستوں سے چور تھا
کہنے لگا کہ دیکھ کے چل راہ بے خبر — میں بھی کبھو کسو کا سر پر غرور تھا

اسی مضمون کو نظیر نے بہت صراحت کے ساتھ ایک قطعے میں ادا کیا ہے۔

کل دامن صحرا میں ہم گزرے جو وقت صبحدم — اک کاسۂ سر پر الم آیا نظر اپنے دہیں
بولا بہ فریاد و فغاں کیا دیکھتا ہے ادمیاں — تھے ہم بھی سر بر آسماں گو اب تو ہیں یوں زیر زمیں
گلبرگ سے نازک بدن، سر تا بہ پا رشک چمن — زریں و سیمیں پیرہن دلکش مکاں نقشے کمیں

دن رات ناز نعمتیں مہ طلعتوں کی صحبتیں عیش و نشاط و عشرتیں ساقی قراں مطرب قریں
باغ و چمن پیش نظر، بزم طرب شام و سحر ہر سو بکثرت جلوہ گر حسن بتان نازنیں
ایک آسماں کے دور سے اک گردش بے ذی النور اب سوچیے گا غور سے در لحظہ آں در لحظہ ایں
سنتے ہی جی تھرا گیا، رخسار پر اشک آگیا دل عبرتوں سے چھا گیا، خاطر ہوئی بس بھگیں
اس میں سر اپنا ناگہاں، ہر مو ہوا مثل زباں
بولا نظیر آگہ ہو ہاں، من نیز رو زے ہمچنیں

اسی نمونے پر نظیر کی چند بوسیدہ ہڈیوں سے بھی باتیں ہوئی ہیں۔ انھوں نے اپنے حالات بیان کرکے کہا ہے۔ "ذرا ایسی بے دردی سے ہم پہ پاؤں مت رکھ اے نظیر ادمیاں تیری طرح ہم بھی کبھی انسان تھے" یہی رنگ اس قطعہ کا ہے جس کا مطلع ہے -

یہ جواہر خانہ دنیا جو ہے باآب و تاب اہل صورت کا ہے دریا اہل معنی کا سراب

نظیر کو عربی فقرے، غزلوں میں نہایت خوبی سے جملانے کی بڑی مشق تھی۔ دو ایک نمونے لکھے دیتا ہوں :-

کیا مجھ سے جس نے عداوت کا پنجہ سنلقی علیک قولاً ثقیلا
نکل اسکے زلفوں کے کوچے سے ای دل تو پڑھتا قم اللیل الا قلیلا
نظیر اسکے فضل و کرم پر نظر رکھ فقل حسبی اللہ نعم الوکیلا
دیکھ سبزوں کی طراوت کو زمیں پڑھتی آیۂ انبتہ اللہ نباتاً حسنا
ہے یہی خوب یاں سے جو نظیر رہیے فی کل حال، "خوش محفوظ"

اس نے فارسی فقرے کس طرح مذاق میں اردو کے ساتھ چسپاں کئے ہیں اسکو

بھی دیکھیے۔

دیکھے نہ مجھے کیونکر "از چشم حقارت او" | وہ سرو جواں یار "من فاختۂ پیرم"
چپ بیٹھوں تو کہتا ہے "خاموش چرا ہستی" | کچھ بولوں تو ہوتا ہے "آزردہ ز تقریرم"

اس غزل میں ردیف اور قافیہ دونوں فارسی میں ہیں۔ جس کا مطلع ہے۔

دریچے میں دل اپنے کے ادھر "عشوہ گرے چند" | "خواہندہ یک جاں" ہیں ادھر "موکرے چند"

اس رنگ کی کوئی غزل شاید ہی کہیں ہو تو ہو۔

اس سوال کا جواب کہ نظیر کے یہ دونوں دیوان کس زمانے کے ہیں، خود انھی دیوانوں کے اشعار سے دیا جا سکتا ہے۔ ان میں نظیر نے ایک دو جگہ نہیں اکثر جگہ اپنے بڑھاپے کا ذکر کیا ہے۔

تھے کبھی ہم جواں نظیر اور اب | رنگ سیم ناب سا دیکھا
شام کی صبح ہو گئی دم میں | یہ تو کچھ ہم نے خواب سا دیکھا

نظیر پیر ہوا تو بھی بار زمانہ بتاں | کچھ اس کے دوش کے کچھ پشت خم کے ساتھ رہا

چاہا کہیں کہ پیر کے کیا دل نہیں میاں | تیوری کو اس کی دیکھ رہے ہم نظیر چپ

خدا معلوم کیا کچھ "بولے دے" نہ ہوئی ہوگی۔ مگر اس شعر کا اجمال تفصیل سے کہیں زیادہ ہے۔ سچ ہے "پیری و صد عیب"

دیر تک دیکھا کیا منہ کو تو ہم نے یوں کہا | دیکھیں ہم ٹک، اپنا میاں ہم کو دکھانا آئینہ

لینے جو آیا نظیرؔ اس سے تو بولا ہنس کے شیخ — ہاتھ سے ان کے نہیں یہ تو لگانا آئینہ
یہ پرانے ہیں اگرچہ تو گرفتاروں میں ہیں — خیر ان کو بھی کوئی لا دو پرانا آئینہ

ہم جو کرتے ہیں عشق پیری میں — خورد و بار بار ہنستے ہیں
جو قدیمی ہیں یار دوست نظیرؔ — وہ بھی بے اختیار ہنستے ہیں

مگر تعجب یہ ہے کہ بڑھاپے کے یہ اشعار دیوان اول میں بہت زیادہ ہیں اور دیوان دوم میں بہت ہی کم۔ اب اس سے جو نتیجہ چاہیے نکال لیجیے۔

ان دونوں دیوانوں کے ساتھ ضمیمے کا بھی ایک دم چھلا لگا ہوا ہے یہ ضمیمہ کیا ہے اور کیوں لگایا گیا ہے اس کی وجہ بھی سن لیجیے۔ اس وقت نظیرؔ کا جو کلام عام طور سے مل سکتا ہے وہ اس کا وہ کلیات ہے جو مطبع نولکشور سے نکلا ہے۔ لیکن اکثر تذکروں اور بعض رسالوں کے نظیر نمبروں میں نظیرؔ کی نظموں کے علاوہ اس کے ایسے اشعار بھی ملتے ہیں جو اس کلیات میں نہیں ہیں۔ اسلئے میں نے یہ کیا ہے کہ ان اشعار کو ضمیمے کی شکل میں ایک جگہ جمع کر دیا ہے۔ اور اس کے بعد یہ کہا جا سکتا ہے کہ غزلوں کی حد تک نظیرؔ کا کلام تقریباً مکمل ہو گیا ہے۔ ممکن تھا مالک مطبع نول کشور سے اجازت لے کر نظیرؔ کی وہ غزلیں بھی درج کر دی جاتیں جو اس کلیات میں تھیں۔ مگر اول تو شاید اس کی اجازت نہ ملتی دوسرے ان دیوانوں کا حجم بہت بڑھ جاتا اور آپ جانتے ہیں کہ آج کل کے زمانے میں موٹی کتاب کا تو کہنا ہی کیا ہے سوکھی ساکھی کتاب کا طبع کرانا بھی ایک مصیبت ہے۔

میں آخر میں ان کتابوں کی فہرست دیدینا مناسب سمجھتا ہوں جن کی

مدد سے یہ ضمیمۂ دیوان اور مقدمہ مرتب ہوا۔

نمبر شمار	نام کتاب	نام مولف
۱	زندگانیٔ بے نظیر	پروفیسر شہباز
۲	کلیاتِ نظیر	" " "
۳	مجموعۂ نغز	قدرت اللہ قاسم
۴	طبقاتِ الشعراءِ ہند	کریم الدین
۵	گلدستۂ نازنیناں	" " "
۶	گلشنِ بے خار	نواب مصطفےٰ خاں شیفتہ
۷	گلشنِ بے خزاں	حکیم قطب الدین باطن
۸	سخن شعراء	عبد الغفور نساخ
۹	گلستانِ سخن	مرزا قادر بخش صابر
۱۰	تذکرۂ جوشِ معرکہ	سعادت خاں ناصر
۱۱	تذکرۂ سراپا سخن	سید محسن علی
۱۲	تذکرۂ شعرائے ہند	گارساں دی تاسی
۱۳	تذکرۂ آبِ حیات	محمد حسین آزاد
۱۴	مقدمۂ دیوانِ حالی	خواجہ الطاف حسین حالی
۱۵	لغاتِ انگریزی و اردو	ڈاکٹر فیلن
۱۶	تاریخِ ادبِ اردو	رام بابو سکسینہ
۱۷	تذکرۂ شمعِ اردو	ساحل بلگرامی
۱۸	روحِ نظیر	مخمور اکبر آبادی

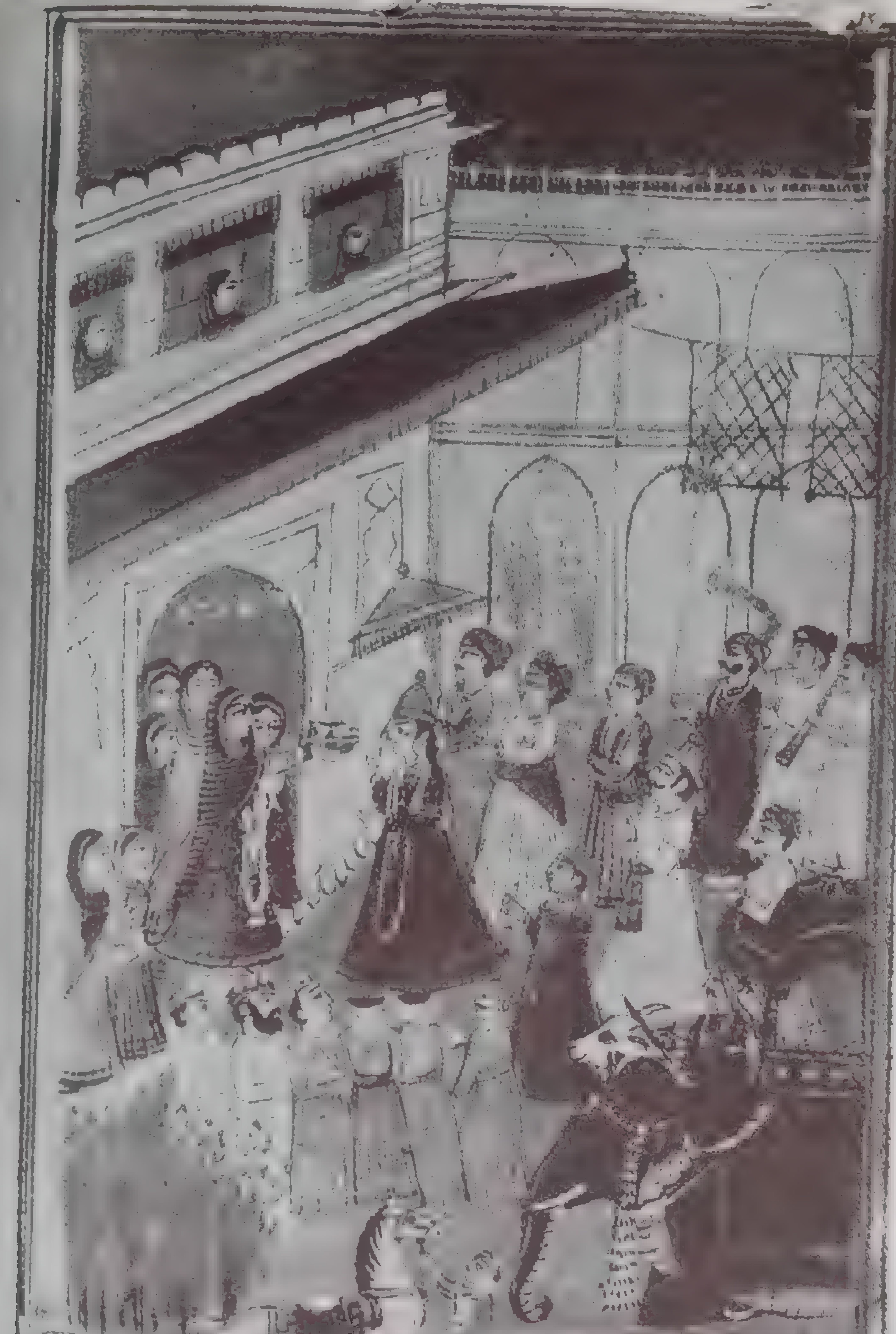
نمبر شمار	نام کتاب	نام مؤلف
۱۹	نظیر نمبر	رسالہ نگار۔ جنوری ۱۹۴۰ء
۲۰	مجمع الاشعار	
۲۱	منتخبات نظیر	
۲۲	چمن بے نظیر	
۲۳	تاریخ ادب اردو	ڈاکٹر جی بیلی
۲۴	جواہر کلیات نظیر	
۲۵	خطبات	گارساں دی تاسی

مقدمہ ضرورت سے زیادہ بڑھ گیا ہے اس لئے اس کو ختم کر دیتا ہوں اب آپ اصل کتاب کا لطف اٹھائیے فقط

مرزا فرحت اللہ بیگ

حیدرآباد دکن

جون ۱۹۴۲ء



= اب بیان سی کہا سنو شادی کی رس او سدورہ جسکی ہر ایک رسم سی جی خوش ہو

= جب راجہ کی دروازی پر ہوئی ان برات اسطور کہڑی =

= سب باجی باجی دیر تک اور چہوٹی آتشبازی بہی =

= جب سمدہی ابی ملنی اور سمدہ ملادی کی تہری =

= اوسوقت بلایا دولہا کو تو ہوئی ریت مندر کی بہی =

= جب دولہا ڈیوڑہی بیچ گئی تب نکلس سندر سوہی =

= لی آئین مندر مین دولہا کو خوش ہوتے اور ارک دیے =

= وہ چاند سا مکہڑہ سر سہرا وہ پہنچی کنگنا نا تار زرکے =

= وہ روپ سہانا جب دیکہا ہوئی سب کے من کی بیچ خوشی =

فہرست غزلیات

حرف الف

حرف ب

حرف پ

حرف ت

حرف ٹ

حرف ث

حرف ج

حرف چ

حرف ح

حرف خ

حرف د

حرف ذ

حرف ر

حرف ڑ

حرف ز

حرف س

حرف ش

حرف ص

حرف ض

حرف ط

حرف ظ

حرف ع

حرف غ

حرف ف

حرف ق

حرف ک

حرف گ

حرف ل

حرف م

حرف ن

حرف و

حرف ہ

حرف ی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیوانِ اوّل

دل کو چشم یار نے جب جام مے اپنا دیا
اُنسے خوش ہو کر لیا اور کہہ کے بسم اللہ پیا

دیکھ اُسکی جامہ زیبی گل نے اپنا پیرہن
اسقدر پھاڑا کہ بُلبل سے نہیں جاتا سیا

بے قراری نے نگاہ سیمبر پھیری ادھر
کی عنایت ہم کو اس سیماب نے یہ کیمیا

اس کے کوچے میں جسے جا بیٹھنے کو مل گئی
مسند زرباف پر غالب ہے اس کا بوریا

دل چُھپا بیٹھا تو اس زلف مسلسل سے نظیر
اے اسیر دام نافہمی یہ تو نے کیا کیا

خوباں کو جب اس کا رُخ زیبا نظر آیا
کہتے ہیں جسے حسن وہ کیا کیا نظر آیا

محبوب قمر شکل جسے رشک سے دیکھیں
اس چہرۂ انور میں وہ نقشا نظر آیا

دیکھا نگہ مہ نے اُدھر شام کو کیا کیا
خورشید سحر کو اسے تکتا نظر آیا

ہر قطرۂ شبنم سے لگا مُنہ کو چھُپانے
جب گل کو گلستاں میں وہ مکھڑا نظر آیا

ہم کیا ہیں نظیر اس سے تو ہر آئینہ رو کو
حیرت کا اثر آئینہ آسا نظر آیا

دیا دل تو پھر عہد و پیماں کیسا | لیا جس نے اس کا ہی احسان کیسا
جہاں زلف کافر میں دل پھنس گیا ہے | تو واں دین کیسا اور ایمان کیسا
ادا نے کیا دل کو پہلو میں بیکل | کرے گی ستم دیکھئے آن کیسا
ادھر کاجل آنکھوں میں کیا کیا لسلا ہے | ملا ہی مسی سے ادھر پان کیسا

نظیر اس سے ہم نے چھپایا جو دل کو
تو ہنس کر کہا "ہیں یہ انسان کیسا"

کیا دن تھے وہ جو واں کرم دلبرانہ تھا
اپنا بھی اس طرف گزر عاشقانہ تھا
مل بیٹھنے کے واسطے آپس میں ہر گھڑی
تھا کچھ فریب واں تو ادھر کچھ بہانہ تھا
چاہت ہماری تاڑتے ہیں واں کے تاڑ باز
تس پر ہنوز خوب طرح دل لگانہ تھا
کیا کیا دلوں میں ہوتی تھی بن دیکھے بیکلی۔
ہر کل کی بات حیف کہ ایسا زمانہ تھا

اب اس قدر ہوا وہ فراموش اے نظیر
کیا جانے وہ معاملہ کچھ تھا بھی یا نہ تھا

شانے سے اس کے کل جو ہمیں درد شانہ تھا | وہ درد شانہ کا ہے کو تھا رشک شانہ تھا
ترچھی نگاہ سے بھی جو دیکھا تو وہ خدنگ | واں ہی لگا غرض جہاں اس کا نشانہ تھا
زریں مباف کا بھی دکھانا کمر کو موڑ | لمبی کو اسپ شوق کے اک تازیانہ تھا
لیلی ہی اسکے ہوش سے واقف تھی ورنہ یہاں | اکثر یہ جانتے ہیں کہ مجنوں دوانہ تھا

اقرار کر کے وہ جو نہ آیا میاں نظیر
وہ پُرفسوں ہی یہ بھی اک اس کا بہانہ تھا

جب سر زلف تا کمر پہنچا — اس کمر کو بہت ضرر پہنچا
ہلکی پہونچی سے بھی لچکتا ہے — نازک اس کا ہے اس قدر پہنچا
اے نسیم سحر تو اس گل کو تو — بیکلی کی مری خبر پہنچا
کہیؤ اے جاں نظیر کو تیرے — رنج ہجر اب تو بیشتر پہنچا

یا بلالے اسے اِدھر اے جان
یا تو ہی آپ کو اُدھر پہنچا

نامۂ یار جو سحر پہنچا — خوش رقم خوب وقت پر پہنچا
تھا لکھا یوں کہ اے نظیر ابتک — کس سبب تو نہیں اِدھر پہنچا
میں نے اس کو کہا کہ اے محبوب — اس لئے میں نہیں اُدھر پہنچا
یوں سُنا تھا تم آپ آتے ہو — اس میں نامہ یہ پُر گہر پہنچا

مجھ کو پہنچا ہی جانو اپنے پاس
آج - کل - شام یا سحر پہنچا

کہنے اس شوخ سے دل کا جو میں احوال گیا
واں نہ تفصیل گئی پیش نہ اجمال گیا

دام کاکل سے گلا کیا - یہ جو ہی طائر دل
آپ اپنے یہ پھنسانے کو پر و بال گیا

دل بے تاب کی کیا جانے ہوئی کیا صورت
پیچھے اس شوخ ستمگر کے جو فی الحال گیا

لے گیا ساتھ لگا وہ بت قاتل گھر تک
یا اسے مار کے رستے میں کہیں ڈال گیا

خیر وہ حال ہوا یا یہ ہوئی شکل نظیر
کچھ تاسف نہ کرو - جانے دو جنجال گیا

عشق میں عقل و ہوش کھونا تھا — کیجیے کیا اب ہوا جو ہونا تھا
شب کو آکر وہ پھر گیا ہیہات — کیا اسی رات ہم کو سونا تھا
کھول دی چاہ دیدۂ تر نے ق — یاں نہ لازم پلک بھگونا تھا
اور جو ایسا ہی تھا تو گوہر اشک — ہٹ کے اغیار سے پرونا تھا

یا چھپانا نظیر تھا بہتر
یا عشق سے ہاتھ دھونا تھا

دل لگا کر قرار کھونا تھا — ہم کو سیماب وار ہونا تھا
دل کو اس سیمبر کے کوچے میں — عاشقوں کی طرح جو سونا تھا
جب وہ سویا تو پاؤں تھا تکیہ — حاصل مدعا بچھونا تھا
جوں ملی چشم ترکف پا سے ق — وہیں واں آبلے کا ہونا تھا

اشک تھا گرم تر نظیر اسے
کچھ دم سرد سے سمونا تھا

عاشق ہو دم کے لینے کو جنجال کر دیا — دل نے ہمارے جی کا یہ احوال کر دیا
سینہ سپر بنا کے ہوا اس کے روبرو — مژگاں نے اس سپر کو بھی غربال کر دیا
مہندی بھرے جو ہاتھ سے اٹکا تو اس نے بھی — ایسے طمانچے مارے کہ منہ لال کر دیا
ہنس کر کہا تمہارے طرف کل ہم آئیں گے ق — ہم کو یہ کہہ کے یار نے خوش حال کر دیا

پھر پاؤں در پہ آکے رکھا اپنے جب نظیر
جتنے تھے رنج و غم انھیں پامال کر دیا

ادھر یار جب مہربانی کرے گا — تو اپنا بھی جی شادمانی کرے گا
دیا دل نظیر اسکو یوں کہہ کے اے جاں ق — کھوگے تو یہ پاسبانی کرے گا
پڑھے گا یہ اشعار بیٹھو گے جب تک — جو لیٹو گے افسانہ خوانی کرے گا

بٹھاؤ گے در پر تو ہوگا یہ درباں — لڑاؤ گے تو پہلوانی کرے گا

اطاعت میں۔ خدمت میں۔ فرمانبری میں
غرض ہر طرح جانفشانی کرے گا

جو دل دے کے کچھ شادکامی کرے گا — تو اپنی یہاں نیک نامی کرے گا

جسے چاہ کی یاد ہے پختہ کاری — وہ کاہے کو الفت میں خامی کرے گا

کہا یوں نظیر ایک دن دل سے میں نے ق — وہ بت تجھ پہ کیا لطف سامی کرے گا

بڑی دوڑ یہ، تلخ دشنام دے کر — ذرا ہنس کے شیریں کلامی کرے گا

جہاں دیکھتا ہوں وہ آگے تو پیچھے
میاں کیا تو اس کی غلامی کرے گا

ڈر ہم کو نظر کا ہے، وہ گھر سے چلا ہوگا — کچھ ہار پڑے ہونگے کچھ عطر ملا ہوگا

بالی کو ہلا ہم سے کتنوں کو دیا چکّر — چھلّوں سے بھی کیا جانے کس کس کو چھلا ہوگا

محفل میں ہوئی ہوگی یاد اسکو بہت میری — جب شمع کے شعلے سے پروانہ جلا ہوگا

اس لب سے ملی ہوگی دشنام بھی اک جسکو — شکر کی طرف اس کا پھر دل نہ چلا ہوگا

مت دیکھ نظیر اس کی ہر دم خم ابرو کو
اک روز یہی شمشیر اور دل کا گلا ہوگا

وہ غنچہ دہن جس کو اک دم بھی ملا ہوگا
دل گل کی طرح اس کا پہلو میں کھلا ہوگا

ہاتھ اس کے حنا بستہ ایسے ہیں کہ دیکھ انکو
سینہ کئی عاشق کا ناخن سے چھلا ہوگا

ق

کوچے میں نظیر اس کے دل جا تو پڑا لیکن
ہر دم کا ستم اس سے کاہے کو جھلا ہوگا

ابرو نے کیا ہوگا جس وقت اسے بسمل
وہ ضعف زدہ ہرگز تڑپا نہ ہلا ہوگا

پلکیں تو جھکی ہوں گی آنکھوں پہ نقاہت سے
اور چشم کے جادو سے مُنہ بھی تو کِلا ہوگا

بیٹھو یاں بھی کوئی پل کیا ہوگا — ہم بھی عاشق ہیں خلل کیا ہوگا
دل ہی ہوسکتا ہے۔ اور اس کے بغیر — جان من دل کا بدل کیا ہوگا
حسن کے ناز اُٹھانے کے سوا — ہم سے اور حسن عمل کیا ہوگا
کل کا اقرار جو میں کر کے اُٹھا — ق — بولا بیٹھ اور بھی چل کیا ہوگا

تو جو کل آنے کو کہتا ہے نظیر
تجھ کو معلوم ہے کل کیا ہوگا

سنا تھا شور قاتل کی اکڑ کا — نظر آیا تو دل سینے میں دھڑکا
نگہ کا تیر وہ مارا کہ دل سے — نہ صدمہ اُٹھ سکا جس کی رگڑ کا
فرو کچھ ہو چلا تھا شعلۂ دل — دیا جھپکوں نے پھر مژگاں کی بھڑکا
ہوئی ہم کو میسر جب شب وصل — ق — رہا جی میں سحر ہونے کا دھڑکا

پلک جھپکی تھی کچھ اس میں نظیر آہ
جو آنکھیں کھل گئیں دیکھا تو تڑکا

آتے اِدھر جو ہم نے وہ کجکلاہ دیکھا
پھر نثار دل کو بے دستگاہ دیکھا
بھولے گھمنڈ اپنے رخ کی چمک جھمک کا
جب مہ رخوں نے یاروں وہ رشک ماہ دیکھا — ق
دل جا رہا تھا اس کی زلف سیہ میں لیکن
پہلو میں پھر جو ہم نے آج اس کو آہ دیکھا

پوچھا نظیرؔ اس سے کیا یاں تو آپ ہی آیا
یا کچھ خطا کی چلتے واں تجھ کو راہ دیکھا

بولا میں بے گنہ ہوں۔ ہم نے کہا غلط ہی
چھوڑا تجھے جو اس نے کچھ تو گناہ دیکھا

اس شوخ کا جو ہم نے رُخ بھر نگاہ دیکھا
ہم نے کہا کہ دیکھا بولا کہ واہ دیکھا

کوچے میں اس صنم کے بیخود جو دل پڑا ہی
کیا جانے کیا جھگڑا جادو پناہ دیکھا

آزردہ دیکھ ہم کو اک شخص نے یہ پوچھا
تم نے نظیرؔ اس کو دو دن ہی چاہ دیکھا ق

سُن کر کہا یہ اس سے اے یار اس صنم کو
ہر لحظ ہم نے دیکھا یا گاہ گاہ دیکھا

چاہیں تو اب بھی جا کر دیکھیں ہم اس کو لیکن
ہی سچ تو یوں کہ دیکھا جب تک نباہ دیکھا

اس کا کھڑا جو بے نقاب ہوا حیرت چشم آفتاب ہوا
اس کی آنکھوں کی دیکھ کیفیت منفعل ساغر شراب ہوا
دل اُدھر سے خجل پھرا جو نظیرؔ جی میں اندوہ بیحساب ہوا
سر جھکا بیٹھنا وہ اس کا دیکھ ہم کو معلوم یوں شتاب ہوا

یہ تو یوں بیٹھتا نہ تھا شاید
بہر تنبیہ کچھ عتاب ہوا

چاہ میں دل بہت خراب ہوا جب وہ کل ہم سے بے حجاب ہوا

سختیاں ہجر کی سہیں جس نے　　وصل سے جب وہ کامیاب ہوا
خانۂ زیں میں دیکھ کر اس کو　　خیل عشاق ہمرکاب ہوا
(ق)
رات آیا نہ وہ تو کیا کیا کچھ　　اہل محفل کو اضطراب ہوا
مے ہوئی خون دل صراحی میں
جام مے دیدۂ پر آب ہوا

ہاتھ اس کا جب نقاب کے گوشے تلک گیا
گوشہ اٹھا تو نور کا بقعہ جھلک گیا　　بقعہ
ساقی نے بھر کے جام دیا ہم کو اس طرح
جو لب تک آتے آتے کئی جا چھلک گیا

آیا نظر وہ حسن جو اس کا تو دم بدم
گھر تک میں اس جھلک سے جھپکتا پلک گیا
نامہ شب فراق میں نکلا تو اس کا شور
ایسا ہوا کہ تا سر بام فلک گیا
اشک اس قدر ڈھلا کہ ہر اک قطرہ اے نظیر
اک پل مژہ کے پاس نہ ٹھیرا ڈھلک گیا

ہوش و خرد کو کر دیا ترک اور شغل جو کچھ تھا چھوڑ دیا
ہم نے تمھاری چاہ میں اے جاں دیکھو تو کیا کیا چھوڑ دیا
کوچے میں اس رشک چمن کے جا کے جو بیٹھا پھر اس نے
باغ و چمن یاں جتنے ہیں سب کا سیر و تماشا چھوڑ دیا
لوٹا ہوش اور لوٹا دیں کو دل کو بھی کھلا کیا کیا واہ
ناز کو اس نے آج تو کچھ بیداد پر ایسا چھوڑ دیا

دن کو ہمارے پاس وہ چنچل کاہے کو آوے گا اے دل
رات کو اک دم خواب میں آنا جس نے ادھر کا چھوڑ دیا

طائرِ دل جب ہم سے گیا پھر فائدہ کیا جو پوچھیں نظیر
شوخ نے اس کو ذبح کیا یا قید رکھا یا چھوڑ دیا

نیچی نگہ کی ہم نے تو اس نے منہ کا چھپانا چھوڑ دیا
کچھ جو ہوئی پھر اونچی تو رُخ سے پردہ اُٹھانا چھوڑ دیا

زلف سے جکڑا پہلے تو دل پھر اس کا تماشہ دیکھنے کو
نظروں کا اس پر سحر کیا اور کر کے دوانا چھوڑ دیا

اس نے اُٹھایا ہم پہ طمانچہ، ہم نے ہٹایا منہ کو جو آہ
شوخ نے ہم کو اس دن سے پھر ناز دکھانا چھوڑ دیا

بیٹھ کے نزدیک اس کے جو اک دن پاؤں کو ہم نے چوم لیا
ق
اس نے ہمیں بے باک سمجھ کر لطف جتانا چھوڑ دیا

پھر جو گئے ہم ملنے کو اس کے، دیکھ کے اسنے ہم کو نظیر
یوں تو کہا۔ "ہاں آؤ جی"، لیکن پاس بٹھانا چھوڑ دیا

ڈر اس کے دل کو ہجر میں کب یاس کا لگا
ہر دھیان جس کو وصل کی یاں آس کا لگا

صبح گلو کے نور سے کیا کیا جھمک گیا
تکمہ جو اس کی جیب میں الماس کا لگا

اے زلف یار کیا ہمیں سُنبل کی بو سے کام
ہو یاں تو دل کو عشق تیری باس کا لگا

دیکھا تو ہم نے چھپ کے اسے تو بھی جی کو خوف
ہے اس کے تاڑ جانے کے وسواس کا لگا

زخم اس نگہ کی تیغ کا دل پر میاں نظیر
صد حیف ایک تو لگا اور پاس کا لگا

دل میں جب چاہ نے قیام کیا — عقل کی پختگی کو خام کیا
چپکے چپکے ہی لے لیا دل کو — نگہ شرگیں نے کام کیا
ق
منع تھا اشک کا بہا دینا — پر جفا نے جو اژدحام کیا
اٹھ چلے دل سے آنسو جب تو نظیر — چاہ نے رُکنے کا پیام کیا
جب یہ دیکھا تو ہو کے پھر لاچار
خانۂ چشم میں قیام کیا

دن کتنے ہم میں اور اس میں ہر وقت یہی ایراد رہا
ہم کرتے اِدھر سے چاہ رہے وہ کرتا اُدھر بیداد رہا
صحرائے جنوں کے پھرنے سے جو خار چبھے تھے پاؤں میں
ہر چند نکالے مدت تک پر تو بھی وہ ایک آدھ رہا
وہ چشم گلابی دیکھی جب یوں بادہ کشی کو بھولے ہم
تھے کہتے مے کا جام جسے پھر نام نہ اسکا یاد رہا
گو ناز اُٹھائے ۔ ظلم سہے یا کھینچے رنج بہت لیکن
شمشاد قدوں کی چاہت میں ہاں دل تو ہمارا شاد رہا
کہنے کو نظیر البتہ الگ یہاں چاہ سے تھا پر دل اس کا
تھا زلف بتاں کے پھندے میں گو ظاہر میں آزاد رہا

رُخ تو وہ ماہتاب سا دیکھا — تن بھی موتی کی آب سا دیکھا

کی نگہ چشم پر تو اس کو بھی ساغر پُر شراب سا دیکھا
پیرہن برگ گل پہ ہوں شبنم عرق تن گلاب سا دیکھا
تھے ابھیؔ ہم جواں نظیرؔ اور اب ق رنگ موسم ناب سا دیکھا
شام کی صبح ہو گئی دم میں
یہ تو کچھ ہم نے خواب سا دیکھا

چاہ میں اس کے دل نے ہمارے نام کو چھوڑا نام کیا
شغل میں اس کے شوق بڑھا کر کام کو چھوڑا کام کیا
زلف دُوپٹہ دھانی میں کر کے نہاں مرا دل باندھ لیا
صید نہ کھاوے کیونکر بُل جب سبزے میں پنہاں دام کیا
رم پر اپنے آہوے دل کو غرہ نہایت تھا لیکن
چنچل آہو چشم نے اس کو ایک نگہ میں رام کیا
سمجھے تھے یوں ہم دل کو لگا کر پاوینگے یاں آرام بہت
حیف اسی فہمید نے ہم کو کیا کیا بے آرام کیا
ہم نے کہا جب ناز بتاں کے تم تو بہت کام آئے نظیرؔ
سُن کے کہا کیا آئے جی ہاں کچھ بت کے موافق کام کیا

چشم ساقی سے جس نے جام لیا اس نے پھر نشۂ مدام لیا
دل تغافل سے گر چلا جس دم دست لُطف صنم نے تھام لیا
صبح بہر سلام ہم نے نظیرؔ ق پہلے اک بر ادب مقام لیا
سر جُھکا رکھ کے ہاتھ ماتھے پہ دو گھڑی جُھک کے خم سے کام لیا
جب زرا چشم کی اشارت سے
اس گل اندام نے سلام لیا

کسی کو دنیا دھج دکھاتا رہے گا — کسی کو دل اس سے لگاتا رہے گا
کسی چشم سے تیر مژگاں لگیں گے — کسی کا دل ان کا نشانا رہے گا
کہیں دل کو لے کر ہنسیں گے خوشی ہو — کہیں غم میں آنسو بہاتا رہے گا
کہیں شوخیاں ہوں گی ناز و ادا کی — کہیں دیکھ انھیں غش میں آتا رہے گا

یہ حسن اور نظیر عشق جب تک رہیں گے
میاں یاں یہی کارخانہ رہے گا

جو پیش نظر وہ گل اندام ہوگا — تو دامن نگہ کا شفق فام ہوگا
نہ دیکھ اس کی مژگاں کو اے دل گر تو — ابھی چھد کے تو رشک بادام ہوگا
اگر چل گئی تیغ ابرو کی تجھ پر — تو بس ایک ہی وار میں کام ہوگا
دیا دل نظیر اپنا مدت سے تو نے ق — مگر دیکھیے کب وہ ہنگام ہوگا

لب جام سے لب لگے ہوں گے تیرے
اور آغوش میں وہ دلارام ہوگا

خیال یار سدا چشم نم کے ساتھ رہا
مرا جو چاہ میں دم تھا وہ دم کے ساتھ رہا
گیا سحر وہ پری رو جدھر جدھر یارو
میں اس کے سایہ صفت ہر قدم کے ساتھ رہا

پھرا جو بھاگتا مجھ سے وہ شوخ آہو چشم
تو میں بھی تھک نہ رہا گو وہ رم کے ساتھ رہا
اکیلا اس کو نہ چھوڑا جو گھر سے نکلا وہ
ہر اک بہانے سے میں اس صنم کے ساتھ رہا

نظیر پیر ہوا تو بھی بار ناز بتاں
کچھ اس کے دوش کے کچھ پشت خم کے ساتھ رہا

ہی عزم کشور دل کی ادا کو غارت کا
فریب دے ہی تبسم ہیں بشارت کا

بسا جو وادی میں جا کر تو وہ ملا آرام
ق
کہ قیس بھول گیا نام بھی عمارت کا

دل اس کے آگے سے جلدی سرک میں کہتا ہوں
مجھے تو ڈر ہی نہایت تیری جسارت کا

بھویں تو کھینچ چکی ہیں کمان اے غافل
نگہ کا تیر ہی اب منتظر اشارت کا

نظیرؔ سے ہیں جو پیری میں دلربا ملتے
یہ فیض اس کو در دل کی ہی زیارت کا

گلچین نہ توڑ گل یہ بعید و قریب کا
بیٹھے بٹھائے دل نہ ستا عندلیب کا

جس کے شمیم زلف بھری ہو مشام میں
کیا رتبہ اس کے سامنے سنبل کی طیب کا

احوال دل جو ہم نے کل ایک دوست سے کہا
ق
آیا سخن یہ گوش میں جب اس حبیب کا

اس کی دعا جو ہو تو کسی نازنین سے ہو
اے مہرباں یہ کام نہیں ہی طبیب کا

اس کج کلہ کی چاہ کی مت کر ہوس نظیرؔ
کیا اس نے دل قبول کیا تجھ غریب کا

اٹکا لیا جو زلف نے دل کو اٹک گیا
لٹکا لیا جو باندھ کے جیں سے لٹک گیا

جی ہو گیا اس آتشیں عارض کو دیکھ موم
دل بھی سپند وار ہوا اور چٹک گیا

کیا جانیے اس کا پاؤں پڑا کس مژہ پہ آج
کانٹا سا کچھ جو دل میں ہمارے کھٹک گیا

دل لے گیا تھا شوخ جو کاکل سے باندھ کر
جلدی سے پھر جو زلف ہلا کر جھٹک گیا
آیا وہ ناپسند اُسے جب تو اے نظیر
جس کی بلا تھی اس کے ہی سر پر پٹک گیا

تھا عہد یہ دل اس کو زنہار میں نہ دوں گا
دیکھا اسے تو بھولا "زنہار میں نہ دوں گا"
بوسہ جو ہم نے مانگا دو چار بار اس سے
بولا کہ تو کیا کر تکرار میں نہ دوں گا
جب اس نے مجھ سے پوچھا تو دل پری کو دیگا
میں نے کہا یہ ہنسکرا کے یار میں نہ دوں گا
سلک گہر نے مانگا ہار آنسوؤں کا جس دم
ق
بولا نظیر اس سے زنہار میں نہ دوں گا
قدر اس کی چاہ میں ہر سو درج دُر سے افزوں
اے سلک در مکنوں یہ ہار میں نہ دوں گا

دل واں سے جو کل شتاب آیا دلبر کو بہت عتاب آیا
مدت میں ذرا اُٹھا دیا تھا پھر چہرے پہ اب نقاب آیا
اس چشم کو دیکھ چشم نرگس ق ایسی کھلی پھر نہ خواب آیا
پیری میں نظیر اپنے بر میں وہ شوخ جو بے حجاب آیا
آکر لگے کہنے اس سحر کو
آغوش میں آفتاب آیا

محفل میں اس کے پہنچے اور یار کو نہ دیکھا
بھولے ہمیں جو اپنی مقدار کو نہ دیکھا

عارض کے دیکھنے میں یوں محو ہو گئے ہم
جو ابروؤں کی ہرگز تلوار کو نہ دیکھا

ایسا چھپایا اس نے زلفوں سے منہ کو ہم سے
چاہا بہت پر اس کے رُخسار کو نہ دیکھا

دل دیکھنے کو آیا - یارو - تو اس صنم نے
ق
ناطاقتی میں اس کے اطوار کو نہ دیکھا

تیر نگہ لگایا ایسا نظیر جس کی
پیکاں تو کیا کہ ہم نے سوفار کو نہ دیکھا

اسنے کتابی رخ دکھا ہوش ہمارا کھو دیا
ایک جھلک میں حرف صبر صفحۂ دل سے دھو دیا

چہرے کو جب چھپا لیا ناز سے اس کی شرم نے
دیکھی یہ شکل ہم نے جب بس نہ چلا تو رو دیا

مہندی سے ناخن اس کے سُرخ دیکھے تو اس نگار نے
چٹکی وہ لی کہ دل میں آہ کیا کہیں کیا چبھو دیا

چھید لیا نگہ سے دل اسنے تو ہم نے دیکھ کر
نوک مژہ سے اشک کے قطروں کو پرو دیا

دیکھیں جفائیں اسکی جب ہم سے کہا یہ جی نے آہ
کیا کہوں تجھ سے اے نظیر تو نے تو دل ڈبو دیا

ہی اب تو یہ وُھن اس سے میں آنکھ لڑا لونگا
اور چوم کے منہ اس کا سینے سے لگا لونگا
گر تیر لگاوے گا پنیہم وہ نگہ کے ، تو
میں اس کی جراحت کو ہنس ہنس کے اٹھا لونگا

دل جاتے ادھر دیکھا جب میں نے نظیر اس کو
روکا ارے وہ تجھ کو لے گا تو میں کیا لونگا ق

وال ابرو و مژگاں کے ہیں تیغ و سناں ہر جا
ٹک سوچ تو میں تجھ کو کس کس سے بچا لونگا

پڑ جاویگی جب شہ وہ اے دل تو بھلا پھر میاں
کیا آپ کو تھامونگا کیا تجھ کو سنبھالوں گا

اٹھاوے تو گر ناز اس دلستاں کا ۔۔۔ نہیں کام اے دل یہ تجھ ناتواں کا
کیا دل کو زیر اک طمانچے میں یارو ۔۔۔ زبردست ایسا ہی نازان بتاں کا
ہوئی تیغ ابرو سے دل کی وہ صورت ۔۔۔ جو احوال ہوتا ہی مہ سے کتاں کا
نظیر اب سنا ہی کہ اس تندخو نے ۔۔۔ ق کیا بن کے خونخوار پھر قصد یاں کا
جو آتا ہی آنے دو اس تیغ زن کو
ڈرے وہ میاں جس کو خطرہ ہو جاں کا

ہوا مسکن اپنا در اس دلستاں کا ۔۔۔ یہ سر ہو چکا اب اسی آستاں کا
ہمارے تحمل کو وہ جانتا ہی ۔۔۔ اُٹھاتا ہی جو ناز دل سے بتاں کا
طلب اس کے لب سے جو بوسہ کریں ہم ۔۔۔ تو کب ہی یہ مقدور اپنی زباں کا
لگے کہنے جب حال اپنا تو اس نے ۔۔۔ ق کہا طول چھوڑو نظیر اس بیاں کا
کوئی ایک دو بات کہنی ہو کہہ لو
میاں تم نے چھیڑا یہ قصہ کہاں کا

کیا ڈھب ہی دل کو لینا اور اجتناب کرنا
آپ عشرتوں سے رہنا ہم کو خراب کرنا

کیا جانے یاد آئی کس شوخ چلبلے کی
کچھ بے طرح ہی دل کا آج اضطراب کرنا

پیتے ہیں دتوں سے ناصح جو ہم تو ان کو
کہنے سے تیرے کب ہو ترک شراب کرنا

بھولیں نظیر کیونکر ہم اس معاملے کو
ق
دیکھا جو خواب میں بھی اس کا حجاب کرنا

اپنا وہ پاس جانا۔ کہنا کہ ملیئے ای جاں
اس کا پرے سرکنا، رکنا، عتاب کرنا

شیوۂ ناز ہوشش چھل جانا طرز رفتار دل کچل جانا
صف مژگان کے جھوک سے گر کر ہم سے کب ہو سکا سنبھل جانا
ق
اسنے آنے کہا ہی صبح۔ اے اشک تو پلک پر نہ ایک پل جانا
ہم ابھی منتظر ہیں آنے کے دن ڈھلے گا تو تو بھی ڈھل جانا
دل نے سیکھا ہی بے طرح سے نظیر
بن کہے، بن سنے، نکل جانا

ہی ناز اسے ہر دم، یہی منتظر آنے کا
اب دیکھیئے جلوہ ہو کس طرفہ بہانے کا

دیکھ اس صف مژگاں کو وہ شکل ہوئی دل کی
ہو جاتا ہی تیروں سے جو حال نشانے کا

صد چاک ہوا کیا کیا دل رشک کے آرے سے
جب ربط نظر آیا اس زلف سے شانے کا

ہر لحظہ نئی چھیڑیں ہر دم خلش تازہ
ہے کام بہت مشکل کچھ ناز اٹھانے کا
ٹھیرا تھا نظیر آنا اور یاں جو نہ آیا وہ
کچھ ناز کیا شاید پھر راہ دکھانے کا

ادا کے توسن پر اس صنم کو جو آج ہم نے سوار دیکھا
تو ہلتے ہی ٹک عناں کے کیا کیا چلتے صبر و قرار دیکھا
جھپک یہ مژگان کے جب نگہ کی تو اسنے اک پل میں ہوش اڑایا
جو چشم و غمزہ کی طرز دیکھی تو جادو اس کا شعار دیکھا
جو دیکھی اس کی وہ تیغ ابرو تو جی کو ہیبت نے آن گھیرا
نگہ جو کاکل کے دام پر کی تو دل کو اس کا شکار دیکھا
حنا جو ہاتھوں میں اس کے دیکھی تو رنگ دل کا ہوا عجب کچھ
کمر بھی دیکھی تو ایسی نازک کہ مو بھی اس پر نثار دیکھا
وہ دیکھ لیتا ہماری جانب تو اس میں ہوتی کچھ اور خوبی
پر اسنے ہرگز ادھر نہ دیکھا نظیر ہم نے ہزار دیکھا

آنے کا عہد اس کے گر سچ نظر میں آتا
تو اشک لحظہ لحظہ کیوں چشم تر میں آتا
پہلو میں اپنے ہوتا کیا کیا سرور دل کو
گر ایک دم ہمارے وہ شوخ بر میں آتا
تیر نگاہ چلتا اس کا تو پھر وہ ہمدم
جاتا کہیں نہ ہرگز سیدھا جگر میں آتا

طائر کو دل کے اسنے باندھا نظیر جو تھا
ق
چھٹتا تو وہ ادھر کو اک پہر بھر میں آتا

شہرت جو ہی کہ چھوٹا شاید غلط ہی یارو
گر چھوٹتا تو آخر اپنے ہی گھر میں آتا

محفل میں اپنی ہم کو جس دم وہ بار دے گا
اپنا نہال الفت اس دن ہی بار دے گا

دست حنائی اس کے مت دیکھ ہر دم اے دل
پھر ہاتھ سے تو اپنا صبر و قرار دے گا

دیکھ اس سے ہم کو ناخوش اک ہمنشیں نے پوچھا
ق
بن دیکھے اس کے تم کو یہ دل قرار دے گا

ہم نے کہا کہ اب تو ہم اس گھڑی ملیں گے
جب ایک بوسہ ہم کو وہ گلعذار دے گا

بولا نظیر تم کو ہی چار دن کی چاہت
وہ تند خو تمہیں تو کیا ایک چار دیگا

کہا تھا ہم نے تجھے تو اے دل کہ چاہ کی مے کو تو نہ پینا
سو اس کو پی کر تو ایسا بہکا کہ ہم کو مشکل ہوا ہی جینا

جو آنکھیں چنچل کی دیکھیں ہم نے تو نوک مژگاں نے دل کو چھیدا
نگہ نے ہوش و خرد کو لوٹا ادا نے صبر و قرار چھینا

کہا جو ہم نے کہ آن لگیئے ہمارے سینے سے اس دم اے جاں
تو سن کے اس نے حیا کی ایسی کہ آیا منہ پر وہیں پسینا

کیا ہی غصے میں ہاتھ لا کر میرا گریبان جو کر ڈالے اسنے
پھٹا ہی رہنا ہے اب تو بہتر نہیں مناسب کچھ اس کو سینا
کہا تھا آوں گا وہ ہی دن میں وے نہ آیا وہ شوخ ابتک
گنا جو ہم نے نظیرؔ دل میں تو اس سخن کو ہوا مہینا

کچھ تو ہو کر دو بدو کچھ ڈرتے ڈرتے کہدیا
دل پہ جو گزرا تھا ہم نے آگے اس کے کہدیا
باتوں باتوں میں جو ہم نے درد دل کا بھی کہا
سن کے بولا تو نے یہ کیا بکتے بکتے کہدیا
اب کہیں کیا اس سے ہمدم دل لگا تے وقت آہ
تھا جو کچھ کہنا سو وہ تو ہم نے پہلے کہدیا
چاہ رکھتے تھے چھپائے ہم تو لیکن اس کا بھید
ق کچھ تو ہم نے سامنے اک ہمنشیں کے کہدیا
یہ ستم دیکھو زرا منہ سے نکلتے ہی نظیرؔ
اِس نے اُس سے۔ اُس نے اِس سے۔ اس نے اس سے کہدیا

صنم کے کوچے میں چھپ کے جانا اگرچہ یوں ہی خیال دل کا
پہ وہ تو جاتے ہی تاڑ لے گا پھر آنا ہوگا محال دل کا
گہر نے اشکوں کے یہاں نکل کر جھمک دکھائی جو اپنی ہر دم
تو ہم نے جانا کہ موتیوں سے بھرا ہے پہلو میں تھال دل کا
کبھی اشارت کبھی لگاوٹ کبھی تبسم کبھی تکلم
یہ طرزیں ٹھیریں تو ہم سے پھر ہو بھلا جی کیونکر سنبھال دل کا

وہ زلف پرپیچ و خم ہی اس کی پھنسا تو نکلے گا پھر نہ ہرگز
ہمارا کہنا ہی سچ ارے جی تو کام اس سے نہ ڈال دل کا

میں لحظہ لحظہ ہوں کھینچ لاتا وہ پھر اسی کی طرف ہی جاتا
کروں نظیر اسکی فکر میں کیا ہی اب تو میرے یہ حال دل کا

اس سرخ لب سے ہم نے لعل یمن کو دیکھا
جب ہنس دیا تو سلک در عدن کو دیکھا

تار نگہ ہمارا ہی آج تک بھی رنگین
کل ہم نے ایک ایسے گل پیرہن کو دیکھا

سنبل ہوئی تصدق دیکھ اس صنم کے کاکل
نسریں نثار ہوئی جب اس کے تن کو دیکھا

بلبل نے ہو کے نازاں کل یوں کہا جو ہم سے
یہاں نے تو گل کو تم نے اس گلبدن کو دیکھا

ہم نے نظیر ہنس کر جب اس کو یہ سنایا
تو نے چمن کو ہم نے رشک چمن کو دیکھا

دل ہم نے جو چشم بت بیباک سے باندھا
پھر نشہ صہبا سے نہ تریاک سے باندھا

اس زلف سے جب ربط ہوا جی کو تو ہم نے
شانے کا تصور دل صد چاک سے باندھا

دیکھا نہ قد سرو کو پھر ہم نے چمن میں
جس دن سے دل اس قامت چالاک سے باندھا

جو آہوئے دل بھا گیا اس صید فگن کو
جھپ اس نے اسے کاکل پیچاک سے باندھا

اور جو نہ پسند آیا اسے وہ تو نظیر آہ
نے صید کیا اس کو نہ فتراک سے باندھا

پایا مزا یہ ہم نے اپنی نگہ لڑی کا
جو دیکھنا پڑا ہی غصہ گھڑی گھڑی کا

عقدہ تو نازنیں کے ابرو کا ہم نے کھولا
اب کھولنا ہی اس کی خاطر کی گلجھڑی کا

اس رشک مہ کے آگے کیا قدر ہی پری کی
کب پہنچے حسن اس کو ایسی گری پڑی کا

اس گلبدن نے ہنس کر اک لیکے شاخ نسرین
ق
ہم سے کہا کہ کیجیے کچھ وصف اس چھڑی کا

جب ہم نظیر بولے۔ اے جاں یہ وہ چھڑی ہی
دل لوٹتا ہی جس پر جوں پھول پنکھڑی کا

کل جو وہ دلربا اِدھر آیا دل کو لینے کو تھا مگر آیا
دوسرے دن بھی شوخ مہر فزا اس طرف جب ہوئی سحر آیا
پھر گیا دھج دکھا کے پھر دم میں مسکراتا وہ سیمبر آیا
میں نے جانا یہ دل نہ چھوڑے گا ق ہی اسی کی یہ تاک پر آیا

جب یہ دیکھا تو میں نظیر اک دن
آپ ہی دل اس کے نذر کر آیا

دیا جو ساقی نے ساغر مے دکھا کے آن اک ہمیں لبالب
اگرچہ میکش تو ہم نئے تھے پہ لب پہ رکھتے ہی پی گئے سب

کب اس کا یہ قد کب اس کا یہ تن کب اس کا یہ رخ کب اس کا یہ لب
چلے ہیں دینے کو ہم جسے دل وہ ہنس کے لے لے بس اب ہمیں تو
یہی ہے خواہش۔یہی تمنا۔یہی ہے مقصد۔۔یہی ہے مطلب
کبھی جو آتے ہیں دیکھنے ہم تو آپ تیوری کو ہیں چڑھاتے
جو ہر دم آویں تو کیجیے خفگی میاں ہم آتے ہیں ایسے کب کب
نہ پی تھی ہم نے یہ مے تو جب تک نظیر ہم میں تھا دین وایماں
لگا لبوں سے وہ جام پھر تو کہاں کا دین اور کہاں کا مذہب

رات کھینچا جو اسنے رُخ سے نقاب چھٹ گئی روئے ماہ پر مہتاب
اس حنا بستہ دست کو پہنچے ق پنجۂ آفتاب میں کیا تاب
اس کے توسن پہ کل جو ہم نے نظیر آتے دیکھا ادھر شتاب شتاب
چوم لی باگ اس طرح پہلے جی میں خوش ہو گیا دل بیتاب
مل کے پھر چشم دامن زین سے
جھاڑی پلکوں سے گرد روئے رکاب

کیونکر رہے نہ آہ وہ غلطت پزیر چپ
ہو نگاہ کا جسے کر دیوے بہیر چپ

بوسہ جو مانگتے ہیں تو منہ پر طمانچہ مار
کرتا ہے شوخ ہم کو سمجھ کر حقیر چپ

کاکل میں ہم نے پھنس کے جو شکوہ کیا زرا
بولی وہ چشم اس کی وہیں "اے اسیر چپ"

دیکھ اس نے ہم کو، چیں بجبیں ہو کے یوں کہا
ق
دیکھے ہی بے طرح ہیں ہو کر یہ پیر چپ

چاہا کہیں کہ پیر کے کیا دل ہیں میاں
تیوری کو اسکی دیکھ رہے ہم نظیر چپ

ہی جو اس محبوب کے انگشتری در دست چپ
رکھتی ہی کیا کیا نزاکت پروری در دست چپ

جس کماں کو کھینچتا ہی وہ بت ابرو کماں
اس کے قبضے میں ہی سوزنیت وری در دست چپ

کچھ جو لکھتا ہی قلم لے کر تو پھر کیا کیا رقم
کرتے ہیں قرطاس پر زیب آوری در دست چپ

کل تو دائیں ہاتھ میں تسبیح رکھتا تھا نظیر
اور مصلے کی عنایت گستری در دست چپ

آج صہبا کی گلابی اس کے ہی در دست راست
اور چھلکتی مے کی ایک پیالی بھری در دست چپ

دل ہی یوں پہلو میں یاد بت گلفام سمیت
جیسے رہتا ہی انگوٹھی میں نگین نام سمیت

کھل گئی مکھڑے پہ جب کاکل مشکیں اس کی
آئی اس وقت نظر ہم کو سحر شام سمیت

جب گیا باغ میں وہ غنچہ دہن مے گوں چشم
آگیا رشک میں پستہ گل بادام سمیت

دیکھی ساقی کے حنا پنجہ مہ رشک میں جب
بوسۂ دست لیا ہم نے لب جام سمیت

خوش ہوا دیکھ کے کیا کیا چمنستان کو نظیر
جب وہ گلشن میں گیا اپنے گل اندام سمیت

نگہ لڑانے کے آگے اس کی ہے ناز کرتی پڑی لگاوٹ
حنا دکھانے کے سامنے بھی ہے دست بستہ کھڑی لگاوٹ

دکھا کے چین کو جبیں کے اوپر اسے تو کچھ حسن ہے دکھلانا
جو سادہ دل ہو تو سمجھے خفگی اور اس کی ہے وہ بڑی لگاوٹ

چھڑی اٹھاتا ہے جب وہ گل کی تو ہے کچھ اس میں بھی گل کھلاتا
لگا دے تن پر وہ جس کے ہنس کر تو وہ چھڑی ہے چھڑی لگاوٹ

خفا ہو جس سے تو وہ یہ جانے کہ مجھ سے روٹھا بس اب ولیکن
پھنسا وہ پھندے میں ۔ توں کو جہاں تک یکی لڑی لگاوٹ

نظیر دل کو بچاوے یارو کب اس صنم سے کہ جس میں ہووے
گھڑی مچلنا ۔ گھڑی چہکنا ۔ گھڑی جھجکنا گھڑی لگاوٹ

بتوں کی چاہ نہیں ہم کو دل پذیر عبث
ہم ان کی زلف میں ہوتے نہیں اسیر عبث

کتاں جو عشق کے باعث سے ٹکڑے ہوتا ہے
اگر کچھ اس سے کرے ہمسری حریر عبث

وہ ہم کو جھڑکے ہے اور لوگ ہنس کے کہتے ہیں
کرے ہے چاہ بڑھاپے میں دیکھو پیر عبث

جھکے تھے بوسے کو لینے انیائے جب ہیہات
ہم اس کی نظروں میں اے دل ہوئے حقیر عبث

وہ پوچھتا بھی نہیں اور نہ منہ لگاتا ہے
پٹکتے پھرتے ہو اس سے میاں نظیر عبث

کرنے لگا دل طلب جب وہ بت خوش مزاج
ہم نے کہا جان کل اسنے کہا ہنس کے آج
زلف نے اس کی دیا کاکل سنبل کو رشک
چشم سیہ نے لیا چشم سے آہو کے باج
اس کی وہ بیمار چشم دیکھ رہا تو، جو دل
رہ تو سہی میں ترا کرتا ہوں کیسا علاج
کام پڑا آن کر چاہ سے جس دن ہمیں
چھُٹ گئے اس روز سے اور جو تھے کام کاج
دل تو نہ دیتے ہم آہ لے گئی لیکن نظیر
اس کی جبیں کی حیا اور وہ آنکھوں کی لاج

اس کے بالا ہے اب وہ کان کے بیچ
جس کی کھیتی ہے جھوک جان کے بیچ
دل کو اس کی ہوا نے آن کے بیچ
کر دیا باولا اک آن کے بیچ
آتے اس کو ادھر سنا جس دم
آ گئی انبساط جان کے بیچ
راہ دیکھی بہت نظیر اس کی
جب نہ آیا وہ اس مکان کے بیچ
پان بھی پاندان میں بند رہے
عطر بھی قید عطر دان کے بیچ

تھی چھوٹی اس کے مکھڑے پر کل زلف مسلسل اور طرح
پھر دیکھا آج تو اس گل کے تھے کاکل کے بل اور طرح

وہ دیکھ جھڑکتا ہی ہم کو، کر غصہ ہر دم اور ہمیں
ہی چین اسی کے ملنے سے زنہار نہیں کل اور طرح

معلوم نہیں کیا بات کہی غماز نے اس سے جو ہم سے
تھیں پہلی باتیں اور نمط اب بولے ہی چنچل اور طرح

دل مجھ سے اس کے ملنے کو کہتا ہی تو اس کے پاس مجھے
جب لے پہنچا تھا بھیس بدل پھر اب کے لے چل اور طرح

ہو کتنے دنوں سے عشق نظیرؔ اس یار کا ہم کو جسکی ہیں
صبح اور برن شام اور پھبن آج اور روش کل اور طرح

چھپاتا ہی جو ہم سے وہ صنم رخ — دکھاتا ہی ہمیں کیا کیا الم رخ
نہیں دم لینے دیتی بیقراری — نہ دیکھیں ہم جو اس کا ایکدم رخ
ق
نظر آتی ہی کیا کیا شکل فرحت — ٹک اس کا دیکھ لیتے ہیں جو ہم رخ
نظیرؔ اس دلربا کا حسن ہی وہ — پری جس کے نہیں ہو سکتی ہم رخ

قمر ہر شام تکتا ہی جبین کو
سحر دیکھے ہی مہر صبحدم رخ

جب ہم کو اس کی زلف کے آئے پسند بند
ایسے پھنسے کہ جس سے بندھے دل کے بند بند

کرنے فریب سے ذکر جو آتے ہو تم میاں
ہم کو بھی کتنے یاد ہیں اس ڈھب کے چھند بند

گردن کب ایسی کاکل پر پیچ سے چھٹے
بندش میں حلقہ حلقہ ہی جس کا کمند بند

ہوتے ہی قید چاہ میں تڑپا دل اس طرح
پھڑکے ہی جیسے دام میں ہو کر پرند بند
آیا جو وہ تو اس سے نظیرؔ اس طرح ملا
بھینچے کہ جس میں ٹوٹ گئے اس کے چند بند

جو پاویں دست بت دلستاں کا تعویذ
تو ہم بناویں اسے اپنی جان کا تعویذ
یقین ہو جس کے اثر کا وہ نقش دل کا ہی
قلم سے لکھیے تو ہی وہ کمان کا تعویذ
جنونِ عشق میں تاثیر کی یہ بوٗ لاوے
بخط مشک ہو یا زعفران کا تعویذ
کلائی ہم نے جو پکڑی پچک گیا ہمدم
وہ اس کے دست نزاکت نشان کا تعویذ
نہ اٹھتا ہو پہنچے سے بھاری اسی سبب سے نظیرؔ
بنا تھا بھاپ سے وہ عطردان کا تعویذ

کس طرح ملجائیے اس اچپلے سے دوڑ کر
ڈر کے چلتا ہی جو اپنے دل چلے سے دوڑ کر
گھر سے جب آیا وہ اوپر دیکھنے کو اس کے میں
اٹھ چلا دیوار کے سایے تلے سے دوڑ کر
عید کے دن بھی نہیں ملتے سمجھ ہم کو برا
ہاں میاں سچ ہی کہ ملتے ہیں بھلے سے دوڑ کر
شام تک بھی وہ نہ نکلا گھر سے اپنے ہمنشیں
کیا ہوا جو ہم گئے تھے دن ڈھلے سے دوڑ کر

آج اس کی فہم میں کیا جانے کیا آیا نظیرؔ
جو ہمارے لگ گیا چنچل گلے سے دوڑ کر

یوں ہم اس زلف میں آئے ہیں دل زار کو چھوڑ
جیسے جاتا ہے کوئی رات میں بیمار کو چھوڑ

آئی کیا کیا نظر اس دم گل و سنبل کی بہار
رخ پہ جب اس نے دیا کاکل بلدار کو چھوڑ

عار کی اس نے تو پھر ہم نے کلائی پکڑی
اور نہ چنگل سے دیا دامن عیار کو چھوڑ ق

جب نظیرؔ اس نے کہا چھوڑ تو یوں بولے ہم
دیں کلائی کو بھی اور دامن زرتارہ کو چھوڑ

پر یہ ہی شرط کہ تو ہاتھ میں لے تیغ میاں
یا کوئی ہاتھ اِدھر چھوڑ دے یا عار کو چھوڑ

آیا اِدھر کو اک دن وہ گلبدن نہ ہرگز
کام آئے کچھ ہمارے اے دل جتن نہ ہرگز

کب مل کے بیٹھے ہم سے وہ دلربا کہ اپنا
لگنے دے پیرہن سے جو پیرہن نہ ہرگز

کیا کیا ہوس کی ہم نے ملنے کی اس سے لیکن
آیا ہمارے بر میں وہ سیمتن نہ ہرگز

ساعد ہیں اس صنم کے وہ سیمگوں کہ جن کو
نسرین نہ پہنچے اصلا اور نسترن نہ ہرگز

ہو وے ذرا بھی ناخوش وہ خوش خرام جس میں
تو اے نظیرؔ چلیو ایسا چلن نہ ہرگز

دل کے لینے کا رکھ کے دل میں پاس
آگیا وہ صنم ہمارے پاس
پہلے آنے سے اس کے آتی ہے
ہم کو اس زلف عنبریں کی باس

مل کے جب وہ چلا تو ہم نے کہا
کل بھی گر تم نہ آئے بے وسواس
تو یہ خاطر میں یاد رکھئے گا
ہے بندھی ایک شے ہمارے پاس

جب نظیر اس نے ہم سے کھلوائی
تھی وہ کیا چیز ریزۂ الماس

شیریں کو جیسی جو کے تھی شیر پر نوازش
ویسی ہی اب ہے اس کی مجھ پیر پر نوازش
کتنی کڑی ہے تو بھی سینے سے لگ رہی ہے
اس کو یہ ہے طلا کی زنجیر پر نوازش

دو دن خفا ہو اس سے چاہا جو لطف ہم نے
کہہ کر "چہ خوش" یہ بولا تقصیر پر نوازش
ہم جب شبیہ اپنی پھینک آئے اس کے در پر
دیکھی تو کر کے اس کی تحریر پر نوازش

ہنس کر نظیر واں سے ٹھوکر لگا ہٹا دی
کی اس نے یہ ہماری تصویر پر نوازش

جن دنوں ہم کو اس سے تھا اخلاص
کھل رہا تھا وہ جا بجا اخلاص

اس کو بھی ہم سے تھی بہت اُلفت
اور ہمیں اس سے تھا بڑا اخلاص
مل کے جب بیٹھتے تھے آپس میں
تھا دکھاتا عجب مزا اخلاص

ق
ایک دن ہم میں اور نظیرؔ اس میں
ہو کے خفگی جو ہو چکا اخلاص
ہم یہ بولے کدھر گئی اُلفت
وہ یہ بولا کدھر گیا اخلاص

سنئے اے جاں کبھی اسیر کی عرض
اپنے کوچے کے جا پذیر کی عرض
چھد گیا دل زباں تلک آتے
ہم نے جب کی نگہ کے تیر کی عرض

ق
اس گھڑی کھلکھلا کے ہنس دیجئے
ہے یہی اب تو کہنہ پیر کی عرض
جب تو اس گلبدن شکر لب نے
یوں کہا سن کے اس حقیر کی عرض
اب تلک دُھن ہے حسن دنداں کی
دیکھ اس پوپلے نظیرؔ کی عرض

حسن کو ہے دلبری سے ارتباط
رُخ کو ہے جاں پروری سے ارتباط
ہر مژہ کو تیر سے ہے ہمسری
چشم کو افسوں گری سے ارتباط
قد کو ہے سرو سہی سے ہم قدی
تن کو ہے نازک تری سے ارتباط
ناز کو شوخی سے ہے پیوستگی
آں کو غارتگری سے ارتباط
مل کے ایسے نازنیں سے پھر نظیرؔ
کب کیا ہم نے پری سے ارتباط

دل ہے اس کجکلاہ سے محظوظ
جی بھی ہے اس کی چاہ سے محظوظ

تم سے جو ناز ہو کرو اے جان — ہم ہیں اس رسم و راہ سے محظوظ
خوش پری بھی جو ہو سو ہو ہم تو — ہیں اسی رشک ماہ سے محظوظ
کیا تماشا ہے یارو کل تو نظیر — تھا بہت خانقاہ سے محظوظ
آج بیٹھا ہے میکدے کے بیچ
مغبچے کی نگاہ سے محظوظ

اس رُخ کی ہمسری میں جو آوے خیال شمع
اتنی تو دھیان میں نہیں آتی مجال شمع
محفل میں اس کے تن کی نزاکت کو دیکھ کر
کرتی ہے اپنے شعلے کا رنج و ملال شمع
ہے منصفی تو یوں پر پروانہ پر لکھے
لکھنا اگر کسی کو ہو وصف جمال شمع
جاگا جو بزم عیش و طرب میں وہ صبح تک
ق
دیکھا نظیر شرم سے ہم نے یہ حال شمع
ایسی چھپی وہ پردۂ فانوس میں کہ پھر
وقت سحر تلک نہ گیا انفعال شمع

ساقیا ہے بہار زینت باغ — دے چھلکتے ہیں بھی مے کے ایاغ
دیکھی جس دن سے اس پری کی چشم — پھر نہیں ہوش کا ملا نہ سراغ
اس نے بھیجا نہ رقعہ ایک اور ہم — کئی مکتوب کر چکے ابلاغ
جائے حیرت ہے مل نظیر اپنا — ق — تھا پراگندہ بوئے مے سے دماغ
آج پینے کو جام بھی در بدر
نہیں ساقی کی منتوں سے فراغ

محفل میں ہم تھے اس طرف وہ شوخ چنچل اس طرف
تھی سادہ لوحی اس طرف مکر و فسوں چھل اس طرف

بیٹھے ہم اپنے دھیان میں بیٹھا وہ اپنی آن میں
فکر نظارہ اس طرف گھرڑے پر آنچل اس طرف

کیا کیا دکھاتی ہے الم کیا کیا رکھے ہے پیچ و خم
آہوں کی شورش اس طرف زلف مسلسل اس طرف

ہم وسے کے دل ہیں رنج کش وہ بیکے دل ہے جی میں خوش
بے تابیٔ جاں اس طرف راحت خوشی کل اس طرف

آج اس سے ملنے کو نظیر احوال ہے دل کا عجب
ہم کھنچتے ہیں اس طرف کہتا ہے وہ چل اس طرف

دل پھنسانے کے ہمنشیں لائق — ہے وہی زلف اور وہ چیں لائق
پاس اپنے بٹھالے ہم کو ابھی — جانے گر کچھ وہ نازنیں لائق
اب تو ملتی ہے ہر دم دشنام — ٹھیرے اس لطف کے نہیں لائق
اس کی چین جبیں سے دل کو نظیر — ق — دیکھا ہوتا جو سہگیں لائق
ہم نے ہمت کرو ہیں کہا اے دل
تو ابھی چاہ کے نہیں لائق

بیٹھے ہیں اب تو ہم بھی اٹھو گے تم نہ جب تک
دیکھیں تو آپ ہم سے ناخوش رہیں گے کب تک

اقرار تھا سحر کا ایسا ہوا سبب کیا
جو شام ہو گئی آئی اور وہ نہ آیا اب تک

محفل میں گلگوں کے آیا جو وہ پریرو
ہو تشکل حیرت اس کی صورت رہے وہ سب تک

بوسہ نظیر ہم کو دینے کہا تھا اس نے
ہم وقت پا کے جس دم لینے کی پہنچے ڈھب تک
ہر چند تھا لئے میں وہ شوخ تو بھی اس نے
ہرگز ہمارے لب کو آنے دیا نہ لب تک

اس کے ناز و ادا کے رنگ اور ڈھنگ
ہیں وہ کچھ جس سے ہو پری بھی دنگ
لعل دیکھے جو سرخی اس لب کی
طے کرے رشک کے کئی فرسنگ

دیکھی جب ہم نے وہ گلابی چشم
پھر نہ اس دن سے پی مئے گلرنگ
جب نظیر آگیا وہ آئینہ رو
ق
مہر سے کر کے اس طرف آہنگ
رنج دل یوں گیا رخ اس کا دیکھ
جیسے اُٹھ جائے آئینے سے زنگ

اسی کا دیکھنا ہی ٹھانتا دل جو ہی تیر نگہ سے چھانتا دل
بہت کہتے ہیں مت مل اس سے لیکن نہیں کہنا ہمارا مانتا دل
کہا اس نے یہ ہم سے کس صنم کو ق تمہارا ان دنوں ہی مانتا دل
چھپاؤ گے تو چھپنے کا نہیں یاں ہمارا ہی نشاں پہچانتا دل
کہا ہم نے نظیر اس سے کہ جس نے
یہ پوچھا ہی اسی کا جانتا دل

اے دل اپنی تو چاہ پر مت پھول
دلبروں کی نگاہ پر مت پھول

عشق کرتا ہی ہوش کو برباد
عقل کی رسم وراہ پر مت پھول

دام ہی وہ ارے کمند ہی وہ
دیکھ زلف سیاہ پر مت پھول

واہ کہہ کر جو ہی وہ ہنس دیتا
آہ اس ڈھب کی واہ پر مت پھول

گر پڑے گا نظیر کی مانند
تو زنخداں کی چاہ پر مت پھول

کھولی جو ٹک اے ہمنشیں اس دلربا کی زلف کل
کیا کیا جتائے خم کے خم کیا کیا دکھائے بل کے بل

آتا جو باہر گھر سے وہ ہوتی ہیں کیا کیا خوشی
گر دیکھ لیتے ہم اسے پھر ایک دم یا ایک پل

دن کو تو بیم فتنہ ہی ہم اس سے مل سکتے نہیں
آتا ہی جس دم خواب میں جب دیکھتے ہیں بے خلل

کیا بے بسی کی بات ہی یارو نظیر اب کیا کرے
وہ آنے واں دیتا نہیں آتی نہیں یاں جی میں کل

دل ہر گھڑی کہتا ہی یوں جس طور سے اب ہو سکے
اُٹھ اور سنبھل گھر سے نکل اور پاس اس چنچل کے چل

دیکھی جو اس محبوب کی ہم نے جھلک ہیکل کی کل
پائی ہر ایک تعویذ میں اپنے دل بیکل کی کل

جب ناز سے ہنس کر کہا اس نے اسے چل کیا ہی تو
کیا کیا پسند آئی ہیں اس نازنیں چنچل کی چل

ہی وہ کف پا نرم تر اس کی کہ وقت ہمسری
ڈالے کف پائے صنم نرمی وہیں مخمل کی مل
ہم ہیں تمہارے مبتلا مدت سے ہی یہ آرزو
بیٹھو ہمارے پاس بھی اے جاں کبھی اک پل کی پل
ہی دم غنیمت اے نظیر اب میکدے میں بیٹھ کر
تو آج تو مے پی میاں پھر دیکھ لیجو کل کی کل

نہیں یاں بیٹھتے جو ایک دم تم　　تو کیا ڈرتے ہو ہم سے اے صنم تم
ہنسو، بولو، ملو، بیٹھو، بھلا جی　　نہیں کیا عاشق و معشوق ہم تم
جو یاں آیا کبھی چاہو تو بے خوف　　ادھر لایا کرو اپنا قدم تم
نہایت سادہ دل ہیں ہم تو اے جان　　نہ سمجھو ہم میں ہرگز پیچ و خم تم
سنا جب یہ نظیر اس نے تو ہنس کر
کہا یہ تو ہمیں دیتے ہو دم تم

تمہیں جس گھڑی دیکھتے ہیں میاں ہم
تو ہوتے ہیں جی میں بہت شاداں ہم
بتوں کے عجب حسن اور ناز دیکھے
جہاں میں غرض جن دنوں تھے جواں ہم
تمہیں جس قدر چاہتا ہی دل اپنا
وہ جی جانتا ہی کریں کیا بیاں ہم
نظیر اپنا ہم کو سمجھ کر نہ روٹھو
ق
تمہارے ہی ملنے کو آتے ہیں یاں ہم
جو ملنا ہی مل لو کوئی دم وگرنہ
یہی جان لو او میاں پھر کہاں ہم

بتوں کی دیکھ زلف عنبریں ہم پھنسا بیٹھے دل اپنے کے تئیں ہم
لگا نا دیکھتے تیر نگہ کا اگر دل میں نہ ہوتے سہمگیں ہم
کہا ہم نے کبھی آؤ اِدھر کو کہا ہنس کر نہیں جاتے کہیں ہم
نظیرؔ اب تو ہوے اے جاں تمہارے عجب کیا ہی اگر بیٹھیں قریں ہم ق
جو ہو کر ہمنشیں ہوں کچھ بھی گستاخ
سو اس ڈھب کے میاں ہرگز نہیں ہم

گر کسی سے نہ دل لگاتے ہم لذتیں چاہ کی نہ پاتے ہم
گر نہ کرتے کچھ احتمال جفا تو بھلا ناز کیا اٹھاتے ہم
ایک دن بھی جو وہ ادھر آتا بہر تسلیم سر جھکاتے ہم ق
شاد ہو کر بٹھاتے اور ہر دم لب پہ شکر قدوم لاتے ہم
چلنے لگتا تو باتیں کرتے نظیرؔ
گھر تلک ساتھ اس کے جاتے ہم

فرقت میں خستہ دل کا جب حال دیکھتے ہیں
جی کی ہر اک طپش سے ہم فال دیکھتے ہیں
خم، تاب، حلقے، بل، چیں، گرہ و شکن سے اب ہم
زلفوں میں پھنس کے کیا کیا جنجال دیکھتے ہیں
ابرو کو دیکھتے ہی وہ تیغ ہے لگاتی
اور زخم کا نمک ہے جب خال دیکھتے ہیں
کرتے نگہ ہیں جب ہم رفتار پر تو اس سے
دل کو ہر اک قدم پر پامال دیکھتے ہیں
اڑتا ہی رنگ رخ سے ڈر کر نظیرؔ کیا کیا
غصے میں ہم جب اس کا منہ لال دیکھتے ہیں

سن آواز "ارے آرے" ہوئے ہیں
بھلا اتنے تو ہم بارے ہوئے ہیں
نہ رکھتے ہم سے بل زلفوں کے حلقے
مگر اس کے یہ سنکارے ہوئے ہیں
تمھاری دیکھ کر عیاریوں کو
میاں کچھ ہم بھی عیارے ہوئے ہیں
بلاتے ہی نہ آئے ہم تو بولا ق
کہیں یہ نقد دل ہارے ہوئے ہیں
پھر آپی یوں نظیر اس نے کہا ہاں
کسی چنچل کے للکارے ہوئے ہیں

کھلے گل سبزہ نزہت بار ہی کیا کیا بہاریں ہیں
صبا ہی رنگ و بو ہی یار ہی کیا کیا بہاریں ہیں
ہجوم ابر ہے چمکے ہی برق اور مینہ برستا ہی
نشہ ہی تازگی ہی یار ہی کیا کیا بہاریں ہیں
صدائے بلبلاں ہی آبجو ہی صحن گلشن ہی
سمن ہی سرو ہی گلنار ہی کیا کیا بہاریں ہیں
صنم کے لب میں پان، ہاتھوں میں مہندی، پیرہن رنگیں
کناری ہی دھنک ہی ہار ہی کیا کیا بہاریں ہیں
نظیر اب عیش کی بیتیا ہی مجھ ہر دم یہ کہہ کہہ کر
چمن ہی، گل ہی، گل رخسار ہی کیا کیا بہاریں ہیں

یہ جو خوباں حجاب کرتے ہیں
ہم پہ ناز و عتاب کرتے ہیں
اپنے ملنے سے دیکھیے کس دن
ہم کو پھر کامیاب کرتے ہیں
کل کہا ہم نے او نظیر میاں ق
تم سے ہم یہ خطاب کرتے ہیں
چپکے بیٹھے ہو کیوں، تو سن کے کہا
شکوے جی میں حساب کرتے ہیں
ہیں تو کرنے بہت و لیکن ہم
دل میں کچھ انتخاب کرتے ہیں

یہ ہم سے آپ جو چیں بر جبیں ہیں — مگر ہم چاہ کے لائق نہیں ہیں
بتاں لیتے ہیں دل دونوں طرح سے — اگر بیباک ہیں یا شرمگیں ہیں
کھڑے تھے ہم جو اس گروہ کے آگے — ق — سبب یہ کچھ جو ہم الفت گزیں ہیں
کہا کہنے نظیر اپنی آشنا
کچھ ایسا ہو کہ جس میں لوگ ہم کو
کہیں یہ بھی اب ان کے ہمنشیں ہیں

اس کے رخسار کی صباحت میں — شور ہی خال کا ملاحت میں
حسن کو دیکھ ای دل ناداں — ورنہ پڑ جائے گا قباحت میں
ہو گئے جو مقیم کوئے بتاں — ق — پھر نہ آئے کبھی سیاحت میں
دل لگا کر نظیر بیٹھے ہم — رنج سے دور ہو کے راحت میں
جب سنا یہ کہ یاں ہی فرقت بھی
آگیا فرق استراحت میں

کیا کہیں ہم یہ رات چاہت میں
گزری کیا واردات چاہت میں
سستی الفت میں کیا مزا ای دل
چاہیے کچھ ثبات چاہت میں
یار چاہے تو پل میں آساں ہو
ورنہ ہیں مشکلات چاہت میں
کڑوی باتیں نظیر لگتی ہیں
دل کو مثل نبات چاہت میں
کر دے حنظل کو ایک دم میں شہد
ہم نے دیکھی یہ بات چاہت میں

حسن و فا سے کیا کیا دکھلا دیا ہی تم کو
کیوں جی دل اپنا ہم نے کیسا دیا ہی تم کو
ہوش و خرد دل و دیں صبر و قرار اپنا
دیکھو تو ہم نے اے جاں کیا کیا دیا ہی تم کو

تیوری دکھا کے ہم کو بولا ادب سے رہنا
مت بھولنا یہ ہم نے سمجھا دیا ہی تم کو
چاہت کی دُھن میں ہم سے اک مہرباں نے پوچھا
نقشا کسی نے اس کا بتلا دیا ہی تم کو

مشکل ہی وہ تو اور تم سمجھے نظیر آساں
یہ تو میاں کسی نے بہکا دیا ہی تم کو

چاہت میں جس سے اے دل کچھ بھی معاملہ ہو
وہ راہ واں نہ چلئے جس راہ کا گلہ ہو
مجنوں کی عشق بازی ہم نے سنی تو جانا
کیونکر نہ ہو وہ لیلیٰ جس کا یہ حوصلہ ہو
لے بوسۂ کفِ پا ہیہات تو نہ اے دل
ایسا نہ ہو کہ اس کے پاؤں میں آبلہ ہو
چاہت کی شرط یوں ہی، ہو چاہ جس کی اس سے
ظاہر میں گر ہو دوری دل میں نہ فاصلہ ہو
مژگاں کی نوکیں جھوکیں دل کو نظیر اپنے
کب دیکھنے میں آویں، جب پھر مقابلہ ہو

پان کھا کر جب کہا اس نے کہ لانا آئینہ
رشکِ رنگِ لعل ہوگا ہم نے جانا آئینہ

جب کہا کچھ ہم پہ فرمائش نہیں کرتے میاں
دیکھ کر منہ کو یہ فرمایا لے آنا آئینہ

دیر تک دیکھا کیا منہ کو تو ہم نے یوں کہا
دیکھیں ٹک اپنا میاں ہم کو دکھا تو آئینہ

لینے جو آیا نظیر اس سے یہ بولا ہنس کے شوخ
ہاتھ سے ان کے نہیں یہ تو لگانا آئینہ

یہ پرانے ہیں اگرچہ نو گرفتاروں میں ہیں
خیر ان کو بھی کوئی لا دو پرانا آئینہ

دل لے کے پھر نہ کہیے ہنس کر ملا کروگے
یا کرکے عار ہم سے پھٹکے رہا کروگے

کہتے ہو اب جو ہر دم بس جاؤ خوش رہو تم
جاویں گے جب تو تم بھی پھر خوش رہا کروگے

خوبی تو لطف میں ہے اے جاں وگرنہ ہم تو
سختی بھی کھینچ لیں گے گر تم جفا کروگے

ہر دم تو دیکھو رکھ کر اپنے فریب دل میں
کہتا ہی تم تو اک دن ہم سے دغا کروگے

مت عاشقی میں یارو ناخوش نظیر سے ہو
اب تو ہوا وہ عاشق پھر کہیے کیا کروگے

مجبور ہو ہم اس کی یوں انجمن سے نکلے
جیسے قفس میں پڑ کر بلبل چمن سے نکلے

دل دے کے شمع رو کے کوچے سے کب اٹھیں ہم
پروانہ پر جلا کر کیونکر لگن سے نکلے

سحرِ نگہ کے ہمرہ پہلو سے یوں چلا دل
جیسے کوئی ہو بے بس اپنے وطن سے نکلے
لیلیٰ وشوں کو اس کی ہو کس طرح نہ الفت
مجنوں کی شان جس کے دیوانہ پن سے نکلے
کل تو وہ دھج بدل کر دل لے گیا ہمارا
آج اے نظیر دیکھیں وہ کس پھبن سے نکلے

دل میں کچھ خوش دلی جو آ پہنچی — ایسے دل کو نوید کیا پہنچی
کیوں نہ ہو رشک۔ اس کے کوچے میں — ہم نہ پہنچے مگر صبا پہنچی
کف کبھی اپنے ہاتھ کی ہیہات — اس کے پہونچے تلک نہ جا پہنچی
ق
سن کے شہرت نظیر چاہت کی — واں سے تاکیدِ اختفا پہنچی
بج گیا یہاں وہ کوس شیدائی
جس کی کوسوں تلک صدا پہنچی

کیوں نہ اس کو ہو دلربا پہونچی — جس کے پہونچے پہ ہو فدا پہونچی
گر پہنچی ہو تو ہم ہیں آنکھیں — ایسی اس کی ہی خوشنما پہونچی
دل کو پہنچے ہی رنج کیا کیا وہ — اپنی لیتا ہی جب چھپا پہونچی
ق
ایک چھڑی گل کی بھیج کر اس کو — فکر تھی وہ نہ پہنچی یا پہونچی
صبح پوچھی رسید جب تو نظیر
دی ہمیں شوخ نے دکھا پہونچی

اس صنم کا قرار کیا کہیئے — سختیِ انتظار کیا کہیئے
ملتفت ہو تو کچھ کہیں اے دل — وہ تو کرتا ہی عار کیا کہیئے
ہم تجھے چاہیں تو نہ پوچھے بات — یہ طرح ہو تو یار کیا کہیئے
اور اب واہ کے سوا تجھ سے — اے تغافل شعار کیا کہیئے

تھا جو کہنا سو ہم نظیر اس سے
کہہ چکے بار بار کیا کہئے

کئی دن سے ہم بھی ہیں دیکھتے اسے ہم پہ ناز و عتاب ہے
کبھی منہ بنا کبھی رخ پھرا کبھی چیں جبیں پہ شتاب ہے
ہے پھنسا جو زلف میں اس کے دل تو بتا دیں کیا تجھے ہمنشیں
کبھی بل سے بل، کبھی خم سے خم، کبھی تاب چیں سے تاب ہے
وہ خفا جو ہم سے ہے غنچہ لب تو ہماری شکل یہ ہے کہ اب
کبھی رنج دل کبھی آہ جاں کبھی چشم غم سے پر آب ہے
نہیں آتا وہ جو ادھر ذرا ہمیں انتظار میں اس کے یاں
کبھی جھانکنا کبھی تاکنا کبھی بے کلی پئے خواب ہے
وہ نظیر ہم سے جو آملا تو پھر اس گھڑی سے یہ عیش ہیں
کبھی رخ پہ رخ کبھی لب پہ لب کبھی ساغر مے ناب ہے

جب آیا وہ یاں دلربائی جتانے
تو کیا کیا لگا خوش ادائی جتانے
دکھانے لگی زلف اپنی درازی
مژہ بھی لگی کچھ رسائی جتانے
نظیر ایک دن اس پری رو کے آگے
گئے ہم جو کچھ آشنائی جتانے ق
دیا جام اور ہم جو سہکے تو بولا
تم آئے ہو نفرت فزائی جتانے
پلا دیں گے ہم تو میاں فائدہ کیا
لگے تم جو یاں پارسائی جتانے

پھر اس طرف وہ پری رو جھمکتا آتا ہے
برنگ مہر عجب کچھ چمکتا آتا ہے
اِدھر اُدھر جو نظر ہے تو اس لیے یارو
جو ڈھب سے تا کتے ہیں اُنکو تکتا آتا ہے

کوئی جو راہ میں کہتا ہے دل کی بے تابی
تو اس سے کہتا ہے کیا تو یہ بکتا آتا ہے
ملاپ کرتا ہے جس سے تو اس کی جانب واہ
قدم اُٹھاتا ہے جلد اور ٹھمکتا آتا ہے

ہمارے دل کی جو آتش ہے دینے پھر بھڑکا
جبھی نظیر وہ پلکیں جھپکتا آتا ہے
چھپا کر جو بھاگے ہم اس سے ذرا جی
تو بولا کہاں جائے گا بچا جی
جو کچھ حسن میں اس کی خاطر ہے نازک
پری میں کہاں ایسی نازک مزاجی
خفا اس سے ہو کر ہم آئے تو لیکن
کئی دن تک اپنا بھٹکتا رہا جی
جو بیٹھا تھا جا کر نظیر اس کے در پر
ق
بہت حسن الفت سے اپنا لگا جی
اُٹھایا جو اس نے جھڑک کر تو واں سے
چلا ہو کے بے بس یہ کہتا بھلا جی
ہم دیکھیں کس دن حسن اے دل اس رشک پری کا دیکھیں گے
وہ قد وہ کمر وہ چشم وہ لب وہ زلف وہ مکھڑا دیکھیں گے

مت دیکھ بتوں کی ابرو کو ہٹ یاں سے تو اے دل ورنہ تجھے
ایک آن میں بسمل کر دیں گے اور آپ تماشا دیکھیں گے

دل دے کر ہم نے آج اسے ہی دیکھی صورت تیوری کی
یہ شکل رہی تو اے ہمدم کل دیکھیں کیا کیا دیکھیں گے

جب دیکھی اس کی چین جبیں یوں ہم نے نظیر اس بت سے کہا
خیر آپ تو ہم سے ناخوش ہیں اب اور کو ہم جا دیکھیں گے

کیا لطف رہا اس چاہت میں جو ہم چاہیں اور تم ہو خفا
یہ بات سنی تو وہ چنچل یوں ہنس کر بولا دیکھیں گے

ہی عزم یہ دل میں ہم بھی اسے اک روز نظر بھر دیکھیں گے
گر کھولے گا پر تیر نگہ چھد جائیں گے ہم پر دیکھیں گے

جو نقشہ ہوگا الفت کا اور بات بھی کچھ بن آوے گی
کیا بات ہی اے دل پھر تو اسے ہم جا کر اکثر دیکھیں گے

سر رکھ کر اس کی چوکھٹ پر بس ہم تو اسی کے در کے ہوئے
اب اور کسی کے کہنے سے کب اور کوئی در دیکھیں گے

وہ حسن کی تابش سے منہ پر کہتے ہیں کہ پردہ رکھتا ہی ق
بن دیکھے ہی پھر آئیں گے یہاں ہم آہ یونہی کر دیکھیں گے

اور شاید مکھڑا کھول دیا گر لطف نظیر اسنے پھر ہم
ٹھیرے گی نگہ تو دیکھیں گے جو نہ ٹھیری تو کیونکر دیکھیں گے

ناز کا اس کے جو تھپیڑا ہی — طبع مشتاق کو وہ پیڑا ہی
کچھ تماشے جنوں کے بھی دیکھو — گر دوانے کو تم نے چھیڑا ہی
دیکھو نرگس کے ٹک خیاباں کو — دید بازوں کا یہ بھی کھیڑا ہی ق
دیکھ انکار جام اس نے نظیر — یوں کہا میاں یہ کیا بکھیڑا ہی

پی لو جلدی ابھی تو ساغر ہی
ورنہ پھر تم ہو اور تڑپڑا ہی

سمجھے تھے چاہ ہم کو یاں غم نہ لینے دے گی
کچھ گاہ گاہ ہوگا پیہم نہ لینے دے گی

اس زلف میں نہ پھنسیو وہ پیچ وخم سے اپنے
پھر چین تجھ کو ای دل اک دم نہ لینے دیگی

ابرو کی تیغ جس دم زخمی کرے گی پھر تو
ٹانکا نہ دینے دے گی مرہم نہ لینے دے گی

مت دو نظیر دل کو اس تندخو کی چاہت
ق
دم خوش دلی کا تم کو باہم نہ لینے دے گی

مشکل پڑے گی وہ تو پھر آنے واں نہ دے گا
اور بے قراری تم کو یاں دم نہ لینے دیگی

وہ جب گھر سے نکلا سُچکتے سُچکتے — قدم بھی اُٹھائے جھجکتے جھجکتے
نہ مانا کبھی دل نے کہنا ہمارا — نہایت ہم عاجز ہوئے بکتے بکتے
نہ آیا اِدھر کر کے وعدہ وہ اور ہم — گئے جی میں گھبرا اُدھر تکتے تکتے
نظیر اس کی محفل میں جب جا بیٹھا ق — ہوا جب وہ ناخوش جھڑکتے جھڑکتے
بٹھایا تو دور اس نے پر اپنے ڈھب سے
وہ پھر واں ہی پہنچا سرکتے سرکتے

اُدھر جو دیکھا تو اس پری کی نگاہ جام شراب لائی
اُڑا دیا ہوش ایک پل میں نشہ کچھ ایسا شتاب لائی
اٹھایا اسنے جو رُخ سے پردہ ہماری خاطر سے پر پیچ کیا
بہت یہ چاہا کہ دیکھیں اک دم نگاہ ہرگز نہ تاب لائی

کہا جو ہم نے کہ دل کو لیجیے تو شرمگیں ہو نہیں، تو کی پر
وہ دل کا لینا ہی تھا جو اس کی حیا جبیں پر حجاب لائی

ق
گلہ جفا کا نظیرؔ ہم نے کیا جو اس نازنیں سے جا کر
تو سُن کے اس کی وہ چین ابرو کچھ اس طرح کا عتاب لائی

جو غش میں آیا ہمیں پسینہ تو پھر ہنسا وہ کچھ اس ادا سے
کہ تھی عرق کی تری جو منہ پر وہی تری پھر گلاب لائی

دیا جسے دل تو پھر ستم کا نہ اس کے ہرگز حساب کیجیے
گلے کو جی میں نہ راہ دیجیے نہ چشم اپنی پر آب کیجیے

کیا ہی آنے کا وعدہ اسنے لگی ہی ڈھلنے گو رات تو بھی
بجا ہی اب جاگنا ہی اے دل نہیں مناسب کہ خواب کیجیے.

ق
ہم آئے ملنے کو تم سے اسدم تم اپنا بیٹھے ہو منہ چھپا کر
یہ وضع کیا ہی جو دل کو لیجیے اور ایسی ناز و عتاب کیجیے

جو یوں ہی ٹھیری تو ڈر ہی کس کا بس ایک گھڑی سی دیجیے چھٹی
ہمیں اُٹھا دیجیے یہاں سے اے جاں وگرنہ ترک حجاب کیجیے.

میاں نظیرؔ اب ہو تم جو عاقل تو جتنی فرصت نظر میں ہی یا
دانگ اس میں نہ آنے دیجیے جو کچھ ہی کرنا شتاب کیجیے

بے ہوش دل کو لینا ٹھیرا دیا ابھی سے
ہم کو یہ نازہ اس نے دکھلا دیا ابھی سے

بوسے کی ہم کو چیٹک اور وال ہی تازہ الفت
اس آرزو نے دل کو للچا دیا ابھی سے

کر عہد مہربانی دکھلا دے چین ابرو
اس شمع رو نے اے دل بالا دیا ابھی سے

پہلے ہی دیکھنے میں آنکھیں دکھائیں کیا کیا
چنچل نے ہم کو یارو دھلا دیا ابھی سے

کیونکر نظیر اس کی چاہت نبھے گی دل سے
ہم کو تو ایک ادا نے گھبرا دیا ابھی سے

دل و جاں ہمارے نہ غنچے سے ملتے
جو اس گل سے ملتے تو ہم گل سے کھلتے

دکھائے ستم تو ہیں، پر اسی نے
جھلائے وگرنہ وہ ہم سے نہ جھلتے

وہ گجرے جو تھے نسترن کے توان سے
نزاکت نہ ہوتی تو پہونچے نہ چھلتے

اگر جا ہمیں اس کے کوچے میں ملتی
تو پھر عمر بھر ہم وہاں سے نہ ہلتے

ملا وہ تو بولا نظیر اس سے ہنس کر
میاں تم نہ ملتے تو ہم کیونکہ ملتے

ہوئے خوش ہم ایک نگار سے ہوئے شاد اس کی بہار سے
کبھی شان سے کبھی آن سے کبھی ناز سے کبھی پیار سے

ہوئی پیرہن سے بھی خوش دلی کلی دل کی اور بہت کھلی
کبھی طرے سے کبھی گجرے سے کبھی بدھی سے کبھی ہار سے

وہ کناری ان میں جو تھی گندھی اسے دیکھ کر بھی ہوئی خوشی
کبھی نور سے کبھی لہر سے کبھی تاب سے کبھی تار سے

گئے اس کے ساتھ چمن میں ہم تو گلوں کو دیکھ کے خوش ہوئے
کبھی سرو سے کبھی نہر سے کبھی برگ سے کبھی بار سے

وہ نظیر سے تو ملا کیا مگر اپنی وضع یں اس طرح
کبھی جلد سے کبھی دیر سے کبھی لطف سے کبھی عار سے

ہوئی شکل اپنی یہ ہمنشیں جو صنم کو ہم سے حجاب ہی
کبھی اشک ہی کبھی آہ ہی کبھی رنج ہی کبھی تاب ہی

ذرا در پہ اس کے پہنچ کے ہم جو بلا دیں اس کو تو دوستو
کبھی غصہ ہی کبھی چھیڑ ہی کبھی حیلہ ہی کبھی خواب ہی

جو اس انجمن میں ہیں بیٹھتے تو مزاج اس کے سے ہم کو وہاں
کبھی عجز ہی کبھی بیم ہی کبھی رسم ہی کبھی داب ہی

وہ ادھر سے جا کے جو آتا ہی اسے دونوں حال سے دل میں یہاں
کبھی سوچ ہی کبھی فکر ہی کبھی غور ہی کبھی تاب ہی

جو وہ بعد بوسہ کے ناز سے ذرا جھڑکے ہی تو نظیر کو
کبھی مصری ہی کبھی قند ہی کبھی شہد ہی کبھی راب ہی

جن دنوں چاہت کی ہم کو دمبدم تقریر تھی
ہی جو نقش حُب اسی کی رات دن تحریر تھی

کس روش سے دیکھئے اور ملئے اس سے کس طرح
تھا یہی اندیشہ دل میں اور یہی تدبیر تھی

ہم نے دیکھا وہ بدو اور تم نے چھیدا دل کو آہ
لائق تعزیر ہم تھے دل کی کیا تقصیر تھی

یوں نظر آیا ہمیں کل ایک جاگہ پر نظیر
ق گریہ آور اس کی ہر دم آہ کی تاثیر تھی

تھا زمیں پر پاؤں پھیلائے پڑا دیوانہ وار
چشم تھی حیرت زدہ اور ہاتھ میں تصویر تھی

جب اس کی زلف کے حلقے میں ہم اسیر ہوئے
شکن کے عادی ہوئے خم کے خو پزیر ہوئے
خدنگ وار جو غمزے تھے اس کے چھٹپن میں
پر اب نظر میں جو آئے تو رشک تیر ہوئے

جھڑک دیا ہمیں کوچے میں اس نے ہر دم دیکھ ق
ہم اپنے دل میں کچھ اس دم خجل کثیر ہوئے
جو گاہ گاہ اُدھر جاتے ہم تو رہتی قدر
گھڑی گھڑی جو گئے اس سبب حقیر ہوئے

نگہ کے لڑتے ہی ہنس کر کہا نظیر اس نے
یہ باتیں چھوڑ دو کچھ سمجھو اب تو پیر ہوئے

جو اس کے ناز و ادا ہم کو دل پزیر ہوئے
تو اس کے کاکل پر خم میں ہم اسیر ہوئے
چھوئی جو زلف زرا اس کی ہم نے ہو گستاخ
تو غصہ ہو کے کہا تم بھی اب شریر ہوئے

نہ چھوٹا ہم سے وہ نقشہ نگہ لڑانے کا
ہی دل کی دُھن تو وہی کیا ہوا جو پیر ہوئے
حقیر ہونے کی خوبی انھی کو ہی معلوم
جو خوش نگاہوں کی نظروں میں کچھ حقیر ہوئے

بتوں کے ناز کی جب شوخیاں نظر آئیں
میاں نظیر سے جب ہم فقط نظیر ہوئے

جب اس مہ جبیں پاس ہم شب کو پہنچے
فروغ مسرت کے منصب کو پہنچے

جو دیکھی میاں ہم نے تسخیر تم میں
پری کی لگاوٹ کب اس ڈھب کو پہنچے

نگہ کی جو صہبا طلب کی تو بولا
ق
تمہارا لب اس کے نہ مشرب کو پہنچے

تمھیں اس کی دل میں تمنا عبث ہی
یہ وہ مے نہیں ہی جو ہم سب کو پہنچے

جو شکوہ جفا سے کرے کچھ نہ ہرگز
وہی یاں نظیر اپنے مطلب کو پہنچے

اب دیکھیں پھر ہم اے ہمدم کس روز منہ اس کا دیکھیں گے
وہ زلف وہ تل وہ خال وہ خد وہ رنگ وہ نقشا دیکھیں گے

جب پاس صنم کے بیٹھیں گے خوش ہو کے اس کے لطف سے ہم
وہ بزم وہ حظ وہ عیش وہ مے وہ جام وہ مینا دیکھیں گے

سرور بہت دل ہووے گا خوش جی بھی ہوگا کیا کیا جب
وہ ناز وہ دھج وہ آن وہ سج وہ زیب وہ بالا دیکھیں گے

وہ کاجل چنچل آنکھوں کا وہ مہندی نازک ہاتھوں کی
وہ پان وہ لب وہ حسن وہ چھب وہ گوشش وہ بالا دیکھیں گے

ہی جو جو خواہش دل بیں نظیر آوے گا ادھر محبوب تو ہم
وہ ربط وہ دامن وہ چین وہ سکھ وہ سیر وہ چرچا دیکھیں گے

خفا ان دنوں ہم سے وہ دلربا ہی
کہیں کچھ تو جھنجھلا کے کہتا ہی کیا ہی

ابھی ہم تو ہو جاویں اس بت سے ناخوش
ولے کیونکہ ہو دل تو اس پر فدا ہی

اسے چھیڑ کر دہ جو کھاتے ہیں جھڑکی
وہی جانتے ہیں جو اس کا مزا ہی
کسی نے کہا اس سے میکش ہی وہ تو
نظیر اب جو اک جاں تمھیں چاہتا ہی
کہا اس نے یہ سُن کے او میاں تم نے کیا
کوی رند ہی یاں کوئی پارسا ہی
ہمیں اس نے وعدہ سے شاید چھلا ہی
کہ دن چڑہ گیا اس قدر جو ڈھلا ہی
جو کہتے ہیں بوسہ ہمیں بھی ملے گا
تو اس کی زبان پر بھلا جی بھلا ہی
کڑا وہ جو نازک ہی پہونچے میں اس کے
نزاکت کے سانچے میں کیا کیا ڈھلا ہی
جتایا ہی کچھ ناز اس گل نے جس کو
وہی باغ الفت میں پھولا پھلا ہی
تعدی نظیر اس کی تم بھی اُٹھالو
میاں اب اسی میں تمھارا بھلا ہی

ناخوش دکھا کے جس کو ناز و عتاب کیجے
اے مہرباں پھر اس کو خوش بھی شتاب کیجے
جو اپنے مبتلا ہوں اور دل سے چاہتے ہوں
لازم نہیں پھر ان سے رو کے حجاب کیجے
بیٹھے جو شام تک ہم بولا وہ مہرباں ہو
جو خواہشیں ہیں ان کا کچھ انتخاب کیجے

ہم نے نظیر ہنس کر اس شوخ سے کہا یوں
ہیں خواہشیں تو اتنی کیا کیا حساب کیجے
موقعہ کی اب تو یہ ہی۔ جو وقت شب ہی او جان
ہم بیٹھے پاؤں دابیں اور آپ خواب کیجے

گئے ہم جو الفت کی واں راہ کرنے
ارادے سے چاہت کے آگاہ کرنے ق
کہا اس نے آنا ہوا کس سبب سے
کہا آپ کے دل کو ہمراہ کرنے
بٹھایا اور اک چٹکی لی ایسی جس سے
لگے منہ بنا ہم وہیں آہ کرنے
جو یہ شکل دیکھی تو چٹکی بجا کر
کہا یوں نظیر اور لگا واہ کرنے
میاں ایک چٹکی سے کی آہ رک کر
اسی منہ سے آئے ہو تم چاہ کرنے

پہلے ہی جو بتوں کی گھاتیں شمار کرتے
تو ہم سے دل یہ لے کر کاہے کو عار کرتے
اے دل تجھے تو ہم نے اکثر جتا دیا تھا ق
واں دام زلف ہر دم ہیں شکار کرتے
جو آگیا ادھر کو نخچیر دل تو پھر وہ
اک آن میں ہیں اس کو اپنا شکار کرتے
پہنتے تلک اشارت کی تو بھی تو نہ سمجھا
غافل تجھے کہاں تک ہم ہوشیار کرتے

جب دل نظیر بولا ہوتا تو اس طرح تھا
کیا حاصل اب جو مجھکو ہو شرمسار کرتے

سحر کو نکلے تھے سیر کرنے جو ہمدم اک دن ہم اپنے گھر سے
تو ایک گورا وہ شوخ دیکھا رخ اس کا بہتر رخ سحر سے
جو ہم کو دیکھا کیا تبسم بہت ہوئے خوش ہم اپنے دل میں
کہا نہ منہ سے کہ آؤ بیٹھو مگر اشارت کئے نظر سے
ہمیں بھی کچھ کچھ تھی رمز فہمی جو دلبروں سے ملے تھے اکثر
سمجھ اشارت نگہ کی. بیٹھے بہت ادب سے ذرا حذر سے
کہا تمہارا ہی کیا ارادہ - کہا یہ ہم نے ارادہ کیا ہی
مگر گھڑی دو گھڑی ہیں ملتے پری رخانِ کرشمہ گر سے
یہ سن کے اس نے نظیر ہم کو دکھائی ایک آن ایسی ہنسکر
کہ بیٹھے دیکھ اس ادا کو ایسے کہ پھر نہ سرکے ہم اس کے در سے

کی اس صنم نے جس دم ہم پر نگاہ دل سے
ہم نے بھی اس نگہ سے کی اس کی چاہ دل سے
چاہت ہماری ای جاں تم ظاہری نہ سمجھو
ہم چاہتے ہیں تم کو ای رشک ماہ دل سے
جب دیکھتے ہیں اس کی طرز خرام یا رو
ہم ہر قدم پہ کیا کیا کہتے ہیں واہ دل سے
بن دیکھے اس پری کے بے تابیاں ہماری
گھیرے رہیں گاہ جی کو پیٹتے ہیں گاہ دل سے

باتیں ہمارے دل کی کہدیں نظیرؔ اس نے
ہی سچ تو یوں کہ دل کو ہوتی ہی راہ دل سے

ہی زلف خوش جو ایسی اور ہی وہ بند دل کی
کیا کہئے بے وقوفی اس خود پسند دل کی

ہجراں نے جس کو ہمدم مجبور کر دیا ہو
جز وصل پھر دوا کیا اس درد مند دل کی

دشنام اس کی لب کے کھائے جو ہیں مکرر
اب گر گیا ہی یارو نظروں سے قند، دل کی

جتنا چھوڑا یا اس سے اتنا ہی جا کے لپٹا
کرتی ہی کچھ یہ صورت چاہت میں پند دل کی

نکلی نظیرؔ ہرگز حلقے سے پھر نہ گردن
ایسی ہوئی وہ پرخم کاکل کمند دل کی

کوچے میں اس کے اکثر کہتے ہیں یاں سے اُٹھئے
پر ہم سے دل ہی کہتا مت خوف جاں سے اُٹھئے

کہنے سے غیر کے تو ہم کب اُٹھیں گے یارو
جب تک نہ وہ کہے گا اپنی زباں سے، اُٹھئے

بیٹھ اس کے پاس، ہم نے ٹک چھو لیا جو زانو
ہنس کر کہا یہ اس نے اب آپ یاں سے اُٹھئے

رہ دیر میں تو اے دل مت یاد خانقہ کر
واں بیٹھئے نہ ہرگز پھر جس مکاں سے اٹھئے

دیں دے چکے تھے پہلے دے بیٹھے دل نظیرؔ اب
کس زندگی کی خاطر کوئے بتاں سے اُٹھئے

لیجیے یہ دل نہایت اچھا ہے — کیا بیاں کیجیے اس میں کیا کیا ہے
اور کو کیا خبر وہی جانے — ہم نے جس ڈھب سے اس کو دیکھا ہے
الفت غیر ہم پہ ٹھیرا کر — ق — رات دن اب اُسی کا چرچا ہے
ایک دل تھا سو دے چکے تم کو — ہم پہ یہ اتہام بیجا ہے
نہ دکھاتے نظیرؔ رکھتے ہیں
یہ بھی کچھ زور ہی تماشا ہے

وہ مہ جبیں جو آیا شب کو ہمارے آگے
اس لطف سے ہمارے سوتے نصیب جاگے
جلتی نہ ہو کے گریاں تو یاں اگر نہ ڈھلتی
دشمن ہوئے یہ تیرے اے شمع تن کے تاگے
ہم متصل تھے دل میں مس کی طرح نہایت
چکر دیا یہ تو نے اے چاہ کے سہاگے
دکھلائی اس نے کیا کیا ابرو کی تیغ پر ہم
نظریں رہے لڑاتے اور اک قدم نہ بھاگے
تم تو نظیرؔ کہرے اور ہم نے کل ہی دیکھا
تھے تم تو پیچھے پیچھے وہ شوخ آگے آگے

ہے کام جس کے دل کو اس زلف عنبریں سے
کب ہو وہ چیں بابر اک آن اس کی چیں سے
چمکے ہے چاندنی میں جب شوخ کی انگوٹھی
مہتاب میں ہیں گویا الماس کے نگیں سے
تھا خواب میں جو اک شب ہم نے پری کو دیکھا
ق
تعبیر اس کی پوچھی جب ایک پیش بیں سے

سن کر کہا یہ اس نے ظاہر ہی جو تمہارا
دل ان دنوں میں اٹکے اک شوخ مہ جبیں سے
باتیں نظیرؔ جس کی ہوں قند سے زیادہ
دشنام اس کے بہتر ہوں کیوں نہ انگبیں سے
ہم دل نہ دیں گے ہنس کر بولا یہ کیا سخن ہی
ہم نے کہا کہ حضرت اُس نے کہا کہ گُن ہی
اب دل نہ دیویں اپنا یا دیویں اس صنم کو
ہر آن اب اسی کی جی میں ادھیڑ بن ہی
کاکُل ہیں اس پری کے حسرت فزائے سنبل
رخ روکش چمن ہی قد رشک سروبُن ہی
اب تک نظیرؔ کیا کیا بھرتا ہی چاہ کے دم
ہر چند مدتوں سے قد خم ہی اور کہن ہی
ملتا ہی جو پری رو دیکھے ہی دو بدو ہو
گو پیر ہی پر اب بھی دل میں یہ اس کے دُھن ہی
رکھیں نہ کیونکہ ہم اپنے کنارے دل کی خوشی
ہمیں تو چاہیئے اے جاں تمہارے دل کی خوشی
ہمارے دل کے نہ ہاتھ آنے سے جو ناخوش تھے
لیا وہ تم نے ہوئی اب تو بارے دل کی خوشی
یہ تم جو دیتے ہو دشنام اور جھڑکتے ہو
نہ سہتے ہم جو نہ ہوتی پیارے دل کی خوشی
نہ پھنستے چشم کی ایما سے زلف میں ہرگز
اگر نہ کرتی ہمیں کچھ اشارے دل کی خوشی

گلہ نہ آنے کا سُن کر کہا نظیرؔ اس نے
نہ آئے ہم تو نہ آئے، ہمارے دل کی خوشی

دل جب بندھا ہمارا اس زلف کی رسن سے
کس کس طرح کی بندش دیکھی شکن شکن سے
شبنم نے زیب جیسا پایا ہے گل سے ہر دم
لی پیرہن نے زینت ویسی ہی اس کے تن سے
ہر چند منہ پر اپنے لاتا نہیں و لیکن
تہ تہ میں بیکلی ہے غنچے کو اس دہن سے
کل چھو لیا جو ہم نے ٹک دامن اس صنم کا
نزدیک ہو کے کچھ کچھ اپنے کسی جتن سے
پھولے خوشی سے ایسے جو دل نظیرؔ بولا
ایسا نہ ہو جو نکلو آغوش پیرہن سے

غنچے کا منفعل ہے اس کے دہن دہن سے
گل کا بھی شرمگیں ہے کیا کیا بدن بدن سے
سج دھج کی ہم سے اس کی تعریف کس طرح ہو
حیرت میں ہے پری کا جس کے برن برن سے
دیکھی جو زلف ہم نے آئیں نظر میں کیا کیا
چینوں سے چینیں باہم یکجا شکن شکن سے
تم نے جو ڈھب نکالے ہم نے بھی فن جتائے
ہم یہ تمہارے اے جاں سیکھے چلن چلن سے
یہ حسن ہے نظیرؔ اب بازار میں ہیں بیٹھے
گل شوق رخ میں اس کے آ کر چمن چمن سے

دل اپنا جو ہم عاشق اس کا کریں گے
تو دُھن ہی کہ ہرگز نہ افشا کریں گے

مناسب نہ ہوگا جو منہ دیکھنا وہاں
تو پھر ڈھب سے کچھ اور نقشا کریں گے

نظیر ایک دن بازیگر بن کے ہم نے
کہا ہم بھی یاں کچھ تماشا کریں گے

تو بولا ہمیں یاد ہیں وہ تماشے
کہ تم کو گھڑی بھر میں شیدا کریں گے

جنوں میں تماشے جو کچھ تم سے ہوں گے
ہم ان سب کو ہنس ہنس کے دیکھا کرینگے

جو میخانے میں جا کر ایک جام مے پیا ہم نے
تو جس جا خشت پائے خم تھی واں سر رکھ دیا ہم نے

اُٹھائے ناز خوباں کے بہاریں حسن کی دیکھیں
مزا دشنام اور بوسے کا بھی اکثر لیا ہم نے

بنا کر چاہ میں چہرے کی رنگت کو برنگ زر
بھلا کر یاد میں سونا یہ سیکھی کیمیا ہم نے

کبھی لطف پری زادوں کے دامن سے لگے جاکر
کبھی ان کی تعدی سے گریباں کو سیا ہم نے

ملے، روٹھے، ہنسے، روئے، پھرے، بیٹھے، ڈرے، سنبھلے
نظیر اک دل لگا کر واہ کیا کیا کچھ کیا ہم نے

رُباعیات

مکھڑے کو جو اُس کے ہم نے جا کر دیکھا
سنکھ تو نہیں یہ چھپ چھپا کر دیکھا
وہ حسن نظر پڑا کہ جس کا ہم نے
جب رات ہوئی تو مہ کو جا کر دیکھا

دیگر

محبوب نے پیرہن میں جب عطر ملا
اور پان چبا کے اپنے گھر سے وہ چلا
ہم نے یہ کہا نہ جاؤ باہر اے جاں
ہے شام قریب ہنس دیا کہہ کے بھلا

دیگر

اس شوخ کو ہم نے جس گھڑی جا دیکھا
مکھڑے میں عجب حسن کا نقشا دیکھا
ایک آن دکھائی ہیں ہنس کر ایسی
جس آن میں کیا کہیں کہ کیا کیا دیکھا

دیگر

دل دیکھ اسے جس گھڑی بے تاب ہوا
اور چاہ ذقن سے مثل گرداب ہوا

کی عرض کہ بے قرار دل ہی، تو کہا
اب دل نہ کہو اسے جو سیماب ہوا

دیگر

ہم دل سے جو چاہتے ہیں اے جان تمھیں
بیکل ہوں اگر نہ دیکھیں ایک آن تمھیں
تم پاس بٹھاؤ تو زرا بیٹھیں ہم
مشکل ہی ہیں تو اور ہی آسان تمھیں

دیگر

اس زلف نے ہم سے لے کے دل بستہ کیا
ابرو نے کجی کے ڈھب کو پیوستہ کیا
آنکھوں نے نگہ نے اور مژہ نے کیا کیا
کیفی کیا، دیوانہ کیا، خستہ کیا

دیگر

پان اس کے لبوں پہ اس قدر ہی زیبا
ہو رنگ پہ جس کے سُرخیٔ لعل فدا
ہر فندق انگشت سے اس دست کو گر
گلدستۂ باغ حسن کہیئے تو بجا

دیگر

کیا حال اب اس سے اپنے دل کا کہیئے
منظور نہیں یہ بھی کہ بے جا کہیئے
مشکل ہی ہمیںوں میں نہ جاوے جو کہا
پھر ملئے جو ایک دم تو کیا کیا کہیئے

دیگر

پاس اس کے گئے سپر جو ہم کر سینہ
دل کرنے کو اس کی چاہ کا گنجینہ
جب ہم نے کہا دیکھنے آئے ہیں تمھیں
سن کر یہ لگا وہ دیکھنے آئینہ

دیگر

آئینہ جو ہاتھ اس کے نے تا دیر لیا
اس دیر سے خجلت نے ہمیں گھیر لیا
جب ہم نے کہا کیا ہی عاشق ہو میاں
یہ سنتے ہی آئینے سے منہ پھیر لیا

دیگر

رکھتے ہیں جو ہم چاہ تمھاری دل میں
آرام کی ہو اُمیدواری دل میں
تم حکم قرار کو نہ دو گے جب تک
البتہ رہے گی بے قراری دل میں

دیگر

رکھتی ہو جو خوش چاہ تمھاری ہم کو
اور کرتی ہو شاد باری باری ہم کو
کچھ دیر جو کی تھی ہم نے دل دیتے وقت
اب تک ہو اسی کی شرمساری ہم کو

دیگر

کوچے میں تمھارے ہم جو ٹک آتے ہیں
اور دل کو ذرا بیٹھ کے بہلاتے ہیں

ہو تم جو دل آرام تو ہم دیکھ تمھیں
اک دم رخ آرام کو یک ٹک جاتے ہیں

دیگر

ہم دیکھ کے تم سے رخ آرام میاں
خوش رہتے ہیں دل میں سحر و شام میاں

دیوانے تمھارے جب ادا کے ٹھیرے
پھر حسن پری سے ہیں کیا کام میاں

دیگر

یاد آتی ہیں جب ہمیں وہ پہلی چاہیں
افسوس کرے ہی دل میں کیا کیا راہیں

تھے شور جو قہقہے کے سو اُن کے بدلے
اب شور مچا رہی ہیں جی میں آہیں

دیگر

ہوں کیوں نہ بتوں کی ہم کو دل سے چاہیں
ہیں ناز و ادا میں ان کی کیا کیا راہیں

دل لینے کو سینے سے لپٹ کر کیا کیا
ڈالے ہیں گلے میں پتلی پتلی باہیں

دیگر

ہم اس کی جفا سے جی میں ہو کر دلگیر
رک بیٹھے تو ہیں و لے کریں کیا تقریر
دل ہاتھ سے جاتا ہی بغیر اس سے ملے
اب جو نہ پڑیں پاؤں تو پھر کیا تدبیر

مخمّسات

ہی دل میں عزم جس کی چاہت کی چاکری کا
پایا ہی ناز اس نے شوخی میں برتری کا
کیا کیا بیاں ہو اس کی سج دھج ادا ابھری کا
اک پینچے پر جو اس نے طرہ رکھا زری کا
سورج کی بھولیں کرنیں دعویٰ برابری کا

وہ حسن ہی جو اس پر کب ہو بت چگل میں
کاکل میں طرفہ خم ہی اچھا نمک ہی تل میں
کیا دور دیکھنے میں کیا طرز متصل میں
جس دن سے حسن چمکا اس کا تو شہر دل میں
کیا کیا پڑا ہی یارو شور اس کی دلبری کا

ہم دیکھتے ہیں جس کے ہر آن رخ کو خوش ہو
چاہت میں اس کی ڈالا خاطر سے رنج سب کھو

آئینہ دیکھ اس کو حسرت زدہ ہو یادو
عارض میں اس صنم کے ہے وہ جھلک کہ جس کو
دیکھے تو ہوش آوے پرواز میں پری کا

ہیں ناز اس کے چنچل اور ہر نگاہ جادو
آنکھوں سے اس کے ہووے شرمندہ چشم آہو
گھر سے نکل کے اپنے کرتا نگاہ ہر سو
آیا جو دل کو لینے مجھ سے وہ شوخ گلرو
کیا کیا کہوں میں نقشہ اس دم کی دلبری کا

ہنس کر نگہ لڑائی بے باک ہو کے پہلے
پھر کی حیا کچھ ایسی دل دیکھ جس کو بہلے
زلفیں بھی کھولیں منہ پر کچھ چلبلی ادا سے
کیں میٹھی میٹھی باتیں ایسی نظیر ہنس کے
جس کو مزا نہ پہنچے ہرگز شکر تری کا

جب اس نے دکھایا مجھے مکھڑے کا اُجالا
اک دم میں کیا ہوش کے عالم سے نرالا
بالی نے بھی اک جھوک دکھا کر کیا بالا
دل چاہ زنخداں میں تبسم نے جو ڈالا
اس نے یہ بٹھایا اسے جو پھر نہ اچھالا
جھڑکا ہمیں اس شوخ نے الفت میں سمجھ خام
اور یوں کہا کچھ کا نہیں چاہ میں کچھ کام

کوچے سے نکالا ہمیں ٹھیرا کے یہ الزام
مے پی کے جو گرتا ہے تو لیتے ہیں اسے تھام
نظروں سے گرا جو اسے پھر کس نے سنبھالا

ہر لحظہ اسے ہم تو بہت منع تھے کرتے
کہنا جو نہ مانے تو بھلا کیا اسے کہیئے
ایک روز غرض ہو کے نڈر خوف و خطر سے
دل ہو کے دلاور جو گیا سامنے اُس کے
غمزے نے گرایا وہیں اک مار کے بھالا

یہ حال کیا اس کا جو ظالم کی خوشی نے
جب دل کے تئیں آ گئے خجلت کے پسینے
تھے واں جو کھڑے رحم کیا اس پہ سبھی نے
زخمی اسے دیکھا تو کہا مجھ سے کسی نے
تو نے اسے کس واسطے پہلو سے نکالا

وہ جس گھڑی اے یار اُدھر کو گیا یاں سے
چاہا کہ ذرا سامنے اس شوخ کے ٹھیرے
ایک پل نہ لگی واں میاں بسمل اسے کرتے
اب تڑپے ہے مجروح پڑا کوچے میں اس کے
جا تو ہی نظیر اب اُدھر اور اس کو اُٹھا لا

نگہ کے جام کا کر عزم کچھ اِدھر مے لا
خوشی سے بیٹھ ہم ناخوشی کی مت رے لا

خفا ہوں جس میں ہم، ایسی نہ ہر گھڑی شنو لا
ہمارے دل کو نہ کر ہر دم اے پری میلا
یہی تو جان کہاں قیس اب کہاں لیلا

ملی ہی صحن گلستاں کو پھر کے سر سبزی
چمن چمن میں ہوئی تازگی و شادابی
صدائیں قمری کی ہیں بلبلوں کی چہ چہ بھی
بہار گل کی تو آپہنچی تو بھی اے ساقی
گلابی مے کی دکھا ساغر پیالہ پلا لا

نثار کاکل مشکیں پہ جس کے ہی سنبل
ادا میں سحر بھرا ہی نگہ میں نشۂ مل
کھلا ہی تازہ جو گلشن میں حسن کے وہ گل
دل اس سے ملنے کو یوں چاہتا ہی جوں بلبل
چمن میں گل سے لپٹتی ہی بال و پر پھیلا

ہیں اس کے ناز و ادا کے کچھ اب تو یہ نقشے
جدھر کو آتا ہی دیکھ اس کو دل ہیں غش ہوتے
عجب ہوا ہی کچھ احوال اپنا کیا کہیئے
وہ اک نگہ جو ادھر کر گیا تو دل جب سے
پکارتا ہی پڑا ہر گھڑی دہی مے لا

ادھر ادھر جو کوئی گلعذار ہی ملتا
تو نظریں اس سے لڑا کر ہیں دل کو دیتے لگا
بتوں کے دیکھنے کو پھرتے رہتے ہیں ہر جا
ہوس تو گرم ہی اب تک بھی کیا ہوا جو کیا

میاں نظیرؔ کو پیری نے برف کا تھیلا

وقت سحر جو ہم نے ایک سیمبر کو دیکھا
مکھڑے سے اس کے حیراں روئے سحر کو دیکھا
چین جبیں سے ہر دم نقش خطر کو دیکھا
کیا کیا نگہ لڑا کر اس فتنہ گر کو دیکھا
مدت میں آج ہم نے دل کے جگر کو دیکھا

بالی کی جھوک کیا کیا ہر آن ہی درخشاں
اور رنگ پاں ہی ایسا ہو لعل جس پہ قرباں
کیا کیا نزاکت اس کی ہم سے بیاں ہو اب یاں
شبنم کے پیرہن سے تھے بل پہ بل نمایاں
اس نازکی سے ہم نے اس کی کمر کو دیکھا

آیا نظر جو اس کی آن و ادا کا نقشا
طرز نگاہ ایسی ہوتا ہے سحر جیسا
جس دم ہنسا وہ گلرو یارو تو کہیے اب کیا
اُجلا پن اس کے دیکھا دنداں میں ہم نے ایسا
جس کی جھلک سے میلا سِلکِ گُہر کو دیکھا

آنکھیں نشیلی ایسی مے ہو وے جس سے حاصل
نظریں کرے تھیں جادو ابرو کرے تھی بسمل
جب وہ نگار سرکش ٹک آ گیا مقابل
نوک مژہ نے اس کی ایسا جھپٹ کے ہو کے ناگہ
دل کو پرو دیا جس دم ہم نے اُدھر کو دیکھا

دیکھی جو یہ تعدی اس دلربا کی اس جا
کچھ جی سے پھر ہمارے اس وقت بن نہ آیا

جب حال دل کا اس نے پل میں بنایا ایسا
پوچھا نظیر چھیدا کیوں دل تو ہنس کے بولا
اس کی یہی سزا ہی جس نے ادھر کو دیکھا

اس قد کے آگے تیرا طرز قیام کیا ہی
مت بھول سرو تیرا اول احترام کیا ہی

زیبائی تیری ایسی لطف التزام کیا ہی
چلنے میں ناز تجھ کو ہر صبح و شام کیا ہی
اے کبک اس کے آگے تیرا خرام کیا ہی

ناز و ادا میں اس کے ہی دلبری فراہم
اس رُخ کے آگے دیکھیں صورت پری کی کیا ہم

بھولے ہی گھر پہنچنا جس کے نشے سے پیہم
اس چشم کی نگہ کے کیفی کے آگے ہمدم
افیوں بھی کیا بلا ہی مے کا بھی جام کیا ہی

سرخی سے اس کے لب کی کب لعل ہو برابر
دنداں کو اس کے دیکھے تو منفعل ہو گوہر

ابرو کی تیغ پر خم نوک مژہ ہی نشتر
زلف اس صنم کی جس جا ہوتی ہی دام گستر
واں کاکل پری کا اے یار دام کیا ہی

رمزیں نہیں ہیں خالی کچھ اس کے پیچ وخم سے
پھرتی ہی ناز و شوخی اس کے لگی قدم سے
اک روز دیکھ ہم کو عیاریوں کے دم سے
لینے کو دل ہمارا پوچھا یہ اس نے ہم سے

کیوں جی بھلا تمھارا کہیئے تو نام کیا ہی

جب اس صنم نے ہنس کر ہم سے کہا یہ اس دم
جانا کہ ہوش ایسے کچھ ہیں یونہی سے باہم
اور ہم تو مدتوں سے سمجھے ہیں مکر اور دم
تاڑا تو ہم نے لیکن بولے نظیر یوں ہم

اس پوچھنے سے تم کو اے جان کام کیا ہی

توسن کے زین پہ جس دم وہ زیب خانہ ہوگا
ہر ناز دل پہ اس کا جوں تازیانہ ہوگا
ہی تجھ میں ہوش جتنا وہ سب روانہ ہوگا
مت مل پری رخوں سے اے دل دوانہ ہوگا

تیر نگہ پھکیں گے اور تو نشانہ ہوگا

سج دھج تو اس صنم کی ہوتی ہی دل میں ساکن
پڑتا ہی چین ہم کو کب اس کے دیکھے بن
رکھتا ہی راہ چلتے کیا کیا قدم وہ گن گن
ایسا ہی حسن اس کا بڑھتا رہا تو اک دن

محبوب دہر ہوگا شوخ زمانہ ہوگا

ہم ہیں اسے بلاتے اور وہ ہی دور ہٹتا
جب دیکھتے ہیں جاکر تو منہ کو ہی چھپاتا

ہاتوں سے اس کے جس دم کھینچا ستم بہت سا
ہم نے کہا کہ دل کا یہ رنگ ہی تو بولا

گر لکھ رکھو گے اس کو رنگیں فسانہ ہوگا

بھر کر نگاہ ہم نے صورت جو اس کی دیکھی
دل نے سرور پایا جی کو ہوئی تسلی

دیکھ اس کی زلف مشکیں یہ بات ہم نے سوچی
بکھری بلا ہی کاکل جب کیا ستم کرے گی

ٹک تیل پڑ کے اس میں جس وقت شانہ ہوگا

بیٹھک تو دے گیا ہی جاکر ادھر سے ظالم
دل کر گیا ہی کیفی اپنی نظر سے ظالم

آیا نہ کر کے وعدہ اب جو سحر سے ظالم
جب تو لگا کے مہندی نکلا نہ گھر سے ظالم

دیکھیں نظیر اس کا اب کیا بہانہ ہوگا

تمت

دیوانِ دوم

نظیر اکبر آبادی

فہرست مضامین

ا۔ غزلیات

حرف ب

حرف پ

حرف ت

حرف ٹ

حرف ث

حرف ج

حرف چ

حرف ح

حرف خ

حرف د

حرف ذ

حرف ر

حرف ڑ

حرف ز

حرف س

حرف ش

حرف ص

حرف ض

حرف ط

حرف ظ

حرف ع

حرف غ

حرف ف

حرف ق

حرف ک

حرف گ

حرف ل

حرف م

حرف ن

حرف و

حرف ھ

حرف ی

۲- رُباعیات ۹۳

۳- مخمّسات

۴- قطعات

۵- ترجیع بند

۶- ترکیب بند

۷- مثنوی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیوانِ دوم

نگہ کے سامنے اس کی جو نہیں جمال ہوا — وہ دل ہی جانے ہے اس دم جو دل کا حال ہوا
اگر کہوں میں کہ چمکا وہ برق کی مانند — تو کب مثل ہے یہ اس کی جو بے مثال ہوا
قرار و ہوش کا جانا تو کس شمار میں ہے — غرض پھر آپ میں آنا مجھے محال ہوا
ادھر سے بھر دیا مے نے نگاہ کا ساغر — ادھر سے زلف کا حلقہ گلے کا جال ہوا

بہارِ حسن وہ آئی نظر جو اس کی نظیرؔ
تو دل وہیں چمنِ عشق میں نہال ہوا

لطفِ تشریف جو عشق اس کے نے آغاز کیا
ہم نے تعظیم کی اور جیبِ دریدہ دل باز کیا

دیکھ کر اس کو بتاں سحر سب اپنا بھولے
اس نشۂ حسن کے عالم نے یہ اعجاز کیا

لطف سے جس کی طرف ایک نگہ کی اس نے
اس کو سو قدر و شرف سے وہیں ممتاز کیا

جس کے ہاں پاؤں رکھا اس نے تو کیا کیا اس کو
عالم ظاہر و باطن میں سرافراز کیا
ہم تو کس گنتی میں ہیں جس نے اس کے تو نظیر
ہیں جو معشوق انہیں عاشق جانباز کیا

ساقی ظہورِ صبح و ترشح ہی نور کا
دے مے یہی تو وقت ہی نور و ظہور کا

کوچہ میں اس کے جس کو جگہ مل گئی وہ پھر
مائل ہوا نہ صحنِ چمن کے سرور کا

یہ گل جو ہم نے ہاتھ پہ کھائے ہیں روبرو
ہم کو یہی ملا ہی تبرک حضور کا

سیماب جس کو کہتے ہیں سیماب یہ نہیں
دل آب ہو گیا ہی کسی ناصبور کا

مے پی کے عاشقی کے خرابات میں نظیر
نے ڈر ہی محتسب کا نہ صدر الصدور کا

کر لیتے الگ ہم تو دل اس شوخ سے کب کا
گر اور بھی ہوتا کوئی اس طور کی چھب کا

بوسہ کی عوض ہوتے ہیں دشنام سے مسرور
اتنا تو کرم ہم پہ بھی ہی یار کے لب کا

اس کان کے جھمکے کی لٹک دیکھ لی شاید
ہر خوشہ اسی تاک میں رہتا ہی عنب کا

ق
دیکھا جو بڑی دیر تلک اس نے منہ اپنا
لے دستِ حنا بستہ میں آئینہ حلب کا

جب ہم نے کہا رکھیئے اب آئینہ کو یہ تو
حصہ ہے کسی اور بھی دیدار طلب کا
یہ سن کے ادھر اس نے کیا غصے میں منہ سرخ
بھبکا ادھر آئینہ بھی ہمسر ہو غضب کا
تم ربط کے ڈھب جس سے لڑاتے ہو نظیر آہ
وہ دلبر عیار ہے کچھ اور ہی ڈھب کا

جو عمر دیکھو تو
دس برس کی
یہ قہر و آفت
غضب خدا کا

نظر پڑا ایک بت پری وش نرالی سج دھج نئی ادا کا
نگہ سے ظاہر کمال شوخی عیاں ادا سے اثر جفا کا
جو گھر سے نکلے تو یہ قیامت کہ چلتے چلتے قدم قدم پر
کسی کے چٹکی کسی کے کہنی کسی کے ٹھوکر پٹنٹ لڑا کا غضب
گلے لپٹنے میں یہ شتابی کہ جیسے بجلی کی اضطرابی
ادھر جو چمکا چمک کر ادھر جو لپکا تو پھر چھپا کا
یہ چلبلاہٹ یہ اچپلاہٹ خبر نہ سر کی نہ تن کی سدھ بدھ
جو چیرا بکھرا۔ بلا سے بکھرا۔ نہ بند باندھا کبھی قبا کا
لڑا دے آنکھیں یہ بے حجابی کہ پھر پلک سے پلک نہ مارے
جو نظریں نیچی کرے تو گویا کھلا سراپا چمن حیا کا
یہ راہ چلنے میں چنچلاہٹ کہ دل کہیں ہے نظر کہیں ہے
کہاں کا اونچا کہاں کا نیچا خیال کس کو قدم کی جا کا
یہ رم یہ نفرت یہ دور کھنچنا یہ ننگ عاشق کے دیکھنے سے
جو پتا کھٹکے ہوا سے لگ کر تو سمجھے کھٹکا نگہ کے پا کا
جتا دے الفت چڑھا دے ابرو ادھر لگاوٹ ادھر تغافل
کرے تبسم جھڑک دے ہر دم روش ہٹیلی چلن دغا کا

نہ وہ سنبھالے کسی کے سنبھلے نہ وہ منائے منے کسی سے
جو قتلِ عاشق پہ آکے مچلے تو خیر کا پھر نہ آشنا کا
جو شکل دیکھو تو بھولی بھولی جو باتیں سنئے تو میٹھی میٹھی
دل ایسا پتھر کہ سر اڑا دے جو نام لیجئے کبھی وفا کا
نظیر چھپ جا کہیں سرک جا بدل لے صورت چھپا لے منہ کو
جو دیکھ لیوے گا وہ ستمگر تو یار ہوگا ابھی جھگڑا کا

حسن اس شوخ کا اہاہا — جن نے دیکھا کہا اہاہا
زلف ڈالے ہے گردن دل میں — دام کیا کیا بڑھا اہاہا
تیغِ ابرو بھی کرتی ہے دل پر — وار کیا کیا نیا اہاہا
آن پر آن وہ اجی او ہو — اور ادا پر ادا اہاہا
ناز سے جو نہ ہو وہ کرتی ہے — چپکے چپکے حیا اہاہا
ق
طائرِ دل پہ اس کا بازِ نگاہ — جس گھڑی آ پڑا اہاہا
اس کی پھرتی اور اسکی لپ جھپک — کیا تماشا ہوا اہاہا
ق
بزمِ خوباں میں جب گیا وہ شوخ — اپنی سج دھج بنا اہاہا
کی "او ہو ہو" کس نے دیکھ نظیر
کوئی کہنے لگا اہاہا

کان میں اس شوخ چنچل کے جو نہیں بالا پڑا
آگئی جگر میں برق اور ماہ پر بالا پڑا
دیکھنا ہمدم یہ اترا سنبلستان میں قمر
یا یہ کاکل میں کسی کے چھلے ہر بالا پڑا
دیکھ نقشِ تن میرا اپنی گلی کی خاک پر
یوں کہا یہاں تو نہ دیوانہ نہ متوالا پڑا ق

عیش سے بھر نیند سونے کے لئے اس جا مگر
رات تھا کوئی ہمارا جاہنے والا پڑا

جب گل لالہ سے پوچھا میں نے اے دل سوختہ
کس طرح سینے میں تیرے داغ یہ کالا پڑا
سن کے بولا جس سے تو جلتا ہوا آیا ہی یاں
یار مجھ پر بھی اسی آتش کا پرکالا پڑا

سنگدل، محبوب کو کہنا غلط تھا اے نظیر
ہم نے جب جانا جب اس بیدردسے پالا پڑا

پردہ اُٹھا کر رخ کو عیاں اس شوخ نے جس ہنگام کیا
ہم تو رہے مشغول ادھر یاں عشق نے دل کا کام کیا
آ گئے جب صیاد کے بس میں سوچ کئے پھر حاصل کیا
اب تو اسی کی ٹھیری مرضی جن نے اسیر دام کیا

چشم نے چھینا پلکوں نے چھیدا زلف نے باندھا دل کو آہ
ابرو نے ایسی تیغ جڑی جو قصہ ہی سب اتمام کیا
سخت خجل ہیں اور شرمندہ رہ رہ کر پچھتاتے ہیں
خواب میں اس سے رات لڑے ہم کیا ہی خیال خام کیا

چھوڑ دیا جب ہم نے صنم کے کوچے میں آنے جانے کو
ق
پھر تو ادھر اس شوخ نے ہم سے شکوہ بھر ا پیغام کا
اور ادھر سے چاہت بھی یوں ہنس کر بولی واہ جی واہ
اچھے چلئے یار سے ملئے اب تو بہت آرام کیا

یار کی مے گوں چشم نے اپنی ایک نگہ سے ہم کو نظیر
مست کیا، اوباش بنایا، رند کیا، بدنام کیا

کل اس کے چہرے کو ہم نے جو آفتاب لکھا
تو اسنے پڑھ کے وہ نامہ بہت عتاب لکھا

جبیں کو مہ جو لکھا تو کہا ہو چیں بہ جبیں
یہ کیسی اس کی سمجھ تھی جو ماہتاب لکھا

چمکتے دانتوں کو گوہر لکھا تو ہنس کے کہا
ستارے اڑ گئے تھے جو در خوش آب لکھا

لکھا جو مشک خطا زلف کو تو بل کھا کر
کہا خطا کی جو یہ حرف نا صواب لکھا

گلاب عرق کو لکھا تو یہ بولا ناک چڑھا
اسے نہ عطر میسر تھا جو گلاب لکھا

جگر کباب لکھا اپنا، تو کہا جل کر
بھلا جی کیا میں شرابی تھا جو کباب لکھا

حساب شوق کا دفتر لکھا تو جھنجلا کر
کہا میں کیا متصدی تھا جو حساب لکھا

جو بے حساب لکھا اشتیاق دل تو کہا
وہ کس حساب میں ہے یہ بھی بے حساب لکھا

ہوئی جو ردو بدل ایسی کتنے بار نظیر
تو اس نے خط کا ہمارے نہ پھر جواب لکھا

اپنے کوچے میں جس کو جا دینا ق اس کو لازم نہیں اٹھا دینا
لے چلا تھا نظیر وہ جس دن تھا ہمیں دل کو یہ جتا دینا
جب یہ کھینچیں نگہ کی تجھ پر تیغ تو سر اپنا وہیں جھکا دینا
اور یہ اس شوخ سے بھی کہنا تھا اس کی تم یاد مت بھلا دینا

ہو جو کچھ کام کا تو رکھ لیجو
ورنہ اس کو ہوا بتا دینا

نہ آیا آج بھی کل کی طرح وہ گلعذار اپنا
گلے کا ہار پھر ہوگا دل اُمیدوار اپنا
نہیں پھر چھوڑتا یارو وہ آخر لے ہی جاتا ہے
جہاں صیاد نے تاڑا کہ ہے اس جا شکار اپنا
جھڑک لو، مار بیٹھو، گالیاں دو، ناز ہیں لوگو!
نیاز ناز خوباں ہم تو کھو بیٹھے وقار اپنا
ہنسی میں لے لیا بوسہ جو اس محبوب کا ہم نے
تو یوں بولا کیا تم نے بھی کیا اب یہ شعار اپنا
تمہیں تو بوجھ کا سمجھے تھے ہم لیکن اب آگے کو
نظیر اس ہلکے پن سے تم نے کھویا اعتبار اپنا

ایسا ہی جو وہ خفا رہے گا — تو چاہ میں کیا مزا رہے گا
مت ربط کر اس سے ورنہ ای دل — اپنے تو کئے کو پا رہے گا
ق
دیکھیں گے ہم اک نگاہ اس کو — کچھ ہوش اگر بجا رہے گا
خوباں پہ میاں نظیر اپنا — ایسا ہی جو دل فدا رہے گا
پہلو سے نکل کے آخر اک دن
کوچے میں بتوں کے جا رہے گا

منتظر اس کے دلا تا بکجا بیٹھنا — شام ہوئی اب چلو صبح پھر آ بیٹھنا
ہوش رہا نے قرار، دین رہا اور نہ دل — پاس بتوں کے ہمیں خوب نہ تھا بیٹھنا
لطف سے ای دل تجھے اس کے جو ابرو بٹھائے — بیٹھیو لیکن بہت پاس نہ جا بیٹھنا
دل کی ہماری غرض باندھے ہی گیا بند بند — شوخ کا وہ کھول کر بند قبا بیٹھنا

کوچے میں اس شوخ کے جاتے تو ہو نظیر
جُل میں کہیں اپنی چاہ تم نہ جتا بیٹھنا

سامنے اس صفت مژگان کے میں کل جاؤں گا
پھد تو جاؤں گا پر آگے سے نہ ٹل جاؤں گا

تیغ اس ابرو کی جب معرکہ آرا ہو گی
اپنی جانبازی کے گوہر میں اُگل جاؤں گا

ہو کف پا وہ مصفا کہ جسے دھیان میں لا
پائے نظارہ یہ کہتا ہے پھسل جاؤں گا

مجھ کو دیتے ہو عبث خانۂ زنجیر میں جا
جوں صدا میں ابھی اس گھر سے نکل جاؤں گا

آپ سے چاہوں تو اٹھ جاؤں گا اس بزم سے میں
اور اک "ہوں" بھی کروگے تو چل جاؤں گا

گرچہ ہوں بے حرکت ضعف سے جوں آتش سنگ
پر جو چھیڑا تو شرر ساں میں اوچھل جاؤں گا

موم ہوں میں تو بتاں مجھ کو نہ سمجھو آہن
ٹک بھی تم گرم ہوئے تو میں پگھل جاؤں گا

غصہ ہو کر تم اگر لاکھ طرح بدلو رنگ
میں وہ یک رنگ نہیں ہوں جو بدل جاؤں گا

بیکلی آج بھی واں لے گئی مجھ کو تو نظیر
میں نے ہر چند یہ چاہا تھا کہ کل جاؤں گا

ہو کے مہ وہ تو کسی اور کا ہالا نکلا
ہم نے سمجھا تھا جسے گل سو وہ لالا نکلا

لینے خیرات ترے چہرۂ پُرنور سے رات
بدرِ چاندی کا لئے ہاتھ میں پیالا نکلا

اس کے چہرے پہ نہیں کاکلِ مشکیں کی نمود
یہ پٹارے کے تئیں توڑ کے کالا نکلا

تھا ارادہ تری فریاد کریں حاکم سے
وہ بھی اے شوخ تیرا چاہنے والا نکلا

رات کوٹھے پہ چڑھا وہ، تو کہوں کیا یارو
منظرِ بام سے اس کے، وہ اُجالا نکلا

برق جوں چمکے ہے یا چھوٹے ہے جیسے مہتاب
وہ اُجالا تو کچھ اس سے بھی نرالا نکلا

جی کی سب دھوم تھی جب تن سے وہ نکلا تو نظیرؔ
پھر نہ سینے سے اُٹھی آہ نہ نالا نکلا

وہ رشکِ چمن کل جو زیبِ چمن تھا
چمن جنبشِ شاخ سے سینہ زن تھا

گیا میں جو اس بن چمن میں تو ہر گل
مجھے ہر گھڑی اخگرِ پیرہن تھا

یہ غنچہ جو بیدرد گلچیں نے توڑا
خدا جانے کس کا یہ نقشِ دہن تھا

نظیرؔ آ گئے ہم کو ہوس تھی کفن کی
جو سوچا تو ناحق کا دیوانہ پن تھا

تنِ مردہ کو کیا تکلف سے رکھنا
گیا وہ تو جس سے مزین یہ تن تھا

کئی بار ہم نے یہ دیکھا ہے جن کا
مشیّن کفن تھا معطر بدن تھا
جو قبر کہن ان کی اکھڑی تو دیکھا
نہ عضو بدن تھا نہ تار کفن تھا

لے دل مہر سے پھر رسم جفا کاری کیا
تم دل آرام ہو کرتے ہو دل آزاری کیا

تم سے جو ہو سو کرو۔ ہم نہیں ہونے کے خفا
کچھ نہیں اور سے کرنی ہے نئی یاری کیا

جوں حباب آئے ہیں ملنے کو نہ ہو چیں بہ جبیں
ہم سے اک دم کے لئے کرتے ہو بیزاری کیا

تیغ ابرو کی تو الفت نے کیا دل کو دو نیم
دیکھیں اب کرتی ہے کاکل کی گرفتاری کیا

پھر سنان مژہ دل پر وہ اٹھاتا ہے نظیر
زخم شمشیر نگہ آہ نہیں کاری کیا

اس نے جب آنکھیں لڑا کر ہنس دیا
ہم نے بھی نظریں ملا کر ہنس دیا

آن کیا کیا دلبری نے دی دکھا
شوخ نے جب پان کھا کر ہنس دیا

ایک بوسے کی طلب کی ہم نے جب
پاس لا منہ پھر ہٹا کر ہنس دیا

ہم نے پوچھا کل نہ آئے کس لئے
پاؤں کی مہندی دکھا کر ہنس دیا

ایک دن اسنے بوقت اختلاط
خوب ہم کو گدگدا کر ہنس دیا
ہم نے جب کی گدگدی اس کے نظیر
پھر تو کیا کیا کھل کھلا کر ہنس دیا

دل نہ لو، دل کا یہ لینا ہی نہ اخفا ہوگا
اس کو دل کہتے ہیں بس لیتے ہی چرچا ہوگا
تم کو ہر آن اِدھر ہو وے گی جس آرائی
ہم کو ہر لحظہ اِدھر ذوق تماشا ہوگا
ہم بھی سو چاہ سے دیکھیں گے تمہاری جانب
تم سے بھی ضبط تبسم نہ پھر اصلا ہوگا
جو نہی ہم دیکھیں گے تم اور تبسم ہو گے
چاہ کا غنچۂ سر بستہ وہیں وا ہوگا
گفتگو ہو وے گی باہم جو اشارات کے ساتھ
متن اس کا بھی حریفوں میں محشا ہوگا
پاؤں تک ہاتھ جو لاویں گے کسی مذ سے ہم
تاڑنے والوں میں شور اس کا بھی برپا ہوگا
جب یہ تقریر سنی اس شہ خوباں نے نظیر
ہم سے دل لے لیا اور ہنس کے کہا کیا ہوگا

کل جو رخ عرق فشاں یار نے ٹک دکھا دیا
پانی چھڑک کے خواب سے فتنے کو پھر جگا دیا
اس کے شرار حسن نے جلوہ جو اک دکھا دیا
طور کو سر سے پاؤں تک پھونک دیا جلا دیا

پھر کے نگاہ چار سو ٹھیری اسی کے روبرو
اسنے تو میری چشم کو قبلہ نما بنادیا

میرا اور اس کا اختلاط ہو گیا مثل ابر و برق
اسنے مجھے رُلا دیا میں نے اسے ہنسادیا

میں ہوں پتنگ کاغذی ڈور ہی اس کے ہاتھ میں
چاہا ادھر گھٹا لیا چاہا ادھر بڑھادیا

تیشے کی کیا مجال تھی یہ کہ تراشے بیستوں
تھا وہ تمام دل کا زور جس سے پہاڑ ڈھادیا

گزرے جو سوئے خانقاہ واں بھی بشکل جانماز
اہل صلاح و زہد کو فرش کیا بچھادیا

نکلے جو راہ دیر سے اک ہی نگاہ مست میں
گبر کا صبر کھو دیا بت کو بھی بت بنادیا

شکوہ ہمارا ہی بجا مفت بروں سے کس لئے
ہم نے تو اپنا دل دیا ہم کو کسی نے کیا دیا

سن کے ہمارے حال کا یار نے اک سخن نظیر
ہنس کے کہا کہ بس جی بس تم نے تو سر پھرادیا

سبھوں کو مے ہمیں خونناب دل پلاتا تھا
فلک بھی ہے تجھے کیا یہ زہر کھاناتھا

لگی تھی آگ جگر میں. بجھائی اشکوں نے
اگر یہ اشک نہ ہوتے تو کیا ٹھکانا تھا

نگہ سے اس کی بچاتا ہی کس طرح دل کو
ازل سے یہ تو اسی تیر کا نشانا تھا

نہ کرتا خوں میں ہمیں کس طرح وہ رنگین آہ
اسے تو ساتھ ہمارے یہ رنگ لانا تھا

شب فراق کی ادنےٰ سی اک یہ حالت ہے ق
کہ تھا جو گھر سو ہمارا وہ قید خانہ تھا
جو کروٹیں تھیں سو وہ بیکلی کی شدت تھی
جو خواب تھا سو وہ دل غش میں ڈوب جانا تھا

غرض نہ سر کی خبر تھی نہ پا کا ہوش نظیر
سرھانا پائینتی اور پائینتی سرھانا تھا

شور آہوں کا اُٹھا نالہ فلک سا نکلا
آج اس دھوم سے ظالم تیرا شیدا نکلا
یوں تو ہم تھے یونہی کچھ مثل انار و مہتاب
جب ہمیں آگ دکھائی تو تماشا نکلا

غم سے ہم بھانمتی بن کے جہاں بیٹھے تھے ق
اتفاقاً کہیں وہ شوخ بھی واں آنکلا
سینے کی آگ دکھانے کو دہن سے اپنے
شعلے پر شعلہ بھبھو کے پہ بھبھوکا نکلا

مت شفق کہہ یہ ترا خون فلک پر ہے نظیر
دیکھ ٹپکا تھا کہاں اور کہاں جا نکلا

بے جا ہے رہ عشق میں ای دل گلۂ پا
یہ اور ہی منزل ہے نہیں مرحلۂ پا
ہنگام خرام اس کے، ہجوم دل عشاق
غش کردہ ہیں ٹھوکر کے بہر فاصلۂ پا

کل بوسۂ پا ہم نے لیا تھا سو نہ آیا
شاید کہ وہ بوسہ ہی ہوا آبلۂ پا

اس پا کی رہ رشک میں نازک قدموں کے
پھرتے ہیں بھٹکتے ہوئے سو قافلۂ پا

سو ناز سے ٹھوکر بسر عرش لگانا
اس گل کے سوا کس کا ہے یہ حوصلۂ پا

گلبرگ پہ رکھتے ہی قدم ہنس کے جو کھینچا
شاید ہوئی سختی سے رگ گل خلۂ پا

دل سے رہ دل بستگی کب طے ہو نظیر آہ
وہ زلف مسلسل جو نہ ہو سلسلۂ پا

یہ بھلا ہوا جو اس نے نہ سحر نقاب الٹا
نہیں سوئے تحت پھرتا وہیں آفتاب الٹا

مجھے بیقرار کرنا جو نہ تھا اسے تو پھر کیوں
بصد انتظار آکر بصد اضطراب الٹا

خجل اس کے آگے ہونے میں لگا تو وہ نگہ کی
کہ پہنچ کے تا در دل وہیں پھر حجاب الٹا

کہا پاؤں دابنے کو میں نے چوم لی کف پا
تو بجائے لطف کیا کیا بسر عتاب الٹا

مری خاک پر جو آیا تو ہنسا کہ لے یہ گل ہیں
یہی گل بھلا کے وال سے وہ صنم شتاب لٹا

بھرے جام چشم کیا کیا مئے اشک سے وہ مئے کش
جو اخیر بزم دیکھے قدح شراب الٹا

گیا گھر نظیرؔ اس کے بہزار نامرادی
پہ ہزار شکر واں سے وہ ہو کامیاب اٹھا

اگر ہی منظور یہ کہ ہووے ہمارے سینے کا داغ ٹھنڈا
تو آ لپٹئے گلے سے ای جاں جھمک سے کر جیب چراغ ٹھنڈا

ہم اور تم جاں اب اس قدر تو محبتوں میں ہیں ایک تن من
لگایا تم نے جبیں پہ صندل ہوا ہمارا دماغ ٹھنڈا

لبوں سے لگتے ہی ہو گئی تھی تمام سردی دل وجگر میں
دیا تھا ساقی نے رات ہم کو کچھ ایسی مے کا ایاغ ٹھنڈا

درخت بھیگے ہیں کل کے مینہ سے چمن چمن میں بھرا ہی پانی
جو سیر کیجئے تو آج صاحب عجب طرح کا ہی باغ ٹھنڈا

وہی ہی کامل نظیرؔ اس جا، وہی ہی روشن دل اے عزیزو
ہوا سے دنیا کی جس کے دل کا نہ ہووے ہرگز چراغ ٹھنڈا

شب مہ میں دیکھ اس کا وہ جھمک جھمک کے چلنا
کیا انتخاب مہ نے یہ چمک چمک کے چلنا

روش ستم میں آنا تو قدم اٹھانا جلدی
جو رہ کرم میں آنا تو ٹھٹھک ٹھٹھک کے چلنا

ندھڑک ہو جو نکلنا تو سر خطر پہ بھٹو کر
جو نظر گزر سے ڈرنا تو جھجھک جھجھک کے چلنا

جو نوازشوں میں آنا تو رگڑ کے دوش جانا
جو سر عتاب ہونا تو پھٹک پھٹک کے چلنا

ہی کھبا نظیرؔ اب تو مرے جی میں اس صنم کا
وہ اکڑ کے درصبح دکھانا وہ ہمک ہمک کے چلنا

عشق کا جو گل زخم دم شمشیر کھلا
رہ گیا تن پہ وہ مثل گل تصویر کھلا

گلشن دلبری و زیب میں اے جاں واللہ
تو وہ گل ہے کہ بصد حسن جہانگیر کھلا

کوہ میں لالہ نہیں، آہ یہ خون فرہاد
جوش میں آن کے پتھر کے تئیں چیر کھلا

بند تھا کلفت ہجراں میں جو غنچہ دل کا
اس گل حسن سے ہوتے ہی بغل گیر کھلا

محو تدبیر ہیں ہم لیک خدا ہی جانے
کونسا گل ہے پس پردۂ تقدیر کھلا

طفل اشک اے مژہ چاہے کہ رہے ٹک تو اسے
پیار سے مہر سے الفت سے بہ تدبیر کھلا

ایک گل کھاتے ہی لطف اس نے کیا ہم پہ نظیر
باغ الفت میں عجب یہ گل تاثیر کھلا

آن نے دل لے لیا جیسے کہوں اس آن کیا
اب ادا کی تاب لاؤں ایسی مجھ میں جان کیا

لے کے دل پھر بیٹھا ہے وہ دین لینے وہ بھی ہم
دل دیا جس کو نہ دیں گے اس کو ہم ایمان کیا

جانے پاتا واں نہیں یاں گھر میں دل لگتا نہیں
میں کروں یارو بھلا اس درد کا درمان کیا

کر کے دل خوگر تبسم سے جو لی تیوری چڑھا
تم نے تو یہ طرز کی اب میں کروں اے جان کیا

کیوں ہوس کرتا ہی بے جا ہو کے بیقدر اے نظیر
اس کی محفل میں تجھے گر دخل ہوا مکان کیا

کیوں جی کیا تم نے مرے دل سا جواں باندھ لیا
سن کے بولا کہ وہ کیا چیز تھا ہاں باندھ لیا
ہم نے جب بات کی اس غنچہ دہن سے کھل کر
پہلے جب اس کے رقیبوں کا دہان باندھ لیا
جنت و خلد و ارم سب نظر آجاتے ہیں
دھیاں محبوب کے کوچے کا جہاں باندھ لیا
گر کہے کوئی کہ ہم زلف سے چھوٹ آئے ہیں
سب غلط، پھر کوئی چھوٹے ہی جہاں باندھ لیا
ہنستے ہنستے یہ کہا میں نے کل اس سے، اے جاں
سچ کہو تم نے مرے دل کو کہاں باندھ لیا
دل کو خوباں سے مگر ریختی کہہ کہہ نے نظیر
کوئی دن ہم نے بھی خوب اپنا سماں باندھ لیا

نہ چھوڑے دل کو وہ افسوں نگہ لڑانے کا
جو کچھ ہو دیر تو پھر ڈھب ہی مسکرانے کا
حیا سے وہ تو نہ کرتا نگہ، و لیکن ہی
یہ لطف پنجۂ مژگاں کے گدگدانے کا
بتوں کی زلف فراموش دل کو ہو کیونکر
بسیرا بھولے ہی طائر کب آشیانے کا
پڑیں گے پاؤں ہم اس جامہ زیب کے ای دل
جو ہاتھ آگیا دامن کسی بہانے کا

لیا جو دست حنا بستہ سے دل اسنے نظیر
یہی مآل ہی اس کے حنا لگانے کا

ساقیا موسم برسات ہی کیا روح فزا
دیکھ کچھ تازگیٔ صنعت بے چون وچرا

جا بجا نکلے ہیں اس لطف سے لطفلان نبات
اپنے ہاتھوں سے کھلاتی ہی جنھیں نشوونما

کھل رہے ہیں درو دیوار پہ ابواب بہشت
آرہی ہی چمن خلد کی ہر گھر میں ہوا

دیکھ سبزوں کی طراوت کو زمین پڑھتی ہی
دم بدم انبتہ اللہ نباتا حسنا

برگ اشجار وہ سرسبز ہیں اور نرم ولطیف
فی المثل حلۂ جنت انھیں کہئے تو بجا

کوہ و صحرا میں وہ سبزی ہی کہوں کیا گویا
مخمل تازہ کسی نے ابھی یاں دی ہی بچھا

الغرض دشت تو ہیں کارگۂ مخمل سبز
اور جو ہیں کوہ تو ان پر بھی زمرد ہی فدا

جاں سے کرتی ہی اب نزہت وخضرت وہ سلوک
جیسے غنچوں سے نسیم سحر اور گل سے صبا

ہی زمین چمن و باغ جو پانی سی سفید
اس میں اب عکس ہر اک گل کا ہی یوں جلوہ نما ق

عقل کہتی ہی تامل سے جسے دیکھ کہ یہ
طشت بلور ہی اقسام جواہر سے بھرا

شاخ پر گل سے یہ عالم ہی کہ جیسے محبوب
سرخ دستار بسر رکھتا ہی اور سبز قبا
ملتے اس لطف سے ہیں بھیگے ہوے تازہ نہال
جیسی ہو نازنیں دلبر کے نہانے کی ادا

غلغل رعد خوش آتا ہی ہر اک گوش کو یوں
جیسے شادی میں پسند آتی ہی نوبت کی صدا
برق بھی چمکے ہی اور دمکے ہی ایسی ہر دم
جس سے کیا کیا امنڈ اور جھوم کے آئے ہی گھٹا

اس سیہ ابر میں یوں اڑتے ہیں بگلے جیسے
لب مایدہ ہنسی میں دُرِ دنداں کی صفا
بدلیاں بدلے ہیں وہ رنگ نئے ہر ساعت
جن کے ہر رنگ پہ ہو مانی کے ارژنگ فدا

اس طرح برسے ہی جھڑیوں کو لگا کر باراں
منسلک جیسے ہو سلک گہر بیش بہا
ہی اسی کے سبب عالم میں حیاتِ ہر شی
شاہد اس بات کی ہی حتی من الما کی ندا

اب میں ساون کی اندھیری کی کہوں کیا تعریف
جعد شیریں کہوں یا زلف سیاہ لیلا
جگنوں اس طرح چمکتے ہیں کہ جوں وقت سنگار
ماتھے پر ہاتھی کے شنگرف ہی گویا چھڑکا

کہیں رقاص کا رقص اور کہیں مطرب کا سرود
کہیں ساقی مے و ساغر طرب و برگ و نوا

زہرہ واں ہو کے خوشی گاتی ہو وہ میگھ ملھار
جس کو سن سن کے فلک ناچے ہی بر روئے ہوا
مور کا شور فغاں غوک کی جھینگر کی جھنکار
پی پی ہر آن پپیہے کے ہی کوئل کی صدا

اہل ظاہر تو ہیں سب مست مۓ عیش سرور
اہل باطن بھی اے چھلتے ہیں پڑے وجد میں آ
شہر اور دشت میں یاں چار مہینے تو نظیرؔ
ہر برس ہوتے ہیں گل حسن طراوت ہر جا

خوش ہوئی سینہ میں مژگاں کی جھپک تیر لگا
تو بھی اے جنبش ابرو کوئی شمشیر لگا
کیا ہی خوش وقت ہوا کر کے مرے دل کو صید
یعنی کیا خوب مرے ہاتھ یہ نخچیر لگا
ہم تو پھنستے نہ ترے دام میں لیکن ہیہات
لے گئی دل کو تری زلف گرہ گیر لگا
میں کہا کیوں نہیں اس شوخ سے ملتا تو نظیرؔ
سن کے اس بات کو یوں کہنے وہ دلگیر لگا
میں تو کیا پُر زے اڑا دے وہ ابھی، گر کوئی
اس کی دیوار سے دیوے مری تصویر لگا

کلال گردوں اگر جہاں میں جو خاک میری کا جام کرتا
تو میں صنم کے لبوں سے مل کر عجب ہی عیش مدام کرتا
جو پاتا لذت بسان مستاں مۓ محبت سے تیری زاہد
تو خانقہ سے نکل کے اپنی، وہ میکدے میں قیام کرتا

وہ بزم اپنی تھی مے کشی کی فرشتے ہو جاتے مست و بیخود
جو شیخ جی واں سے بچ کے آتے تو پھر میں ان کو سلام کرتا
جو زلفیں بکھرے پہ کھول دیتا صنم ہمارا تو پھر یہ گردوں
نہ دن دکھاتا نہ شب بتاتا نہ صبح لاتا نہ شام کرتا
وہ بزم اپنی تھی مے خوری کی - فرشتے ہو جاتے مست و بیخود (مکرّر)
جو شیخ جی بچ کے واں سے آتے تو میں پھر اُن کو سلام کرتا
نظیر آخر کو ہار کر میں گلی میں اس کی گیا تھا بکنے
تماشا ہوتا جو مجھ کو لے کر وہ شوخ اپنا غلام کرتا

جن دنوں حسن بتاں کے دل پۓ نظارہ تھا
سو بسو ہر دم دواں اور کو بکو آوارہ تھا
مدتوں میں ایک دن ہم دل سے ملنے کو گئے
کس لئے مربوط اس سے اپنا جی ہموارہ تھا
وہ تو لعل بے بہا تھا جا کے دیکھا ہم نے کیا
جور سے سنگیں دلوں کے شیشۂ صد پارہ تھا
تھے پڑے پہلو کے نیچے جائے بستر خار و خس
اور بزیر سر عوض بالش کے سنگ خارہ تھا
کھو چکا تھا بیوفاؤں میں جو عمر اپنی نظیر
لب پہ آہ سرد تھی اشکوں سے تر رخسارہ تھا

جب ہمنشیں ہمارا بھی عہد شباب تھا
کیا کیا نشاط و عیش سے دل کامیاب تھا
حیرت ہے اس کی زود روی کیا کہیں ہم آہ
نقش طلسم تھا وہ کوئی یا حباب تھا

تھا جب وہ جلوہ گر تو دل و جاں میں دمبدم
عشرت کی حد نہ عیش و طرب کا حساب تھا

تھے باغ زندگی کے اُسی سے ہی آب و رنگ
دیوان عمر کا بھی وہی انتخاب تھا

اپنی تو فہم میں وہی ہنگام اے نظیرؔ
مجموعۂ حیات کا لُبِّ لُباب تھا

ہیں گرچہ یاں تو اور بھی محبوب خوب خوب
لیکن اسی کو کہتے ہیں سب خوب خوب خوب

نام خدا میں کیا کہوں اس گل کے حسن میں
کیا کیا عیاں ہیں ناز کے اسلوب خوب خوب

فرقت میں اب کے بار تو دلدار نے ہمیں
خوبی سے کیا ہی بھیجے ہیں مکتوب خوب خوب

فضل الٰہی اب تو نظیرؔ اپنی بزم میں
اسباب سب ہیں عشرت مرغوب خوب خوب

ہیں اس طرف تو ساقی و مطرب کرشمہ سنج
اور اس طرف کو بیٹھے ہیں محبوب خوب خوب

یہ جواہر خانۂ دنیا جو ہی باآب و تاب
اہل صورت کا ہی دریا اہل معنی کا سراب

وہ عظیم الشان مکاں دیتی تھیں جنکی رفعتیں
ہنس کے طاق آسماں کو طاق ابرو سے جواب

وہ مطلا قصر وہ رنگین منقش بام و در
وہ مرصع خواب گاہیں بہر عیش و بہر خواب

صحن میں بتاں سرا ایسے پر از غلمان و حور
جن کی انہاروں میں جائے آب و گل خالص گلاب

وہ مطلا قصر رنگین و منقش بام و در
جن کی رنگینی سے تھا قصر ارم کو پیچ و تاب
ان میں تھے وہ صاحب ثروت جنھیں کہتے تھے لوگ
کیقباد و قیصر و کیخسرو و افراسیاب

مہروش، بہرام صولت، بدر قدر چرخ رخش
مشتری پیکر ثریا بارگہ کیواں جناب
وہ تجمل وہ تموّل وہ تفوق وہ غرور
وہ تحشم وہ تنعم وہ تعیش وہ شباب

ہر طرف فوج بتاں ہر سو ہجوم گل رخاں
جن کے عارض رنج ماہ و رشک روئے آفتاب
چشمک و آن و اشارات و ادا و سرکشی
طنز و تعریض و کنایت، غمزہ و ناز و عتاب

صبح سے لے شام تک اور شام سے لے تا بصبح
دمبدم رقص و سرود اور پے بہ پے جام شراب
ساقی و مطرب ندیم و مستی و مے خوارگی
ساغر و مینا و گل عطر و مے و نقل و کباب

کثرت اہل نشاط و جوش نوشانوش مے
از زمین تا آسمان شور نے و چنگ و رباب
وہ بہاریں وہ فضائیں وہ ہوائیں وہ سرور
وہ طرب وہ عیش کچھ جس کا نہیں حد و حساب

یا تو وہ ہنگامۂ تنشیط تھا یا دفعتاً
کر دیا ایسا کچھ اس دورِ فلک نے انقلاب

جو وہ سب جاتے رہے دم میں حبابِ آسا گر
رہ گئے عبرت فزا وہ قصرِ ویران و خراب

تھا جہاں وہ مجمعِ رنگیں وہاں اب ہی تو کیا
نقشِ سُمِ گور یا کہنہ کوئی پرِ عقاب

ہیں اگر دو خشت باہم تو لبِ افسوس ہیں
اور جو کوئی طاق ہی تو صورتِ چشمِ پر آب

خواب کہیے اس تماشے کو نظیرؔ اب یا خیال
کچھ کہا جاتا نہیں واللہ اعلم بالصواب

بحرِ ہستی میں صحبتِ احباب
یوں ہی جیسے بروئے آب حباب

گردشِ آسماں میں ہم کیا ہیں
پر کا ہے میانۂ گرداب

بادۂ ناب کیا ہی خونِ جگر
زردیٔ رنگ ہی شبِ مہتاب

جس کو رقص و سرود کہتے ہیں
وہ بھی ہی اک ہوائے خانہ خراب

عمر کہتے ہیں جس کو وہ کیا ہی
مثلِ تحریرِ موجِ نقش بر آب

جسم کیا روح کی ہی جولانگاہ
روح کیا اک سوار پا بر کاب

حسن اور عشق کیا ہیں یہ بھی ہیں
خطفۂ برق و قطرۂ سیماب

زندگانی و مرگ بھی کیا ہیں
ایک مثلِ خیال و دیگر خواب

فرصتِ عمر قطرۂ شبنم
وصلِ محبوب گوہرِ نایاب

کیوں نہ عشرت دو چند ہو جو ملے
یارِ مہ چہرہ اور شبِ مہتاب

سب کتابوں کے کُھل گئے معنی
جب سے دیکھی نظیرؔ دل کی کتاب

خوباں میں اس طرح ہی وہ دلخواہ سب سے خوب
جوں وقت شب ستاروں میں ہی ماہ سب سے خوب
محبوب کا جو وصل تصور میں ہو تو پھر
مشتاق وصل کو ہی یہی راہ سب سے خوب
دل جس کو چاہتا ہی وہی جانے چاہ کو
اپنی تو فہم میں ہی وہی چاہ سب سے خوب
کیسا ہی وہ برا ہو پہ لگ جائے جس سے دل
لگتا ہی جی کو پھر وہی واللہ سب سے خوب
خوبی میں خوبرو تو سبھی خوب ہیں نظیر
پر خوب غور کی تو ہی اللہ سب سے خوب

کب غیر نے یہ ستم سہے چپ ایسے تھے ہمیں جو ہو رہے چپ
شکوہ تو کریں ہم اس سے اکثر پر کیا کریں دل ہی جب کہے چپ
سن شور گلی میں اپنی ہردم ق بولا کبھی تم نہ یاں رہے چپ
جب ہم نے کہا نظیر اس سے ہم رہنے کے یاں نہیں لگے چپ
سو چپ تو کبھی چمن میں اے جاں
بلبل نے کئے ہیں چہچہے چپ

کھل گیا رخسار اس کا جس گھڑی کاکل سمیت
حسن کے گلشن کا دیکھا ہم نے گل سنبل سمیت
ہم کو دیکھا باغ میں اس نازنیں کے ساتھ جب
ہو گئی محو نگاہ رشک بلبل گل سمیت
بزم میں اس کی بہار چشم مے گوں دیکھ کر
کیا کہوں کیا کیا ہوا مدہوش ساقی مل سمیت

اس کے بازو کی لچک سے لگ کے یوں ہلتا ہے دل
جس کی جنبش پر فدا ہو شاخ گل بلبل سمیت

خوش ہوا دل میں وے ناخوش وہ ظاہر میں نظیرؔ
آ گیا اس کی نظر جب ہاتھ میرا گل سمیت

قمر نے رات کہا اس کی دیکھ کر صورت
کہ میں غلام ہوں اس شکل کا بہر صورت

ہیں آئینے کے بھی کیا طالع اب سکندر وا
کہ اس نگار کی دیکھے ہے ہر سحر صورت

عجب بہار ہوئی کل تو وقت نظارہ
جو میں اِدھر کو ہوا اُس نے کی اُدھر صورت ق

اُدھر کو جب میں گیا اسنے لی اِدھر کو پھیر
پھرا میں اسنے پھرائی جدھر جدھر صورت

ہزاروں پھرتیاں میں نے تو کیں پر اسنے نظیرؔ
نہ دیکھنے دی مجھے اپنی آنکھ بھر صورت

صورت کبھی دکھلائی تو اس میں بھی لگاوٹ
باتوں کی جو ٹھہرائی تو اس میں بھی لگاوٹ

آتے نہیں اول تو کہیں، اور کہیں شاید
تشریف جو فرمائی تو اس میں بھی لگاوٹ

جس بات میں کچھ رمز تھی اور ہم جو نہ سمجھے
وہ ہم کو جو سمجھائی تو اُس میں بھی لگاوٹ

بوسے کا جو اقرار کیا وہ بھی فقط جہل
اور ہنس کے قسم کھائی تو اس میں بھی لگاوٹ

ہنسنے میں نظیرؔ اس کے لگاوٹ تو ہی لیکن
ابرو میں جو چیں آئی تو اس میں بھی لگاوٹ

دے کے دل بے مہر کو کرنا گلا یہ بھی عبث
اور جو کہیے اس سے مت کر تو جفا یہ بھی عبث

دام میں پھنس کر غلط فہمی ہی کہنا چھوڑ دو
پھر جو یہ کہیے نہ کیجے اب رہا یہ بھی عبث

ہوں جو بے درد ان سے کیا رکھیے توقع لطف کی
کچھ اگر رکھیے تو پھر ہوتا ہی کیا یہ بھی عبث

سن کے خواہش بوسہ و دشنام کی بولا وہ شوخ
یہ تمنا بھی ہی بیجا مدعا یہ بھی عبث

جب نہ ہو دشنام کے دینے کے لائق تو نظیرؔ
پھر جو بوسے کے لئے تو نے کہا یہ بھی عبث

اس کے تشریف جو لانے کی خبر پائی آج
دل نے کی پھر ہوس انجمن آرائی آج

کیوں نہ جوں جام ہنسیں ہم کہ بہت دن میں ہیں
اپنے دلخواہ بھرا گنبد مینائی آج

ہو گئی باغ میں عطریت سنبل برباد
نکہت اس زلف کی لے کر جو صبا آئی آج

اس کے کوچے کی طرف جانے میں ہم نے ہمدم
ق
امتحاں کو جو ذرا دیر کی ٹھیرائی آج

شام نزدیک جب آئی تو کہا اس نے نظیرؔ
کیا سبب ہی نہیں آیا جو وہ سودائی آج

کی تم نے جفا ہم نے وفا جھوٹ ہی یا سچ
سوچو تو اسے دل میں ذرا جھوٹ ہی یا سچ

غصہ بھی کیا دُکھ بھی دئے تم نے ولیکن
چپ ہو رہے ہم سر کو جھکا جھوٹ ہی یا سچ

تم ہم سے کئی بار خفا ہو گئے اے جان
پر ہم نہ ہوئے تم سے خفا جھوٹ ہی یا سچ

جو تم نے کہا اس کے بجا لانے میں ہم نے
اک لحظہ توقف نہ کیا جھوٹ ہی یا سچ

سن کر یہ نظیر اس نے کہا ہنس کے بصد ناز
جانے اسے اب میری بلا جھوٹ ہی یا سچ

آرسی نے ایسی دیکھی حسن میں کس کی طرح
جو کھلی ہی رہ گئی آنکھ اس کی نرگس کی طرح

محفل خوباں میں آیا جس گھڑی وہ مہ جبیں
ہو گئی وہ انجمن انجم کی مجلس کی طرح

دیکھ کر حیرت زدہ محبوب نے مجھ سے کہا
ق
دے نشاں اس کا تو اب حیرت میں ہی جس کی طرح

جب نہ میں کچھ کہہ سکا تب ہنس کے اپنے ناز سے
رکھ کے آئینے پر انگلی یوں کہا اس کی طرح

جس کو کہتے ہیں نگاہ لطف خوباں اے نظیر
ہی وہ مثل کیمیا ہم منتظر مس کی طرح

ہم تو ہو جائیں اس سے اب گستاخ   ہونے دے گا مگر وہ کب گستاخ
ایک شب ہم نے بے قراری سے   ق   چھو لی زلف اس کی ہو کے جب گستاخ

لاکے ابرو پہ چیں کہا اسنے نکلے تم تو کوئی عجب گستاخ
ہم تو اس کی بہت سزا دیں گے کس لئے تم ہو بے ادب گستاخ
آج تو زلف چھولی تم نے نظیر
کل یونہی چوم لوگے لب گستاخ

درپَے ہیں دل اپنے کے ادھر عشوہ گرے چند
خواہندۂ یک جاں ہیں ادھر مو کمرے چند
کیا کیا مگس ہوش کے باندھے ہیں پر و بال
کر کر کے شکر خندہ بہم لب شکرے چند

اک دن یہ ہوا عزم کہ با صد طرب و عیش
ق
گلشن میں بسر کیجئے شام و سحرے چند
جب گھر سے چلا میں تو ملے راہ میں اک جا
حیرت زدہ و خستہ و خونیں جگرے چند

دیکھا جو مجھے سوئے چمن گرم تگ و پو
یوں لب سے کئے پند کے افشاں گہرے چند
اے یار تو جاتا ہی چمن میں تو خبردار
جلدی ہی نکل آئیو کر کے نظرے چند

واں آج تو البتہ مہیا ہیں ہر سو
داؤدی و نسرین و گل و برگ و برے چند
کل برگ خزاں دیدہ نظیر اس میں اُڑیں گے
اور ہوں گے پڑے بلبل و قمری کے پرے چند

تو ہی نہ سنے جب دل ناشاد کی فریاد
پھر کس سے کریں ہم تری بیداد کی فریاد

تیشے کی وہ کھٹ کھٹ کا نہ تھا غلغلہ یارو
کی غور تو وہ تھی دل فرہاد کی فریاد

کل رات کو اس شوخ کی جا کر پس دیوار
اک درد فراہم نے جو بنیاد کی فریاد

سنتے ہی کہا اس نے کہ ہاں دیکھو تو اس جا
کس نے یہ بلکتی ہوئی ایجاد کی فریاد

فریاد نظیر آگے ہی اس کے ہو بہت خوب
واں دیکھنے کا دیکھنا فریاد کی فریاد

ہو کچھ آسیب تو واں چاہیئے گنڈا تعویذ
اور جو ہو عشق کا سایہ تو کرے کیا تعویذ

دل کو جس وقت یہ جن آن کے لپٹا پھر تو
کیا کریں واں وہ جو لکھتے ہیں فلیتا تعویذ

ہم تو جب ہوش میں آویں جو کہیں سے پاویں
یار کے ہاتھ کا بازو کا گلے کا تعویذ

زور تعویذ کا چلتا تو عرب میں یارو
کیا کوئی ایک بھی مجنوں کو نہ دیتا تعویذ

کوہکن کوہ کو کس واسطے کاٹا کرتا
دیتے غم خوار نہ کیا اس کے تئیں لا تعویذ

آخر اس کے بھی گیا دل کا دھڑکنا اس روز
قبر کا تیشے نے جب اس کے تراشا تعویذ

ہم کو بھی کتنے ہی لوگوں نے دئے آہ نظیر
پر کسی کا کوئی کچھ کام نہ آیا تعویذ

بسمل کے گلے کی نہیں تدبیر کوئی اور
جز یہ کہ لگا جایئے شمشیر کوئی اور
یوں چھوڑ کے زخمی جو ہمیں جاتے ہو تم آہ
کیا ترکش مژگاں میں نہیں تیر کوئی اور

اس لطف سے جز موئے قلم مانیٔ تقدیر
کیا تاب جو کھینچے تری تصویر کوئی اور
بندے کے قلم ہاتھ میں ہوتے تو غضب تھا
صد شکر کہ ہے کاتب تقدیر کوئی اور

غنچہ بھی تری تنگدلی دیکھ نظیرؔ آہ
کہتا ہے کہ ایسا نہیں دلگیر کوئی اور

یوں آئینے میں عارض تر آئے ہے نظر
پانی میں جیسے عکس قمر آئے ہے نظر
حسن صفا سے اس رخ آئینہ رشک پر
ٹھیرے ہے کب نظر وہ اگر آئے ہے نظر

کاری وہ زخم سینہ مرا ہے کہ جھانک کر
دیکھے اگر کوئی تو جگر آئے ہے نظر
رہنے کو اپنے ہم نے جو سوچا تو ہمنشیں
دونوں جہاں میں اس کا ہی در آئے ہے نظر

بھولے ہم اس کے کوچے کو جنت میں کب نظیرؔ
اپنا ہزار کوس سے گھر آئے ہے نظر

رکھی ہرگز نہ ترے رخ نے رخ بدر کی قدر
کھوئی کاکل نے بھی آخر کو شب قدر کی قدر

عزت و قدر کی اس گل سے توقع ہی عبث
واں نہ عزت کی کچھ عزت ہی نہ کچھ قدر کی قدر

راستی خوار ہی اس چشم فسوں پرور سے
ہاں مگر منزلت مکر ہی اور غدر کی قدر

مے پرستوں میں ہی یوں ساغر و مینا کا وقار
جیسے اسلام میں ہو محتسب و صدر کی قدر

کفش برداری سے اس مہر کی چمکا ہی نظیر
ورنہ کیا خاک تھی اس ذرۂ بیقدر کی قدر

دھواں کلیجے سے میرے نکلا جلا جو دل بس کہ رشک کھا کر
وہ رشک یہ تھا کہ غیر سے ٹک ہنسا تھا چنچل ہنسی لگا کر
فقط جو چتوں پہ غور کیجے تو وہ بھی وہ سحر ہی کہ جس کا
کرشمہ بندہ، غلام غمزہ، دغائیں نوکر، فریب چاکر
خرام کی ہی وہ طرز یارو کہ جس میں نکلیں کئی ادائیں
قدم جو رکھنا تو تن کے رکھنا جو پھر اٹھانا تو ڈگمگا کر
لٹک میں بندوں کی دل جو آوے تو خیر بندے ہی اسکو لیں
وگرنہ آوے تو پھر نہ چھوڑے ادھر سے بالا جھمک دکھا کر
مجال کیا ہی جو دو بدو ہو نظر سے کوئی نظر لڑا دے
مگر کسی نے جو اس کو دیکھا تو سو خرابی سے چھپ چھپا کر
سنے کسی کے نہ درد دل کو وگر سنے تو جھڑک کے اس کو
یہ صاف کہدے تو کیا بلا ہی جو سر پھراتا ہی ناحق آکر
نظیر وہ بت ہی دشمن جاں نہ ملیو اس سے تو دیکھ ہرگز
وگر ملا تو خدا ہی حافظ، بچے ہیں ہم بھی خدا خدا کر

ناز میں اس نازنیں نے جب لیا منہ ہم سے موڑ
دل نے چاہا کھا کے بل دے رشتۂ الفت کو توڑ
ہم نے جب مارا طمانچہ دل کے اور گردن پکڑ
دی جھکا اور یوں کہا تو ان کے قدموں کو نہ چھوڑ

گر نہ سمجھا آج تک تو اب سمجھ اے بیوقوف
یہ تو تجھ کو ایک ہیں اور ان کو تجھ سے ہیں کروڑ
دم میں گھبراتا پھرے گا یاد رکھ اس بات کو
کل نہیں پڑنے کی ایسی ایک کل دیں گے مروڑ
کر یہی جلدی تو اس دم تجھ سے کہتا ہے نظیر
سر جھکا تقصیر بخشا، پاؤں پڑ اور ہاتھ جوڑ

جو آوے منہ پہ ترے ماہتاب ہے کیا چیز
غرض یہ ماہ تو کیا آفتاب ہے کیا چیز
یہ پیرہن میں ہے اس گورے گورے تن کی جھلک
کہ جس کے سامنے موتی کی آب ہے کیا چیز
بھلا دیں ہم نے کتابیں کہ اُس پریرو کے
کتابی چہرے کے آگے کتاب ہے کیا چیز
تمھارے ہجر میں آنکھیں ہماری مدت سے
نہیں یہ جانتیں دنیا میں خواب ہے کیا چیز
نظیر حضرت دل کا نہ کچھ کھلا احوال
میں کس سے پوچھوں یہ ندرت مآب ہے کیا چیز
خدا ہی جانے
جو سخت ہو وے تو ایسا کہ کوہ آہن کا
جو نرم ہو وے تو برگ گلاب ہے کیا چیز

گھڑی میں سنگ گھڑی موم اور گھڑی فولاد
خدا ہی جانے یہ عالی جناب ہی کیا چیز
گروہ مژہ ہو مائل جنگ پرطاؤس
تو سہم سے بے پر ہو خدنگ پرطاؤس

یوں زلف معنبر کے خط سبز ہی نزدیک
گویا پر طوطی ہی بچنگ پرطاوس
دکھلاویں جو ہم داغ دل اپنے کی سیاہی
پرواز کرے خوف سے رنگ پرطاوس
دیکھے جو ترے عاشق گل خوردہ کی تصویر
حیرت زدہ ہو دیدۂ تنگ پرطاوس
لکھ لکھ کے نظیرؔ اس غزل تازہ کو خوباں
رکھ لیں گے کتابوں میں برنگ پرطاؤس
ہم ایسے کب تھے کہ خود بدولت یہاں بھی کرتے قدم نوازش
مگر یہ اک اک قدم پر ای جاں فقط عنایت کرم نوازش
کہاں یہ گھر اور کہاں یہ دولت جو آپ آتے ادھر کو ای جاں
جو آن نکلے ہو بندہ پرور تو کیجیے اب کوئی دم نوازش
لگا کے ٹھوکر ہمارے سر پر بلا تمھاری کرے تاسف
کہ ہم تو سمجھے ہیں اس کو دل سے تمھارے سر کی قسم نوازش
جواب مانگا جو نامہ بر سے تو اس نے کھا کر قسم کہا یوں
زبان قلم ہو جو جھوٹ بولے کہ واں نہیں یک قلم نوازش
اٹھاویں ناز ان کے ہم نہ کیونکر نظیرؔ دل سے کہ جن کے ہوویں
جفا تلطف، عتاب شفقت، غضب توجہ، ستم نوازش

ہے تو کہنے کو ہر کہیں اخلاص — لیک مشکل ہے ہمنشیں اخلاص
اس کی باریکیاں وہی جانے — ہو وے جس شخص کے تئیں اخلاص
رشک سے ایک غیر نے اس کو — ق — اپنے دل کا جتا وہیں اخلاص
یوں کہا تم نظیر سے اے جاں — دل سے رکھتے ہو یا یوں ہی اخلاص
اس نے اخفائے راز کو میرے — منہ سے کس کے سنا جو ہیں اخلاص
یوں کہا ایسے پوچ لوگوں سے — کوئی رکھتے ہیں نازنیں اخلاص

اس کو ہو کچھ تو خیر وہ جانے
ہم کو تو اس سے کچھ نہیں اخلاص

کہیے کہاں تک ہمیں تم سے ہے جو جو غرض
کچھ نہ اگر ہو سکے منہ سے تو بولو غرض

چشم سے ہم نے کہا لیجئے دل کے تئیں
اس نے نشے میں کہا او میاں کس کو غرض

یار نے ہم سے کہا کچھ ہے تمنا تمہیں
ق
ہم نے کہا جی بہت پر ہے یہ اب تو غرض

پہلے تو اک بوسہ دو پھر ہمیں دشنام دو
اس گھڑی بر لائیے آپ یہی دو غرض

جب یہ سنا یار نے ہنس دیا اور یوں کہا
تم بھی نظیر اب تو میاں خوب کوئی ہو غرض

جب ہم نے اسے رقم کیا خط — جھپ نامہ رساں نے لے لیا خط
جاتے ہی دیا جو اس صنم کو — اس نے وہیں پڑھ کے لکھ دیا خط
آیا جو وہ نامہ بر تو ہم نے — خوش ہو کے بہت طلب کیا خط
جب اس نے کہا نظیر ہنس کر — تھا لطف کی وہ جو کیمیا خط

تعویذ شفائے دل سمجھ کر
میں نے ہی وہ دھو کے پی لیا خط

رہا سہہ کر ملال خوش محظوظ
دل سے ہم ہیں کمال خوش محظوظ
خم ابرو سے اس کے ہو تشبیہ
کیوں نہ ہو پھر ہلال خوش محظوظ
خوش نگاہوں کو سن کے آہو چشم
دشت میں ہیں غزال خوش محظوظ
خوب دیکھا تو گل سے بلبل کا
دل ہی گل کی مثال خوش محظوظ
ہی یہی خوب یار سے جو نظیر
رہیئے فی کل حال خوش محظوظ

ہی ترا رخ بھی تجلی میں کچھ اس نور کی شمع
دیکھ جس نور کو کافور ہو کافور کی شمع
چشم بد دور اسی رخ سے ہوئی تھی روشن
مشعل وادی ایمن، شجر طور کی شمع
ہر شب مہ میں وہ رخشاں ترے عارض کی جھلک
جس کے پرتو سے خجل ہو شب دیجور کی شمع
آفریں ہی دل پروانہ کو جس نے جل کر
حسن کے گرمئی بازار میں مشہور کی شمع
آیا نزدیک جو محفل کے وہ مہ رات نظیر
اہل محفل نے خجل ہو کے وہیں دور کی شمع

کی جفا اس نے مہر کہہ کے دریغ
کیوں رہے دل ہم یہ کیسے بہکے دریغ
وہ تو ہنستا ہی اور ہمارے آہ
آئے دامن تک اشک بہہ کے دریغ

کیا کریں اب تو آگئے ای دل
مُل میں اس شوخ رشک مہ کے دریغ
کتنے دن ہم بھی منہ لگے اُس کے
پھر معاتب ہوئے نگہ کے دریغ
مثل خس جا کے روئے بحر نظیر
آ لگے پھر کنارے بہہ کے دریغ

کان میں اس کے نہیں لعل و گہر دونوں طرف
چھد رہے ہیں کان و دریا کے جگر دونوں طرف
بزم میں اس یار کی ہم ہیبت اغیار سے
دیکھتے تو ہیں پہ رہتی ہے نظر دونوں طرف
خوف بد نامی کا اس کو ہے تو ہے ہم کو بھی آہ
یہ وہ ٹھیری ہے مثل جو ایک ڈر دونوں طرف
اشک سے یاں چشم تر واں چشم نم سرمے سے ہے
چاہ رکھتی ہے غرض اپنا اثر دونوں طرف
غور سے دیکھا تو کیا کیا دل کی مچھلی کے نظیر
گھات میں رہتے ہیں ہالے کے گہر دونوں طرف

دیکھا جو ہمیں اس نے لگا پاؤں سے تا فرق
ہنس کر یہ کہا قیس میں اور اس میں ہے کیا فرق
وہ دست وہ پا اس کے حنا بستہ جو دیکھے
ق پھر دست میں اور پا میں ہمیں کچھ نہ رہا فرق
کل ہنس کے نظیر اس نے کہا ناز میں ہم سے
کچھ بوسہ و دشنام میں بھی تم نے کیا فرق

جو چاہو سو ہم دیویں تمہیں ہم نے کہا جب
دونوں کی حلاوت میں نہیں ہم کو ذرا فرق

گو لطف سے دینے کو کہا آپ نے ہم کو
پر کہنے میں اور کرنے میں اہو جان ہے بڑا فرق

مے خوردہ جو دیکھا اسے آتے ہوے در تک
دشوار ہے پہنچا ہوا اپنے ہیں گھر تک

پردہ جو اٹھا اس رخ تاباں سے تو دیکھا
اک جوش تجلی تھا عیاں حد نظر تک

مت زلف کو دیکھ اس کی نڈر ہو کے تو ای دل
یہ بارسیہ ہے اسے پر خوف و خطر تک

ہجراں میں ہوئی رات ہیں طرفہ اذیت
ق جب لیل کی لیلا کے گئی زلف کمر تک

ٹک آنکھ لگی تھی کہ وہیں خواب میں یارو
ہم اشک فشاں پہنچے جو اس رشک قمر تک

عزم اس نے کیا پونچھئے اشک اس کے بصد مہر
وہ دست نگاریں گئے جب دیدۂ تر تک

چشم اپنی گئی کھل جو نظیر اسیں تو پھر ہم
ملتے کف افسوس رہے وقت سحر تک

یار کے کاکل نے دل ہم سے لیا اور الگ
چشم فسوں گر نے بھی سحر کیا اور الگ

آن دکھا کر قریب ہو گئے یکسو وہیں
غمزۂ خونخوار نے خوں بھی پیا اور الگ

تیر نگہ کے تئیں یاد وہ انداز ہیں
سینے میں عشاق کے دل کو سیا اور الگ
ناز، قرار و خرد لے کے گیا پھر نکر
تیغ نے ابرو کے بھی وار کیا اور الگ
نشتر مژگاں کی واہ کیا کہوں پھرتی نظیر
ہی جو رگ دل اسے چھیڑ دیا اور الگ

جھمک
دکھا کر اک نظر دل کو بنہایت کر گیا بیکل
پری رو، تند خو، سرکش، ہٹیلا، چلبلا، چنچل
وہ عارض اور جبیں تاباں کہ ہوں دیکھ اسکو شرمندہ
قمر، خورشید، زُہرہ، شمع، شُعلہ، مُشتری، مشعل

کفوں میں، اُنگلیوں میں، لعل لب میں، چشم میگوں میں
حنا، آفت، ستم، فندق، مسی، جادو، فسوں، کاجل
بدن میں جامۂ زرکش، سراپا جس پہ زیب آور
کڑے، بُندے، چھڑے، چھلے، انگوٹھی، نورتن، ہیکل

نزاکت اور لطافت وہ کف پا تک کہ حیراں ہوں
سمن، گل، لالہ، نسریں، نسترن، دُر، پرنیاں، مخمل
سراسر پر فریب ایسا کہ ظاہر جس کی نظر دل سے
شرارت، شوخی، عیاری، طرح، پھرتی، دغا، چھبل

نظیر اک عمر عشرت ہو، ملے ایسا پری پیکر
اگر اک آن، اگر اک دم، اگر اک چھن، اگر اک پل
جو دل کو دیکھے تو دل میں خوش ہو کرے کس کس طرح سے ہلچل
اگر نہ دیکھے تو وہیں کیا کیا جتاوے خفگی، عتاب، اکڑ، بل

اگر یہ کہیے کہ ہم ہیں بیکل تو ذرا گلے مل تو ہنس کے ظالم
دکھاوے ہیکل اُٹھا کے، یعنی بلا سے میری، مجھے تو ہی کل

جو اس بہانے سے ہاتھ پکڑیں کہ دیکھ دل کی دھڑک ہمارے
تو ہاتھ جھپ سے چھڑا لے کہہ کر مجھے نہیں ہے کچھ اسکی اٹکل

جو چھپ کے دیکھیں تو تاڑ جاوے، وگر صریحاً تو دیکھ پھرتی
کہ آتے آتے نگاہ رخ تک چھپا لے منہ کو الٹ کے آنچل

کرے جو وعدہ تو اس طرح کا کہ دل کو سنتے ہی ہو تسلی
جو سوچیے پھر تو کیسا وعدہ، فقط بہانہ، فریب اور چھل

جو دل کو بوسے کے بدلے دیجے تو ہنس کے لیلے بہت خوشی سے
جو بوسہ مانگو تو پھر یہ نقشا کبھی تو آج اور کبھی ہے کل

نہ جل میں آوے نہ پھر سکے نکلے نہ پاس بیٹھے نظیر اک دم
بڑا ہی پرفن، بڑا ہی سیانا، بڑا ہی شوخ اور بڑا ہی چنچل

رہ کے خاموش خوش آئے بت گلفام کو ہم
سیکھے ہیں بلبل تصویر سے اس کام کو ہم

لذت آن و ادا لینے کو ہیں اور یہی آہ
ناز بردار دل میں اس کے ہیں فقط نام کو ہم

میکدے سے نہ نکالو ہمیں اے بادہ کشاں
لب محبوب سمجھتے ہیں لب جام کو ہم

جس سے کرتے ہیں بتاں بعد جفا مہر و وفا
رشک سے تکتے ہیں اس نیک سرانجام کو ہم

چھوٹ کر دام سے اس کاکل مشکیں کے نظیر
یاد کرتے ہیں اسیری کے اب آرام کو ہم

ہر آن تمہارے چھپنے سے ایسا ہی اگر دکھ پائیں گے ہم
تو ہار کے اک دن اس کی بھی تدبیر کوئی ٹھہرائیں گے ہم
بیزار کریں گے خاطر کو پہلے تو تمہاری چاہت سے
پھر دل کو بھی کچھ منت سے کچھ ہیبت سے سمجھائیں گے ہم

گر کہنا دل نے مان لیا اور رُک بیٹھا تو بہتر ہے
اور چین نہ لینے دیوے گا تو بھیس بدل کر آئیں گے ہم
اول تو نہیں پہچانو گے اور لو گے بھی پہچان تو پھر
ہر طور سے چھپ کر دیکھیں گے اور دل کو خوش کر جائیں گے ہم

گر چھپنا بھی کھُل جاوے گا تو مل کر افسوں سازوں سے
کچھ اور ہی لٹکا سحر بھرا اس وقت بہم پہنچائیں گے ہم
جب وہ بھی پیش نہ جاوے گا اور شہرت ہووے گی پھر تو
جس صورت سے بن آوے گا تصویر کھنچا منگوائیں گے ہم

موقوف کرو گے چھپنے کو تو بہتر ورنہ نظیرؔ آسا
جو حرف زباں پر لائیں گے پھر وہ ہی کر دکھلائیں گے ہم

تدبیر ہمارے ملنے کی جس وقت کوئی ٹھہراؤ گے تم
ہم اور چھپیں گے یہاں تک جی جو خوب ہی پھر گھبراؤ گے تم
بیزار کرو گے دل ہم سے یا منت در سے روکو گے
وہ دل تو ہمارے بس میں ہے کس طور اسے سمجھاؤ گے تم

گر جادو منتر سیکھو گے تو سحر ہماری نظروں کا
اس کوچے میں بٹھلا دیں گے پھر کہیے کیونکر آؤ گے تم
گر چھپ کر دیکھنے آؤ گے ہم اپنے بالاخانے کے
سب پردے چھوڑے رکھیں گے پھر کیونکر دیکھنے پاؤ گے تم

گر جادو منتر سیکھو گے تو سحر ہماری نظروں کا
تاثیر کو اس کی کھو دے گا کچھ پیش نہیں لیجاؤ گے تم

تصویر اگر منگواؤ گے تو دیکھ ہماری صورت کو
حیران مصور ہو وے گا پھر رنگ کہو کیا لاؤ گے تم

جس وقت نظیر ان باتوں کی ہم خوب کریں گے ہشیاری
جو حرف زباں پر لاؤ گے تم پھر کیونکر گرد کھلاؤ گے تم

آج تو ہمدم عزم ہے یہ کچھ ہم بھی رسمی کام کریں
کلک اٹھا کر یار کو اپنے نامۂ شوق ارقام کریں

خوبی سے القاب لکھیں آداب بھی خوش آئینی سے
بعد اس کے تحریر مفصل فرقت کے آلام کریں

یا وہ آوے آپ ادھر یا جلد بلا وے ہم کو وہاں
اس مطلب کے لکھنے کو بھی خوب نیاز انجام کریں

حسن زیادہ آن موثر ناز کی شوخی ہو وہ چند
ایسے کتنے حرف لکھیں اور ملنے کو اتمام کریں

اک ہمدم سنکر یوں بولا یہ تو تمھیں ہے فکر عبث
عقل جنہیں ہے وہ تو نہ ہرگز ایسا خیال خام کریں ۴

اس میں بھلا کیا حاصل ہوگا سوچ تو دیکھو میاں نظیر
وہ تو خفا ہو پھینک دے خط اور لوگ تمھیں بدنام کریں

[illegible]

خوباں تمہارے آگے جو نام جمال لیں
دامن سے لگ کے منہ کو گریباں میں ڈال لیں

تیر نگہ لگا کے نہ کھینچو بھوؤں کی تیغ
پھر کھینچتا ہم اس کے تو پیکان نکال لیں

دل ناوک نگاہ پیا پی سے گر چلا
فرصت جو کچھ بھی دو تو ہم اسکو سنبھال لیں
رو کے ہی رکھیئے ٹک صف مژگاں کی نوک جھوک
ہم طاقت اپنے دل کی زرا دیکھ بھال لیں

دل ہم تو دیکھ چکے ہیں بتوں کو میاں نظیر
میلا رکھیں یہ اس کے تئیں یا اُجال لیں

وہ چاندنی میں جو ٹک سیر کو نکلتے ہیں
تو مہ کے طشت میں گھی کے چراغ جلتے ہیں
پڑے ہوس ہی ہوس میں ہمیشہ گلتے ہیں
ہمارے دیکھیئے ارمان کب نکلتے ہیں

ہجوم آہ ہی آنکھوں سے اشک ڈھلتے ہیں
بھرے تھے چاؤ جو دل میں سویوں نکلتے ہیں
چراغ صبح یہ کہتا ہی آفتاب کو دیکھ
یہ بزم تم کو مبارک ہو ہم تو چلتے ہیں
برنگ اشک کبھی گر کے ہم نہ سنبھلے آہ
ہی کہا کیئے جی میں کہ اب سنبھلتے ہیں
نکالتا ہی نہیں پھر وہ اپنے کوچے سے
ابھی تو نکلے نہیں ہیں، پر اب نکلتے ہیں

فدا جو دل سے ہی ان شوخ سبزہ رنگوں پر
یہ ظالم اس کی ہی چھاتی پہ مونگ دلتے ہیں
ق
ہوا نحیف بھی یاں تک کہ حضرت مجنوں
یہ مجھ سے کہتے ہیں اور ہاتھ اپنے ملتے ہیں

یارؔ

کوئی تو پگڑی بدلتا ہی اَور سے لیکن
میاں نظیرؔ ہم اب تم سے تن بدلتے ہیں

جب اس کا اِدھر ہم گزر دیکھتے ہیں
تو کر دل میں کیا کیا حذر دیکھتے ہیں

اِدھر تیر چلتے ہیں ناز و ادا کے
ادھر اپنا سینہ سپر دیکھتے ہیں

ستم ہی کن انکھیوں سے گر تاک لیجے
غضب ہی اگر آنکھ بھر دیکھتے ہیں

نہ دیکھیں تو یہ حال ہوتا ہی دل کا
کہ سو سو تڑپ کے اثر دیکھتے ہیں

جو دیکھیں تو یہ جی میں گزرے ہی خطرہ
ابھی سر اڑے گا اگر دیکھتے ہیں

مگر اس طرح دیکھتے ہیں کہ اس پر
یہ ثابت نہ ہو جو اِدھر دیکھتے ہیں

چھپا کر، دغا کر، نظیرؔ اس صنم کو
غرض ہر طرح اک نظر دیکھتے ہیں

مژگان وہ جھپکتا ہی اب تیر ہی اور میں ہوں
سر یا دل سے بھدنے کی تصویر ہی اور میں ہوں

کہتا ہی وہ کل تیرے پرزے میں اڑاؤں گا
اب صبح کو قاتل کی شمشیر ہی اور میں ہوں

بے جرم و خطا جس کا خوں ہووے سے روا یارو
اس خوبیٔ قسمت کا نخچیر ہی اور میں ہوں

ہے قتل کی دھن اس کو اور میری نظر حق پر
تدبیر ہے اور وہ ہے تقدیر ہے اور میں ہوں
دل ٹوٹا نظیر اب تو دو چار برس روکر
اس قصر شکستہ کی تعمیر ہے اور میں ہوں

صفا جو اس کی جھلکتی ہے گورے سینے میں
چمک کہاں ہے وہ : لماس کے نگینے میں
بناؤ کر کے وہ کہتے ہیں لو ہم آتے ہیں
بلا سے اب جو خلل ہو کسی کے جینے میں

کبھی جھمک کبھی بس بس کبھی پیالہ پٹک
وہ ناز کرتے ہیں کیا کیا شراب پینے میں
ق
پڑا جو ہاتھ نظیر اس کے سینے پر اک دم
تو بولے واہ لگے آگ اس قرینے میں
اگر یونہی ہے تو ہر روز ہم نہ آویں گے
جو آ گئے بھی تو ہفتے میں یا مہینے میں

چمن میں جب سے لب اس غنچہ لب نے کھولے ہیں
گلوں کے پہلو میں غنچے نہیں پھپھولے ہیں
یہ مہر و مہ جو نشیب و فراز میں گرداں
تمہارے باغ میں ایسے کئی ہنڈولے ہیں

تُلا نہ حسن تمہارا، وگرنہ میزاں میں
فلک پہ شمس و قمر لاکھ بار تولے ہیں
ہمارے قطرۂ اشک اس کی سرد مہری سے
کسی زمانے میں موتی تھے اب تو اولے ہیں

وہ سنگدل جو نہ بولا تو کیا تعجب ہے
میاں نظیر کہیں بت بھی منہ سے بولے ہیں

کل نظر آیا چمن میں اک عجب رشک چمن
گلرخ و گلگوں قبا و گلعذار و گلبدن

مہر طلعت، زُہرہ پیکر، مشتری رو، مہ جبین
سیمبر، سیماب طبع و سیم ساق و سیم تن

تیر قد، نشتر نگہ، مژگاں سناں، ابرو کماں
برق تاز و رزم ساز و نیزہ باز و تیغ زن

زُلف و کاکل خال و خط چاروں کے یہ چاروں غلام
مُشک تبت مُشک چیں مُشک خطا مُشک ختن

نازنیں، ناز آفریں، نازک بدن، نازک مزاج
غنچہ لب رنگیں ادا سیمیں ذقن شیریں دہن سمن

بے مروت بے وفا بے درد بے پروا خرام
جنگجو قتال وضع و تند خو و دل شکن رفراز و سر افگن

روش و بر و دنداں و لب چاروں سے یہ چاروں خجل
نسترن برگ سمن در عدن لعل یمن

سختی و بے رحمی و ظلم و جفا اس شوخ کے
معتمد، موصی الیہ و مستشار و موتمن

مبتلا ایسے ہی خونخواروں کے ہوتے ہیں نظیر
بے قرار و دل فگار و خستہ حال و بے وطن

نہ دیویں ہم تو دل اپنا کبھی بتوں کے تئیں
پر ان کے حسن کے آگے کچھ اختیار نہیں

ق

نظیر ایک دن اس تند خو سے میں نے کہا
یہ فارسی میں کہ اے مہ عذار و زہرہ جبیں
چہ کردہ ام کہ نگاہے بحال من نہ کنی
چہ گفتہ ام کہ نگوئی دمے بیا بنشیں
بجز جفا و تعدی نمے کنی بر من
نگہ عتاب قریں داری و جبیں پرچیں
دلم برائے ہمیں بردہ کہ ظلم کنی
شنید و گفت دلے بردہ ام برائے ہمیں

دور سے منہ کو دکھا جاوے تو کچھ دور نہیں
اپنے منظور کو یہ بات بھی منظور نہیں
تاک کر سنگ نہ پھینکو کہ مرے سینے میں
دل پر اک آبلہ ہی خوشۂ انگور نہیں
اک تبسم ہی بتوں کا مری صحت کی دوا
پر وہ شوخی سے یہ کہتے ہیں تو رنجور نہیں
ان کا گورا وہ بدن ہی کہ برابر اس کے
سیم خالص نہیں موتی نہیں بلور نہیں
حسن میں اس در یکتا سے جو ہمتا ہو نظیر
آدمی کیا کہ پری کا بھی یہ مقدور نہیں

دل میرا ایک تبسم پر کچھ اور رہا ای جان نہیں
گر ہنس دیجیے اور لے لیجیے تو فائدہ ہی نقصان نہیں
یہ ناز ہی یا استغنا ہی یا طرز تغافل ہی یارو
جو لاکھ کوئی تڑپے سسکے فریاد کرے کچھ دھیان نہیں

جب سنتا ہی احوال مرا یوں کہتا ہی عیاری سے
ہی کون وہ اس سے ہم کو تو کچھ جان نہیں پہچان نہیں
کچھ بن نہیں آتا کیا کیجیے کس طور سے ملئے اے ہمدم
وہ دیکھ ہمیں رک جاتا ہی اور ہم کو چین اک آن نہیں
تر دیکھ کے میری آنکھوں کو یہ بات سناتا ہی ہنس کر
ہیں کہتے جس کو چاہ میاں وہ مشکل ہی آسان نہیں
دل پھنس کر اس کی زلفوں میں تدبیر رہائی کی مت کر
کب چھوٹا اس کے دام سے تو وہ دانا ہی نادان نہیں
زنہار نہ رکھیو دل میں نظیرؔ اس لب سے توقع بوسے کی
گر بھولے سے بھی یار تجھے دشنام وہ دے امکان نہیں
کیا دل لگاویں مہرباں ہم حسن صورت سے کہیں
سئے واں ثبات اس سے ہم نے یاں قیام اپنے تئیں
تھا اک مکان دلکشا رشک چمن جس کی فضا
تھی اس جگہ رونق فزا رقاصہ شوخ اک نازنیں
قد حسرت سرو چمن لب غیرت لعل یمن
جعد عنبر پُرشکن نوک مژہ نشتر قریں
دیکھ اس کے رقصوں کی ادا دل رقص میں تھے جابجا
نغمات یکسر سحر زا انداز کل جادو گزیں
ناز و ادا کی گرمیاں غارت گر صبر و تواں
طور تکلم درفشاں طرز تبسم شکر بیں
کیا کیا لگاوٹ سے بدل کیا کیا رکھاوٹ بر محل
کیا کیا بناوٹ پل بہ پل کرتی تھی وہ زہرہ جبیں

گردوں نے اک گردش جو کی نزار و عجوزہ ہو گئی
وہ نوجوانی تازگی دیکھی تو کوسوں تک نہیں
وہ گل سا مکھڑا زرد ہے گرمی کا عالم سرد ہے
جاں رنج سے پر درد ہے آزردہ دل اندوہگیں
جوں بید لرزاں دست و پا ہے جائے چوب گل عصا
ہر مو جو سنبل رشک تھا یکسر ہے برگ یاسمیں
نے چشم میں مستی رہی نے خو میں وہ تندی رہی
نے لب میں وہ سرخی رہی نے منہ میں وہ در ثمیں
دیکھ اس کو میں نے ناگہاں پوچھا کچھ اپنا کر بیاں
تھی کل تو رشک گلستاں ہے آج خار سہمگیں
بولی نظیر عبرت میں رہ کیا پوچھنے کی ہے جگہ
یاں کی یہی ہے رسم و رہ گاہے چناں گاہے چنیں
کیا کاسۂ مے لیجیے اس بزم میں اے ہمنشیں
دور فلک سے کیا خبر پہنچے گا لب تک یا نہیں
یہ کاسۂ فیروزگوں ہے شیشہ باز پرفسوں
جتنے حیل ہیں اور فسوں سب اس کے ہیں زیر نگیں

کہیں بیٹھنے دے دل اب مجھے جو حواس ٹک میں بجا کروں
نہیں تاب مجھ میں کہ جب تلک تو پھرے تو میں بھی پھرا کروں
تو ہزار مجھ کو ستا پری تری چاہ مجھ سے نہ چھوٹے گی
مرے دل کی تو ہے یہی خوشی تو جفا کرے میں وفا کروں
جو ہی بوسہ میں نے طلب کیا تو کہا تجھے تو نہیں ہے ڈر
مجھے خوف ہے کہ مباد اگر کوئی دیکھ لے تو میں کیا کروں

مجھے مدتوں سے ہے درد دل جو کہا کچھ اس کا علاج کر
تو کہا کہ اس کی دوا ہے یہ تو کہا کرے میں سُنا کروں

جو نگہ سے چاہ کے دیکھیے تو چڑھا کے تیوری یہ کہتا ہے
تیری اس نگہ کی سزا ہے یہ کہ بس اب میں تجھ سے چھپا کروں

کبھی اس کے کوچے میں جا ملے جو بکام دل گھڑی دو گھڑی
تو مجھے ہیں یاد وہ مکر و فن پھر اسی کے دل میں میں جا کروں

کوئی بولا تم نے نظیر کو نہ جھڑک دیا تو کہا میاں
دل وہاں سے مجھ پہ فدا ہے وہ اسے کس طرح میں خفا کروں

اپنی پرستشوں کی گرچہ نہایتیں ہیں
لیکن بتوں کی ہم سے اب تک شکایتیں ہیں

منہ کو پھرا کے ہم سے آئینے کو دکھانا
آئینہ رویوں کی کیا کیا رعایتیں ہیں

کہتے ہیں ہم جو آؤ تو در جواب اس کے
ایک اک سخن میں سو سو طنزیں کنایتیں ہیں

بے رحمیٔ نگہ کی فریاد جب ہیں کرتے
تو ہم کو جھڑکیاں دیں اس کی حمایتیں ہیں

بخت سیہ ہمارا محروم لطف سے ہے
اور سرمہ و مسی پر کیا کیا عنایتیں ہیں

سنکر کسی کے غم کو کہتے ہیں کہ سچ ہے
تحریک لب کی اپنے یاں تک کفایتیں ہیں

دے کر نظیر دل کو جو جو سہیں جفائیں
کہیے کہاں تک ان کو لاکھوں حکایتیں ہیں

یہ جو گلرو نگار ہنستے ہیں فتنہ گر ہیں ہزار ہنستے ہیں
عرض بوسے کی سچ نہ جانو تم ہم تو اے گلعذار ہنستے ہیں
دل کو دے مفت ہنستے ہیں ہم یوں جس طرح شرمسار ہنستے ہیں
ہم جو کرتے ہیں عشق پیری میں ق خوبرو بار بار ہنستے ہیں

جو قدیمی ہیں یار دوست نظیر
وہ بھی بے اختیار ہنستے ہیں

کہتے ہیں جس کو نظیر سنئے ٹک اس کا بیاں
تھا وہ معلم غریب بزدل و ترسندہ جاں
کوئی کتاب اس کے تئیں صاف نہ تھی درس کی
آئے تو معنی کہے ورنہ پڑھائی رواں

فہم نہ تھا علم سے کچھ عربی کے اسے
فارسی میں ہاں مگر سمجھے تھا کچھ ایں وآں
لکھنے کی یہ طرز تھی۔ کچھ جو لکھے تھا کبھی
پختگی و خامی کے اس کا تھا خط درمیاں

شعر و غزل کے سوا شوق نہ تھا کچھ اسے
اپنے اسی شغل میں رہتا تھا خوش ہر زماں
سُست روش پست قد سانولا ہندی نژاد
تن بھی کچھ ایسا ہی تھا قد کے موافق عیاں

ماتھے پہ اک خال تھا چھوٹا سا مسّے کے طور
تھا وہ پڑا آن کر ابروؤں کے درمیاں
وضع سبک اس کی تھی، تسپہ نہ رکھتا تھا ریش
موچھیں تھے اور کانوں پر پنٹے بھی تھے پنبہ ساں

پیری میں جیسی کہ تھی اس کو دل افسردگی
ویسی ہی تھی ان دنوں جن دنوں میں تھا جواں

جتنے غرض کام ہیں اور پڑھانے سوا
چاہیئے کچھ اس سے ہوں اتنی لیاقت کہاں

فضل نے اللہ کے اس کو دیا عمر بھر
عزت و حرمت کے ساتھ پارچہ و آب و ناں

بھوؤں کی تیغ کہا دل پہ آزمانے دو
قرار ایک کا کر کر لگے لگانے دو

مجال کیا جو چھوئیں ہم تمہاری زلف اے جاں
بھلا ہیں کف پا تک تو ہاتھ لانے دو

حنا لگائی ہے یا حرف ہے نزاکت کا
نہ باہر آنے کے اکثر یہ ہیں بہانے دو

ق
کہا کسی نے نظیر آتا ہے تو اس گل نے
کہا کہ اس کو نہ آگے قدم بڑھانے دو

جو ہو بعید نہایت تو روک دو اس کو
وگر قریب بہت آگیا، تو آنے دو

جو دیکھو ہنس کے تم تو بند اشکوں کی روانی ہو
لب جاں بخش کو کھولو تو اپنی زندگانی ہو

وہ گورا چاند سا مکھڑا عرق آلودہ گر دیکھے
تو کیا شک ہے کہ بہہ جاوے پری کا حسن پانی ہو

مجھے کل اک پری نے یوں کہا تم اے نظیر اس دم
کہیں اک بات ایسی جس میں تجھ کو شادمانی ہو

نہ مل اس سنگ دل سے تو جو ملنا ہی تو مل ہم سے
کہا میں نے یہ سنکر واہ تم بھی خوب سیانی ہو
اسے میں چھوڑ دوں اور چاہوں تمھیں اے بی یہ ممکن ہی
عجب تم بھی کوئی اُتن سٹرن خبطن دِ وانی ہو

منہ کو دکھا کر زرا ای گل خندان تو
پونچھ کبھی تو مرے دیدۂ گریان تو
داغ بہ دل، چشم تر، آہ بلب، سینہ چاک
دیکھ مری چاہ کے آن کے سامان تو

ہنس کے رقیبوں کے ساتھ پیار سے یوں دمبدم
توڑے ہی کیوں زخم پر میرے نمکدان تو
شام سے لے صبح تک صبح سے لے تا بہ شام
دل سے نہیں بھولتا اب مرے ایک آن تو
جان تو دے گا نظیر جانے نہ دے گا تجھے
ہاتھ سے اس کے عبث کھینچے ہی دامان تو

خط کی رخساروں پر اس گل کے جو تحریریں ہیں دو
ہی وہ مصحف رخ کہ جس کے ساتھ تفسیریں ہیں دو
حسن وہ ترک ستمگر ہی کہ جس کے پاس چار
ترکشیں مژگاں کی اور ابرو کی شمشیریں ہیں دو

یا بلاؤ ہم کو پنہاں یا تم آؤ چھپ کے یاں
گر ملا چاہو تو ملنے کی یہ تدبیریں ہیں دو
فی الحقیقت فیض جذب عشق سے باہم ہیں ایک
لیلیٰ و مجنوں کی گو ظاہر میں تصویریں ہیں دو

دل دیا اور کی وفا اس کی جفاؤں پر نظیر
غور سے دیکھا تو یہ اپنی ہی تقصیریں ہیں دو

کچھ ڈر ہی ادھر آؤ اور اک آن نہ بیٹھو
ہنس کر یہ کہا تم کہیں پاس آن نہ بیٹھو

خوباں خرد و ہوش کو چھینے ہیں میاں دل
تم ان میں لئے ساتھ یہ سامان نہ بیٹھو

زلفوں میں پھنسا ہم کو یہ کہتا ہے وہ عیار
اس کوچے میں تم شل پریشان نہ بیٹھو

یوں کھول کے رخسار پہ کاکل سر محفل
غافل نظر بد سے مری جان نہ بیٹھو

آئے ہو نظیر اب جو تم اس بزم بتاں میں
نظارہ کرو سر بگریبان نہ بیٹھو

جھڑکے بھی نہ الفت سے جو امداد کوئی ہو
تو ناز کا حسرت زدہ کیا شاد کوئی ہو

مشاطہ زرا بہر خدا حسن کی اس کے
اتنی نہ ہوا باندھ جو برباد کوئی ہو

اے دل تو عبث اس سے نہ کر خواہش دشنام
دشنام تو وہ دے جو اسے یاد کوئی ہو

تخفیف جفا کا یہ سبب ہے کہ مبادا
شاید کہیں مجھ سا نہ پریزاد کوئی ہو

منظور رہا دام میں جب دل کو پھنسانا
پھر وسوسہ کیا چاہیئے صیاد کوئی ہو

بیداد بھی کرتا ہی بہت وہ تو نظیر آہ
البتہ جو شائستۂ بیداد کوئی ہو

جو کہتے ہو چلیں ہم بھی ترے ہمراہ بسم اللہ
پھر اس میں دیر کیا اور پوچھنا کیا واہ بسم اللہ

قدم اس ناز سے رکھتا ہوا آتا ہی محفل میں
کہ اہل بزم سب کہتے ہیں بسم اللہ بسم اللہ

لگائی اس نے جو جو تیغ ابرو کی مرے دل پر
لب ہر زخم سے نکلی بجائے آہ بسم اللہ

شب مہ میں جو کل ٹک ڈگمگایا وہ تو سب انجم
وہیں بولے خدا حافظ پکارا ماہ بسم اللہ

وہ جس دم نسخۂ ناز و ادا آغاز کرتا ہی
تو ہم کہتے ہیں ایک ایک آن پر واللہ بسم اللہ

جو اس کی چاہ کا جی میں ارادہ ہی تو بس اے دل
مبارک ہی تجھے جا شوق سے تو چاہ بسم اللہ

نظیر اس دلربا محبوب چنچل سے لگا کر دل
ہمیں کہنا پڑا ہی دمبدم اللہ بسم اللہ

لگی ہی دل کی لگن اس حیاشعار کے ساتھ
جو آرسی کو بھی دیکھے کبھی تو عار کے ساتھ

کمال شوخیاں تس پر یہ تمکنت یہ مزاج
کہ ہی سبک سی ادا وہ بھی سو وقار کے ساتھ

ہزار گل کی بہاریں نہ ہو سکیں ہمسر
تمھارے ایک کرن پھول کی بہار کے ساتھ

جو چاہو طائرِ دل بچ سکے تو کیا امکان
ہجوم دام ہے کاکل کے تار تار کے ساتھ

اسے میں سحر کہوں یا فسون طرفہ نظیرؔ
کہ ایک پل میں نگہ لڑ گئی ہزار کے ساتھ

اُس نے ایسے حُسن کے پایا ہے گنجینے پہ ہاتھ
رکھتی ہیں تعظیم کو جس کے پری سینے پہ ہاتھ

آج تو وہ حسن چمکا تھا کہ غش آتا اسے
رکھ نہ دیتے ہم اگر جلدی سے آئینے پہ ہاتھ

یوں لپٹا کوچے میں اس کے میں کہ اس ظالم نے ہے
رکھ لیا در ہا ہا کہہ کے اپنے سیم گوں سینے پہ ہاتھ

پالوں اس کے دابتے غیروں نے دیکھا تھا مجھے
کوٹتے سب مل کے گر پاتے مرے سینے پہ ہاتھ

کب اترتا بام سے میرے وہ ملنے کو نظیرؔ
دل نہ رکھتا زیر پا اس کے جو ہر زینے پہ ہاتھ

کل لگ چلے جو ہمدم ہم یار سے زیادہ
دشنام دے کے جھڑکا ہر بار سے زیادہ

بوسے جو کر کے وعدہ دینے لگا تو بولا
لو جی مگر نہ لینا اقرار سے زیادہ

ہے بالیں تو اس کا پر غور سے جو دیکھا
کیا کیا لگاوٹیں ہیں مقدار سے زیادہ

پوچھا تمہارے منہ کی ہے کس قدر تجلی
ہنس کر کہا کہ مہ کے انوار سے زیادہ

بیدردیٔ بتاں کا شکوہ نظیرؔ مت کر
ان کی تو ہیں جفائیں اظہار سے زیادہ

گورے ہاتھ اس کے وہ رکھتے ہیں عجب تاب پہ ہاتھ
مار بیٹھے ہیں غرض پنجۂ مہتاب پہ ہاتھ
پوچھا خواب آتا ہے تم کو تو اشاروں کے طریق
رکھ دیا ہم نے وہیں مسند کمخواب پہ ہاتھ
پڑ گئی دور سے تھی جی میں دھڑک تو لیکن
ہم نے دیکھا اسے رکھ کر دل بیتاب پہ ہاتھ
پاؤں میں دیکھ حنا اس کی سرانگشتوں کی
رکھ لیا شرم سے ہر برگ نے عناب پہ ہاتھ
دی جو دشنام بجائے شکر بوسہ نظیر
مارے خوش وقتی سے جب دل نے اسی راب پہ ہاتھ

بسکہ دل اس کا ہے مانوس خیال آئینہ
ہے وہ ملک حسن محروس خیال آئینہ
تھا وہ پشت بام پر عکس آرسی میں یاں ہم نے بھی
زور حکمت سے لیا بوس خیال آئینہ
تا ابد آزاد ہیں دام و قفس کے جور سے
بلبل تصویر و طاؤس خیال آئینہ
دل جفا سے اس کی آزردہ ہو سو ہوتا نہیں
بے خطر ہے زنگ سے روس خیال آئینہ
کل اسے آئینہ خانے میں جو تھی مشق خرام
تھا وہ صد جا ہم کو پابوس خیال آئینہ
معانی دل کا لغت اس سے نہ پھر پنہاں رہے
یک نظر دیکھے جو قاموس خیال آئینہ

ہے اگر منظور سیرِ عالمِ حیرت نظیرؔ
تو دل اپنا کر تو محبوسِ خیالِ آئینہ

عشق پھر رنگ وہ لایا ہے کہ جی جانے ہے
دل کا یہ رنگ بنایا ہے کہ جی جانے ہے

ناز اُٹھانے میں جفائیں تو اٹھائیں لیکن
لطف بھی ایسا اُٹھایا ہے کہ جی جانے ہے

زخم اس تیغِ نگہ کا مرے دل نے ہنس ہنس
اس مزیداری سے کھایا ہے کہ جی جانے ہے

اس کی دزدیدہ نگہ نے مرے دل میں چھپ کر
تیر اس ڈھب سے لگایا ہے کہ جی جانے ہے

بام پر چڑھ کے تماشے کو ہمیں حسن اپنا
اس تماشے سے دکھایا ہے کہ جی جانے ہے

اس کی فرقت میں ہمیں چرخِ ستمگار نے آہ
یہ رُلایا یہ رُلایا ہے کہ جی جانے ہے

علم چپی کا ہوا شب تو سحر تک ہم نے
رتجگا ایسا منایا ہے کہ جی جانے ہے

تلوے سہلانے میں گو اونگھ کے جُھک جُھک تو پڑے
پر مزا بھی وہ اڑایا ہے کہ جی جانے ہے

رنج ملنے کے بہت دل نے سہے یک نظیرؔ
یار بھی ایسا ہی پایا ہے کہ دل جانے ہے

دوری میں اس قمر کے جب آتی ہے چاندنی
خوابیدہ حسرتوں کو جگاتی ہے چاندنی

مہ آسماں پہ ہوتا ہے دیکھ اس کو شرمسار
روے زمیں پہ ٹھوکریں کھاتی ہے چاندنی

محفل میں ہم کو دیکھ یہ کہتا ہے منہ کو پھیر
کیا میلی مفت میں ہوئی جاتی ہے چاندنی

اس سیمبر کے تن کی نزاکت کو باغ میں
نسرین و نسترن کو دکھاتی ہے چاندنی

ق

کیا یک دلی ہے ہم نے جو کہہ بھیجا اے نظیر
تم بن ہمارے دل کو ستاتی ہے چاندنی

سن کر پیامبر سے کہا جا کے تو یہ کہہ
البتہ اپنا جی بھی کڑھاتی ہے چاندنی

گر ہم بغیر اس شب مہ سے ہو تم خفا
تو تم بغیر یاں کسے بھاتی ہے چاندنی

جاں بھی بجاں ہے ہجر میں اور دل فگار بھی
تر ہے مژہ بھی اشک سے جیب بھی اور کنار بھی

طرفہ فسوں سرشت ہے چشم کرشمہ سنج یار
لیتی ہے اک نگاہ میں صبر بھی اور قرار بھی

کوچے میں اس کے بیٹھنا حسن کو اس کے دیکھنا
ہم تو اسی کو سمجھے ہیں باغ بھی اور بہار بھی

دیکھیے کیا ہو بے طرح دل کی لگے ہیں گھات میں
غمزۂ پرفریب بھی عشوۂ سحرکار بھی

زلف کو بھی ہے دمبدم عزم کمند افگنی
دام لیے رہی مستعد طرۂ تابدار بھی

ق

بیٹھے بتوں کی بزم میں جن کی ہے قدر جب وہ لوگ
اپنے فریب و فن سے واں تھا یہ خراب و خوار بھی
گننے لگے وہ اپنے جب چاہنے والوں کو نظیر
اٹھ کے یکایک اس گھڑی ہم نے کہا، "ہیں یار بھی"

دیکھ عقد ثریا ہیں انگور کی سوجھی
کیوں بادہ کشاں ہم کو بھی کیا دور کی سوجھی
غش کھا کے گرا پہلے ہی شعلے کی جھلک سے
موسیٰ کو عطا کہیئے تو کیا طور کی سوجھی
ہم نے تو اسے دیکھ یہ جانا کہ پری ہے
پریوں نے جو دیکھا تو انھیں حور کی سوجھی
دیکھا جو نہانے میں وہ گورا بدن اس کا
بلور کی چوکی پہ جھلک نور کی سوجھی
سر پانؤں سے جب پھنس گئے اس زلف سیہ میں
جب ہم کو سیاہی شب دیجور کی سوجھی
جنت کے لئے شیخ جو کرتا ہے عبادت
کی غور جو خاطر میں تو مزدور کی سوجھی
مصنوع میں صانع نظر آوے تو نظیر آہ
نزدیک کی پھر کیا ہے جہاں دور کی سوجھی

نہ مہ، نہ کوند بجلی کی، نہ شعلے کا اُجالا ہے
کچھ اس گورے سے مکھڑے کا جھمکڑا ہی نرالا ہے
وہ مکھڑا اگل سا اور اس پر جو نارنجی دوشالا ہے
رخ خورشید نے گویا شفق سے سر نکالا ہے

کن انکھیوں کی نگہ گپتی اشارت قہر چِتون کے
جو وُن دیکھا تو برچھی ہی جو یوں دیکھا تو بھالا ہی
کہیں خورشید بھی چھپتا ہی جی باریک پردے میں
اٹھادو منہ سے پردے کو بڑا پردہ نکالا ہی
کھلے بالوں سے منہ کی روشنی پھوٹے نکلتی ہی
تمہارا حسن تو صاحب اندھیرے کا اُجالا ہی
نہ جھمکیں کس طرح کانوں میں اس کے حسن کے جُھمکے
ادھر بندا ادھر جُھمکا ادھر بجلی کا بالا ہی
نظیر اس سنگدل قاتل پہ دعویٰ خون کا مت کر
میاں جا تجھ سے یاں کتنوں کو اس نے مار ڈالا ہی

جام نہ رکھ ساقیا شب ہی پڑی اور بھی
پہر جہاں کٹ گئے چار گھڑی اور بھی
پہلے ہی ساغر میں تھے ہم تو پڑے لوٹتے
اتنے میں ساقی نے دی اس سے کڑی اور بھی
پلکیں تو چھیدے ہمیں دل مارے تمہی برچھی نگاہ
ابرو نے اس پر سے ایک تیغ جڑی اور بھی
کچھ طپش دل تھی کچھ سنتے ہی فرقت کا نام
آگ سی ایک آگ پر آن پڑی اور بھی
میری شب وصل کی صبح چلی آتی ہی
روک لے اس دم فلک ایک گھڑی اور بھی
گرچہ ادھر آئی ہیں تن پہ مرے پر میاں
اتنی لگائیں جہاں ایک چھڑی اور بھی

کیا کہوں اس شوخ کی واہ میں خوبی نظیرؔ
سنتے ہی اس بات کے ایک جھڑی اور بھی

جہاں ہی قد اس کا جلوہ فرما تو سرو واں کس حساب میں ہی
وہ قامت ایسا ہی کچھ قیامت، قیامت اسکی رکاب میں ہی

یہ سب غلط ہی جویوں ہیں کہتے کہ اس کا مکھڑا نقاب میں ہی
نقاب کیا ہی وہ شرمگیں تو نقاب سے بھی حجاب میں ہی

وہ گورا بنڈا اور اس میں سرخی مگر خدا نے لے سر سے تا پا
کیا ہی میدا تو موتیوں کا اور اس کو گوندھا شہاب میں ہی

جھمک جو مکھڑے کی دیکھی اس کے تو ہم نے اپنے یہ دل میں جانا
اسی کے پرتو سے مہ ہی روشن اسی کا نور آفتاب میں ہی

رہے گا محبوب جس مکان میں تو واں ہی دیکھیں گے اس کو جاکر
غرض وہ جس کا کہ نام دل ہی یہ دھن اس عالیجناب میں ہی

جو غصہ ہوکر وہ دیوے گالی تو اس ادا سے، کہ ہم تو کیا ہیں
فرشتے غش ہو کے لوٹ جاویں یہ لطف اس کے عتاب میں ہی

بندھا ہی جب سے خیال اس کا عجب طرح کی لگن لگی ہی
کبھی وہ دل میں کبھی وہ جی میں کبھی وہ چشم پر آب میں ہی

وہی ادھر ہی وہی ادھر ہی وہی زبان پر وہی نظر میں
جو جاگتا ہوں تو دھیان میں ہی جو سو گیا ہوں تو خواب میں ہی

نظیرؔ سیکھے سے علم رسمی بشر کی ہوتی ہیں چار آنکھیں
پڑھے سے جس کے ہوں لاکھ آنکھیں وہ علم دل کی کتاب میں ہی

نہ آیا آج بھی سب مکھیل اپنا ہٹی ہی
تمام رات یہ سر اور پلنگ کی پٹی ہی

جبیں پہ قہر نہ تنہا سیاہ پٹی ہے
بھووں کی تیغ بھی کافر بڑی ہی کٹی ہے

پھنکی نکلتی ہیں اشکوں کی شیشیاں یارو
ہمارے سینے میں کس شیشہ گر کی بھٹی ہے

گلے لگائیے منہ چومئے ملار رکھئے
ہمارے دل میں بھی کیا کیا ہوس اکٹھی ہے

کوئی حجاب نہیں تجھ میں اور صنم میں نظیر
مگر تو آپ ہی پردہ اور آپ ہی ٹٹی ہے

منہ سے پردہ نہ اُٹھے صاحب من یاد رہے
پھر قیامت ہی عیاں ہے یہ سخن یاد رہے

چھوڑو اتنی نہ زباں غنچہ دہن یاد رہے
پھر ہمارے بھی دہن ہے یہ سخن یاد رہے

کوچہ گردوں میں نہیں ہم جو یہ کوچہ چھوڑیں
خاک کرنا ہی ہمیں یاں ہی بدن یاد رہے

عہد آنے کا کیا ہے تو گرہ بند میں دے
اس سے شاید تجھے اے عہد شکن یاد رہے

آپ کے کوچے کو ہم کعبۂ مقصود سمجھ
بھول بیٹھے ہیں سب آرام وطن یاد رہے

حرف اُٹھ جانے کا کہہ بیٹھے ہو اب تو لیکن
پھر نہ کہئے گا کبھی قبلۂ من یاد رہے

سو چمن ایک فقط مکھڑے میں اس کے ہیں نظیر
جب یہ صورت ہو تو پھر کس کو چمن یاد رہے

ٹک ہونٹ ہلاؤں تو یہ کہتا ہی نہ بک بے
اور پاس جو بیٹھوں تو سناتا ہی سرک بے

کہتا ہوں کبھی گھر میں مرے آ، تو ہی کہتا
چوکھٹ پہ ہماری کوئی دن سر تو پٹک بے

جب بدر نکلتا ہی تو کہتا ہی وہ مغرور
کہدو اسے یاں آن کے اتنا نہ چمک بے

پردہ جو الٹ دوں گا ابھی منہ سے تو دم میں
اڑ جائے گی چہرے کی ترے سب یہ جھمک بے

سب بانکپن اب تیرا نظیرؔ عشق نے کھویا
کیا ہو گئی سچ کہہ وہ تیری دوت دبک بے

اس کا ادھر وہ حسن دکھانا گھڑی گھڑی
اور ہم کو غش پہ غش ادھر آنا گھڑی گھڑی

دن رات اس کے ہجر میں گھڑیال کی طرح
پڑتا ہی ہم کو شور مچانا گھڑی گھڑی

آتا ہی اب تو پہر میں کچھ آٹھ سات بار
کیا جانے کیا کرے گا یہ آنا گھڑی گھڑی

باہر کبھی جو نکلے تو کہہ آوے گھر میں یوں
گر دیر ہو تو مجھ کو بلانا گھڑی گھڑی

ہو شب جو وصل کی تو بہت ہو کے مضطرب
کرنا ہر ایک طرح بہانا گھڑی گھڑی

القصہ وقت صبح تک اس کو تو روٹھنا
اور ہم کو پانوں پڑ کے منانا گھڑی گھڑی

باقی ہے اس میں قدر کچھ اچھا نہیں نظیر
گھر میں کسی کے دوڑ کے جانا گھڑی گھڑی

پھر بہار آئی ہے اور موج ہوا ہرائے ہے
دیکھئے اپنے جنوں کو اب کے کیا ہر آئے ہے

اس کی چوٹی کا تصور دل میں یوں لہرائے ہے
سانپ کے کاٹے کو جیسے لہر پر لہر آئے ہے

صبح کا کرتا ہے وعدہ وہ تو پھر آتا ہے کب
دوسرے دن کا کہیں جب تیسرا پہر آئے ہے

گر وہ بوسے کی طلب میں ہو خفا تو ہے بجا
ہنس کے اک دشنام دینے میں جسے قہر آئے ہے

مجھ کو کاٹا ہے صریحاً زلف کی ناگن نے آہ
تو مجھے افعی گزیدہ کس طرح ٹھیرائے ہے

زہر مہرے سے مسی مالیدہ لب کے کر علاج
ورنہ مجھکو بے طرح چڑھتا ہوا زہر آئے ہے

گر وہ روٹھا ہے تو تو بھی اس کو کہہ بھیج اے نظیر
ہم بھی یار کھتے نہیں ندی تو کیا گھر آئے ہے

جس کے لب سے سخن پند گہر جوش ہوئے
عمر بھر پھر وہ ہمارے گہر گوش ہوئے

کل جو گزرے تھے ہم اک کہنہ مزارستاں میں
واں عجب طور کی عبرت سے ہم آغوش ہوئے

یعنی اک شخص یہ بولا کبھی یاں عظم دبے تھے
سخت بوسیدہ تھا گو سر یہی ہم دوش ہوئے

مجھ سے یوں کہنے لگے جن کے ہیں یہ عظم رمیم
وہ بصد عیش و طرب خوش خور و خوش پوش ہوئے

رات دن فرحت و عشرت میں بسر کرتے تھے
کبھی گلشن میں پھرے اور کبھی مے نوش ہوئے

ایکدم چرخ حسد پیشہ سے مانند چراغ
دیر پل بھرنہ لگی آہ جو خاموش ہوئے

اب کوئی نام و نشاں سے نہیں ان کے آگاہ
ایسے وہ خاطر عالم سے فراموش ہوئے

جب سنا میں نے یہ اس شخص سے احوال نظیرؔ
روح تھرا گئی لرزاں خرد و ہوش ہوئے

ایام شباب اپنے بھی کیا عیش اثر تھے
کہتے ہیں جنھیں عیب وہ اس وقت ہنر تھے

دن رات وہ محبوب میسر تھے کہ جن کی
زلفیں الم شام تھیں رخ رشک سحر تھے

ساقی کے ادھر جام، ادھر ناز و ادا سے
جادو نظراں خوش نگہاں پیش نظر تھے

محفل سے جو اٹھتے تھے ذرا ہم تو لپٹ کر
نازک بدناں موکمراں دست و کمر تھے

ہمراہ گل اندا موں کے ہو خرم و خنداں
باغ و چمن و گلشن و بستاں میں گزر تھے

کیا شور تھے کیا زور تھے ہر لحظہ اہاہا
کیا ولولے کیا قہقہے بے خوف و خطر تھے

دکھلا کے جھمک جاتے رہے دم میں نظیر آہ
کیا جانے وہ دن برق تھے یا مثل شرر تھے

گلباز عشرت ہو جیے کیا گل رخوں سے دو گھڑی
کرتا ہی گلبازی کی یاں اک دم میں گردوں گلجھڑی
ہر دم تغیر دیکھ یاں ہیبت سے یوں کانپے ہی جاں
جیسے ہوا سے ہر زماں ہو بید کی لرزاں لجھڑی

اک گلبدن مغرور تھا رقص اس کا بس مشہور تھا
جس جس کا وہ منظور تھا کرتا تھا جور اس پر کڑی
دل اس نے دیکھا جس جگہ بے جرم و تقصیر و گنہ
مارا وہیں تیر نگہ یا تیغ ابرو کی جڑی

ہر دم نگاہ جانستاں لے کر ٹیا غمزے کا ہاں
کرتی تھی کیا کیا پھرتیاں واں جا پڑی یاں آپڑی
سر پاؤں سے گلپوش تھا بلبل وشوں کا جوش تھا
ہر دل پڑا بیہوش تھا جاں دست بستہ تھی کھڑی
وہ گرم دیکھ اس کی دکاں اک سرد مہری کر عیاں
ناگاہ جور آسماں اس مہر پیکر سے لڑی
وہ حسن سب جاتا رہا میں نے کہا یہ کیا ہوا
بولا میاں اب کہیے کیا حیرت ہی مجھکو بھی بڑی

تھی جو نظیر ایسی چمک جاتی رہی سب یک بیک
کیا جانے وہ ظالم جھمک مہتاب تھی یا پھلجھڑی

کیا کہیں دنیا میں ہم انسان یا حیوان تھے
خاک تھے کیا تھے غرض اک آن کے مہمان تھے

کر رہے تھے اپنا قبضہ غیر کی املاک پر
غور سے دیکھا تو ہم بھی سخت بے ایمان تھے

اور کی چیزیں دبا رکھنا بڑی سمجھی تھی عقل
چھین لیں جب اس نے جب جانا کہ ہم نادان تھے

ق

ایکدن اک استخواں اوپر پڑا میرا جو پاؤں
کیا کہوں اس دم مجھے غفلت میں کیا کیا دھیان تھے

پاؤں پڑتے ہی غرض اس استخواں نے آہ کی
اور کہا غافل کبھی تو ہم بھی صاحب جان تھے

دست و پا، زانو، سر و گردن، شکم، پشت و کمر
دیکھنے کو آنکھیں اور سننے کی خاطر کان تھے

ابرو و بینی، جبیں، نقش و نگار و خال و خط
لعل و مروارید سے بہتر لب و دندان تھے

رات کو سونے کو کیا کیا نرم و نازک تھے پلنگ
بیٹھنے کو دن کے کیا کیا کوٹھے اور دالان تھے

کھل رہا تھا رو برو جنت کے گلشن کا چمن
نازنیں محبوب گویا حور اور غلمان تھے

لگ رہا تھا دل کئی چنچل پریزادوں کے ساتھ
کچھ کسی سے عہد تھے اور کچھ کہیں پیمان تھے

گلبدن اور گلعذاروں کے کنار و بوس سے
کچھ نکالی تھی ہوس کچھ اور بھی ارمان تھے

مچ رہے تھے چہچہے اور اڑ رہے تھے قہقہے
ساقی و ساغر صراحی پھول عطر و پان تھے

ایک ہی چکر دیا ایسا اجل نے آن کر
جو نہ ہم تھے اور نہ وہ سب عیش کے سامان تھے
ایسی بیدردی سے ہم پر پاؤں مت رکھ اے نظیر
او میاں تیری طرح ہم بھی کبھی انسان تھے

تن پر اس کے سیم فدا اور منہ پر مہ دیوانہ ہی
سر سے لے کر پاؤں تلک اک موتی کا سادانا ہی
ناز نیا انداز نرالا چتون آفت چال غضب
سینہ ابھرا صاف ستم اور جوبن کا تھہریگا نا ہی
بانکی سج دھج آن انوٹھی بھولی صورت شوخ مزاج
نظروں میں کھل کھیل لگاوٹ آنکھوں میں شرمانا ہی
تن بھی کچھ گدرایا ہی اور قد بھی بڑھتا آتا ہی
کچھ کچھ حسن تو آیا ہی اور کچھ کچھ اور بھی آنا ہی
جب یہ حسن قیامت ہو بیتاب نہ ہو دل کیونکہ نظیر
جان پر اپنی کھیلیں گے اک روز یہ ہم نے جانا ہی

اس کے جھمکے کی لٹک سے جو ملا مالا ہی
دل مرا جھوک سے دونوں کی تہ و بالا ہی
بالے پن میں تو ہمیں تھے یہ قیامت دیکھو
اب زرا حسن جو چمکا تو ہمیں بالا ہی

جتنے اس باغ میں ہیں سرو و صنوبر شمشاد
اس کا قد نام خدا سب کے اوپر بالا ہی
خال چہرے پہ نہیں اسکے یہ اللہ نے واہ
حسن کے خوان میں کیا خوب نمک ڈالا ہی

سرخ روُیان ہوا اس کے لبوں سے ایسا
جس کے ہمرنگ نہ گلنار نہ گل لالا ہی

ق
سنگدل، شوخ، جفا کار، ستمگر، بے رحم
دل پرونے کے لئے جس کی نگہ بھالا ہی

قہر جھکوں کی جھمک تِس پہ غضب بالا ہی
اب کوئی آن میں سب خلق تہ و بالا ہی

ایسے ظالم سے کوئی دل کو لگاتا ہی نظیرؔ
اب تری جان کا اللہ ہی رکھوالا ہی

ہمدم چلیں ہم اس کی طرف کیا نثار لے
جاویں مگر یہی دل امیدوار لے

ہو بیقرار کیونکہ نہ جاویں ہم اس کے پاس
ہم کو تو ہو قرار پہ جب دل قرار لے

اے حسرت نثار اس ابرو کے وار پر
جو تجھ کو وارنا ہی سو اب تو بھی وار لے

ق
کوچے میں اس کے اشک مسلسل کے ہار گوندھ
جاتا ہوں جب میں ہاروں کو لے اختیار لے

کہتا ہوں گل فروش کی مانند بار بار
تازے ہیں موتیا کے اگر کوئی ہار لے

سو سو طرح کے مکر بناتا ہوں اس لئے
شاید وہ جھُک میں آن کے مجھ کو پکار لے

دل چیز کیا جو اس کے تئیں دیجیے اے نظیرؔ
ہم نقد جاں بھی دیویں اگر وہ اُدھار لے

دست غیر اس کے حنا واں پاؤں پر باندھا گئے
یاں کئی مشفق ہمارے زخم سر باندھا گئے
اڑ کے آخر جا پڑی اس روئے رخشاں پر نگاہ
گرچہ ہم مدت سے اس طائر کے پر باندھا گئے

اپنے اشکوں سے ہم اس کے دست غم میں دمبدم
جب تلک جیتے رہے سلک گہر باندھا گئے
خال و ابرو کی نظر بازی سے باز آئے نہ ہم
گو وہ ہم پر ہر گھڑی تیغ و سپر باندھا گئے

قتل کا سنتے ہی مژدہ ہم تو شادی مرگ ہو
اولِ منزل کو پہنچے وہ کمر باندھا گئے
غش جو آیا رات اس کی چشم کے بیمار کو
رشتۂ چشم اس کے بازو تا سحر باندھا گئے

اشک اِدھر پانی میں کچھ گھولا گئے اسدم نظیر
سرخ سی کچھ گولیاں لختِ جگر باندھا گئے

دل زلف میں رکھتے ہو تو اُکتانے نہ پاوے
یہ صید نیا ہی ابھی گھبرانے نہ پاوے
کہتا ہی کہ کوچے میں ہمارے جو کوئی دل
لاوے تو نہ کچھ کہیو یہ لیجانے نہ پاوے

کاکل ہی کھلی اس لئے تا پاؤں نگہ کا
اس میں ہی بندھے پہرے تلک آنے نہ پاوے
تیوری جو چڑھی رہتی ہی اس کا ہی سبب یہ
جو شکوہ زبان پر کوئی کچھ لانے نہ پاوے

مشکل ہی جو چاہے تو وہ پھر آوے نہ د ر تک
اور دل کہیں بہلاوے تو بہلانے نہ پاوے

چپکے ہی جفائیں سہے کچھ بولے نہ ہرگز
بولے تو زباں گونگی ہو بتلانے نہ پاوے

ہم ایک نظر دیکھ نظیرؔ اس کو جو بھاگے
بولا کہ اسے بیجو ہاں جانے نہ پاوے

ادا و ناز میں کچھ کچھ جو ہوش اس نے سنبھالا ہی
تو اپنے حسن کا کیا کیا دلوں میں شور ڈالا ہی

ابھی کیا عمر ہی کیا عقل ہی، کیا فہم ہی لیکن
ابھی سے دلفریبی کا ہر اک نقشہ نرالا ہی

تبسم قہر، ہنس دینا قیامت، دیکھنا آفت
پلک دیکھو تو نشتر ہی نگہ دیکھو تو بھالا ہی

ابھی نوک نگہ میں اس قدر تیزی نہیں، تس پر
کئی زخمی کئے ہیں اور کئی کو مار ڈالا ہی

اکڑنا، تن کے چلنا، دھج بنانا، وضع دکھلانا
کبھی نیمہ کبھی چپکن کبھی خالی دوشالا ہی

کسی کے ہاتھ کاندھے پر کسی کے لات سینے پر
کہیں نفرت کہیں الفت کہیں حیلہ حوالا ہی

نظیرؔ ایسا ہی دلبر شہرۂ آفاق ہوتا ہی
ابھی سے دیکھئے فتنے نے کیسا ڈھب نکالا ہی

تن دیکھئے جس گل کا ہر برگ سمن سے نکلے
وہ سیمتن اس تن سے کس طور نہ تن نکلے

یوں زلف کے حلقے سے رخسار نمایاں ہے
جوں مار سیہ منہ میں پکڑے ہوئے من نکلے

یہ نقش ہیں چیچک کے منہ پر عرق آلودہ
یا حسن کی صافی سے قطرے کئی چھن نکلے

دل چاہ زنخداں میں گو غرق ہوا لیکن
اب بھی وہ اگر پاوے زلفوں کی رسن نکلے

تھا میں جو نظیر اس کے دنداں کے تصور میں
جب منہ سے مرے ایسے موتی سے سخن نکلے

جو دیکھی بالیدگی میں ہر دم بہار حسن نگار ہم نے
تو ویسی بڑھتی کبھی نہ دیکھی کسی چمن کی بہار ہم نے

ادائیں غمزے کی ہیں جتاتی کہ فی الحقیقت اگر کسی نے
رکھا ہے دل طاق آسماں پر لیا ہے وال سے اتار ہم نے

پھنسا کے نخچیر دل ہمارا ہمیں سے کہتا ہے پھر یہ ہنس کر
کہ آج تم ہم کو تہنیت دو کیا ہے پہلا شکار ہم نے

قدم وہ گن گن ادا سے رکھنا کچھ اور مطلب نہیں گر ہاں
غرض ہے گن گن کے دل کچلنا کیا جو دل میں شمار ہم نے

کہا جو کاکل سے دل لئے ہو کہو تو بولی وہ ہنس کے تو سو نے
جو پوچھا آنکھوں سے تم ہی کہد و تو ہنس کے بولیں ہزار ہم نے

جو زلف جھٹکے تو مکھڑا اٹکے جو مکھڑا اٹکے تو زلف جھٹکے
یہی دلوں کی خرابیاں ہیں جو دیکھے لیل و نہار ہم نے

نظیر چاہے جو قدر اپنی تو ایسے چنچل سے مت لگا دل
کیا ہے کتنوں کو خوار اس نے جتا دیا تجھکو یار ہم نے

الطاف بیاں ہوں کب ہم سے ای جان تمھاری صورت کے
ہیں لاکھوں اپنی آنکھوں پر احسان تمھاری صورت کے

منہ دیکھے کی یہ بات نہیں سچ پوچھو تو اب دنیا میں
بیہوش کرے ہیں پریوں کو انسان تمھاری صورت کے

آئینہ رخوں کی محفل میں جس وقت عیاں تم ہوتے ہو
سب آئینہ ساں رہ جاتے ہیں حیران تمھاری صورت کے

کچھ کہنے پر موقوف نہیں، معلوم ابھی ہو جاوے گا
خورشید مقابل ہو دیکھے ایک آن تمھاری صورت کے

کی عرض نظیر اک بوسے کی جب ہنسکر چنچل بولا یوں
اس منہ سے بوسہ لیجئے گا قربان تمھاری صورت کے

کاکل مشکیں کا تجھکو شوق بے تابانہ ہی
ای دل صد چاک سچ کہہ دل ہی تو یا شانہ ہی

کر دیا پہلے ہی ساغر میں ہمیں مست وخراب
ہمنشیں چشم بتاں کا بھی عجب میخانہ ہی

شمع رویوں کو تو کچھ پروا نہیں پر کیا کریں
دل جو ہم رکھتے ہیں وہ دل تو نہیں پروانہ ہی

پڑ گئی تھی ایک دن چشم گلابی پر نگاہ
اب تلک پاییں ہمارے لغزش مستانہ ہی

پھر وہ چشم مست ادھر کو میل کرتی ہی دلا
یاد ہی اس کا نشہ کچھ، یہ وہی میخانہ ہی

حال دل ہم نے کہا جس دم تو بولا سچ کہو
یہ کوئی قصہ نیا ہی یا کہن افسانہ ہی

اس پریرو سے چلا پھر دل لگانے کو نظیر
کیا کہیں یہ شخص بھی کوئی عجب دیوانہ ہی

جو تم نے پوچھا تو حرف مطلب بر آیا صاحب ہمارے لب سے
سو اس کو سن کر ہوے خفا تم نہ کہتے تھے ہم اسی سبب سے
نہ دیتے ہم تو کبھی دل اپنا نہ ہوتے ہرگز خراب و رسوا
وے کریں کیا کہ تم نے ہم کو دکھائیں جھمکیں عجب ہی ڈھب سے

وہ جعد مشکیں جو دن میں دیکھی تو یاد اس کی میں شام سے ہی
یہ پیچ و تاب آکے دل سے الجھے کہ پھر سحر تک نہ سلجھے شب سے
لگاتے فندق جو ہم نے اس کی کلائی پکڑی تو ہنس کے بولا
یہ انگلی پہنچے کی یاں نہ ٹھیرے بس آپ رہئے ذرا ادب سے

کسی نے پوچھا نظیر کو بھی تمھاری محفل میں بار ہوگا
وہ بولا ہوگا کہا کہ کب سے، کہا کہ ہوگا کبھی نہ اب سے

مکھڑے پہ اپنے تم نقاب کھینچو ہو کیوں حجاب سے
یہ تو بھبھوکا وہ نہیں چھپ سکے جو نقاب سے
دل کو دِوانہ کر گیا زلف کی پیچ و تاب سے
آنکھوں سے خواب لے گیا نرگس نیم خواب سے

قد ہی وہ اس کا جلوہ گر دیدۂ تر سے میرے یوں
جیسے عیاں ہو عکس سرو نہر چمن کے آب سے
اپنا کتابی رخ جو تم پھیر و ہو مجھ سے دمبدم
تم نے کیا ہی انتخاب کیا یہی اس کتاب سے

سویا ہی وہ ابھی نسیم لگیو نہ اس کے تن سے تو
اور جو لگی تو وہ ابھی چونک پڑے گا خواب سے

سخت عذاب تھا ہمیں ہاتھ سے دل کے رات کو
بارے وہ تم نے لے لیا چھوٹے ہم اس عذاب سے

کہتے ہیں جس کو زندگی دم کی ہوا ہے اے نظیر
ہم کو تو آج کھل گیا عقدہ یہ اک حباب سے

دیکھی نہ جدا یار کی ابرو کبھی چیں سے
یہ ہم کو توقع نہ تھی اس زہرہ جبیں سے

کیونکر نہ چمن میں ترے قامت پہ فدا ہو
ہر سرو اسی چاؤ میں نکلا ہے زمیں سے

دی سینے میں جا نقش محبت کو جو اس کے
ہم جی میں بہت شاد ہوئے دل کے نگیں سے

ق

جب دیکھ کے ہم کو در منظر کو لیا بھیڑ
یہ بات کہی ہم نے تب اس غرفہ نشیں سے

کیوں جی تمھیں کیا عار ہمیں سے ہے یہ رکھنی
سن کر یہ نظیر اس نے کہا ہاں جی تمھیں سے

میاں دل تجھے لے چلے حسن والے
کہوں اور کیا، جا خدا کے حوالے

ادھر آ ذرا تجھ سے مل کر میں رو لوں
تو مجھ سے ذرا مل کے آنسو بہا لے

چلا اب تو ساتھ ان کے تو بے بسی سے
لگا میرے پہلو میں فرقت کے بھالے

خبردار ان کے سوا زلف و رخ کے
کہیں مت نکلنا اندھیرے اُجالے

ترے اور بھی ہیں طلب گار کتنے
مبادا کوئی تجھ کو وان سے اُڑا لے
کہیں قہر ایسا نہ کیجو کہ مجھ کو
بلانے پڑیں فال تعویذ والے

کسی کا تو کچھ بھی نہ جاوے گا لیکن
پڑیں گے مجھے اپنے جینے کے لالے
تری کچھ سفارش میں ان سے بھی کر دوں
کرے گا تو کیا یاد مجھ کو بھلانے

سنو دلبرو! گلرخو! مہ جبینو!
میں تم پاس آیا ہوں اک التجا لے
خدا کی رضا یا محبت سے اپنی
پڑا اب تو آکر تمھارے یہ پالے

تم اپنے ہی قدموں تلے اس کو رکھیو
تسلی دلاسے میں ہر دم سنبھالے
کوئی اس کو تکلیف ایسی نہ دیجو
کہ جس میں یہ رو کر کرے آہ نالے

تمھارے یہ سب ناز اُٹھاوے گا لیکن
وہی بوجھ رکھیو جسے یہ اُٹھا لے
نظیر آہ دل کی جدائی بری ہے
بہیں کیوں نہ آنکھوں سے آنسو کے نالے

اگر دسترس ہو تو کیجے منادی
کہ پھر کوئی سینے میں دل کو نہ پالے

کب آہ وہ کر سکتے ہیں دل کی طپشوں سے
صحبت ہی تبھیں حسن کے نازک منشوں سے

ہو چرب زباں سے نہ پریرویوں کی تسخیر
یہ لوگ جو ملتے ہیں تو دل کی کششوں سے

ہے آج تو خوش پر نہیں بلبل کو یہ معلوم
کل سر کو پٹکنا ہے چمن کی روشوں سے

خوباں تو چلے ہم سے چلن ناز کے لیکن
چھیڑا ہے انھیں ہم نے بھی کن کن روشوں سے

مدت میں نظیرؔ اس نے کیا دل کے تئیں قتل
صد شکر کہ ہم آج چھٹے سب خلشوں سے

کل سُنا ہم نے یہ کہتا تھا وہ اک ہمراز سے
دیکھتا تھا مجھ کو آج اک شخص عجب انداز سے

وہ نیاز و عجز تھا اس کی نگہ سے آشکار
جس طرح طائر کسی جا تھک رہے پرواز سے

تو جو واقف ہو تو جا اس کو بلا لا جلد یاں
میں تسلی دوں اسے کچھ شرم سے کچھ ناز سے

ہے مرا دل اس سے ملنے کو نہایت بیقرار
سن کے وہ ہمراز بولا اس بت طناز سے

میں تو اس کو جانتا ہوں نام ہے اس کا نظیرؔ
اور خبر ہے مجھکو اس کی چاہ کے آغاز سے

تم ہو سادے مہرباں اس کو بکھیڑے یاد ہیں
اور سوا اس کے مرا ڈرتا ہے جی غماز سے

سن کے یہ ہمراز سے اس نے کہا ہنس کر میاں
کچھ بھی ہو ہم تو ملیں گے اس بکھیڑے باز سے

پھڑکتی چشم ہے اور شوق بیتابی جتاتا ہے
خوشی ہے جان بھی، اور دل بھی نہیں پھولا سماتا ہے
نگہ بھی لحظہ لحظہ سوئے در آتی ہے گھبرا کر
خیال گوش بھی ہر دم طرف کھٹکے کے جاتا ہے
نجومی خود بخود آ کہہ گیا خوش وقتیاں ہوں گی
ادھر کچھ زاغ بھی پیہم صدا اپنی سناتا ہے
شگوں جتنے جہاں میں ہیں معیں شاد ہونے کے
ہر اک ان سے بھی ہر ساعت بروئے کار آتا ہے
نظیر ایسی تو باتوں سے عیاں ہے یہ کہ وہ گلرو
کوئی دم یا کوئی پل میں ابھی تشریف لاتا ہے

کچھ نہ دیکھا میں نے جز بیداد تیرے ہاتھ سے
اے مرے بیداد گر فریاد تیرے ہاتھ سے
پنجۂ خورشید بھولا تھا ید بیضا کا رشک
پھر وہی رشک اس کو آیا یاد تیرے ہاتھ سے
زخم کھایا ہم نے منہ پر جب تو قاتل نے کہا
اپنے چہرے پر ہوا یہ صاد تیرے ہاتھ سے
کھولی ناخن سے رگ دل تو نے اے فصّاد جاں
یہ نیا نشتر ہوا ایجاد تیرے ہاتھ سے
صید کیا تو نے تو مارا دل پہ صیادوں کے ہاتھ
ہاتھ ملتے ہیں غرض صیاد تیرے ہاتھ سے

ہاتھ ٹوٹیں تیرے گلچیں تو نے کیوں توڑے یہ گل
حیف کیا گلشن ہوا برباد تیرے ہاتھ سے

تو نے پنجگل سے چھڑایا یار کا دامن نظیر
ہم ہوئے جی میں نہایت شاد تیرے ہاتھ سے

دل لینے کے اوروں کو ہنر کیا نہیں آتے
پر جو تمھیں آتے ہیں وہ اصلا نہیں آتے

بازی گریاں ہم تو بہت کرتے ہیں لیکن
محبوب کبھی بہر تماشا نہیں آتے

ہم حال تو کہہ سکتے ہیں اپنا پہ کہیں کیا
جب وہ اِدھر آتے ہیں تو تنہا نہیں آتے

وعدہ تو کیا ہی کہ ہم آئیں گے پر ان کو
حیلے جو ہیں ٹُل دینے کے کیا کیا نہیں آتے

جب ہم نے نظیر اس سے کہا آئے ٹک یاں
سن کر عجب اک آن سے بولا، نہیں آتے

سہی، گو کہ جھڑ کی نرالی نکالی
جو سہ لی وہ جھڑ کی تو گالی نکالی

ڈرا دل نہ گوری جبیں کی جو جبیں سے
تو خونخوار کاکل نے کالی نکالی

کھڑے ہو کے جب زلف کھولی تو گویا
صنوبر نے سنبل کی ڈالی نکالی

رُباعِیات

ساقی سے جو ہم نے مے کا اک جام لیا
پیتے ہی نشے کا یہ سرانجام لیا
معلوم نہیں جھک گئے یا بیٹھے رہے
یا گر پڑے یا کسی نے پھر تھام لیا

اے دل جو یہ آنکھ آج لڑائی اس نے
اور پل میں لڑا کے پھر جھکائی اس نے
اپنی بے باکی اور حیا کی خوبی
تھی ہم کو دکھانی سو دکھائی اس نے

ہے چاہ نے اس کی جب سے کی جا دل میں
کیا کیا کہیے جو ہے مہیا دل میں
جاتی ہے جدھر نگاہ اللہ اللہ
آتا ہے نظر عجب تماشا دل میں

گر یار سے ہر روز ملاقات نہیں
اور ہو بھی گئی تو پھر مدارات نہیں

دل دے چکے اب قدر ہو یا بیقدری
جو کچھ ہو سو ہو بس کی تو کچھ بات نہیں

ناصح نہ سنا سخن مجھے جس تس کے
جو تو نے کہا یہ آوے جی میں کس کے
کیونکر نہ جلوں بھلا جی میں اس سے آہ
دل رہ نہ سکے بغیر دیکھے جس کے

مُخمّسات

یار فقط نہ آئنہ دیکھ کے تجھ کو ہی خجل
نکلے اگر تو صبحدم مہر بھی ہو وے منفعل
شب کو تو آ جو بزم میں بیٹھا ہمارے متصل
تیرے بھی منہ کی روشنی رات گئی تھی ہہ سے مل
تاب سے تاب رُخ سے رُخ نور سے نور ظل سے ظل

دھوم ترے جمال کی سنتے ہی سب پری رُخاں
اپنے گھروں میں چھپ گئے شرم کے مارے ناگہاں
وصف اب ایسے حسن کا اور کروں میں کیا بیاں
یوسف مصری سے میاں ملتے ہیں تیرے سب نشاں
چشم سے چشم لب سے لب زلف سے زلف تل سے تل

چاک ہی گل کا پیرہن مرنے سے عندلیب کے
پرزے کتاں کے اُڑ گئے ماہ کے دل میں داغ دے
شمع جلی جو رات کو ساتھ پتنگ بھی جلے
جتنے ہیں کشتگان عشق اُن کے ازل سے ہیں ملے
اشک سے اشک نم سے نم خون سے خون گل سے گل

قیس بھی اپنے عشق میں زور ہی نام کر گیا
مرنے کی جس کے تعزیت کرتے ہیں دشت خاک اُڑا
جان گئی تو کیا ہوا عشق میں شرط ہی وفا
جب سے ہوا ہی کوہکن کہتے ہیں اس کا غم سدا
کوہ سے کوہ جو سے جو سنگ سے سنگ سل سے سل

ہجر میں ایک عمر سے ہم بھی جو بیقرار تھے
کونسے درد و غم ہوئے آہ جو وہ نہیں سہے
شکر ہی بارے یک بیک بعد صد انتظار کے
یار ملا جو آ نظیر میرے گلے تو مل گئے
جسم سے جسم جاں سے جاں روح سے روح دل سے دل

رکھتا ہی وہ انداز ترے کان کا بالا
دیکھے تو وہیں ہو مہ نو آن کے ہالا
ہر دلبر گلرو سے ترا ناز ہی بالا
مکھڑے کو ترے دیکھ کے رشک گل لالہ
پھولے ہی پڑا دل میں تیرا چاہنے والا

لب لعل، دہن غنچہ، بدن سیم، جبیں ماہ
یاد آتی ہی دیکھے سے ترے قدرت اللہ

قامت کو ترے دیکھ یہ کہتے ہیں دل آگاہ
عالم کے چمن ساز نے یہ سرو کیا واہ

خوبی کے گلستاں میں عجب شان سے بالا

ہی آج ترے حسن کی وہ شان و تجمل
انسان تو کیا حور و ملک میں ہی پڑا غل

نازک بدناں ہو کے ترے عشق میں بلبل
سب تن کو ترے دیکھ یہی کہتے ہیں ای گل

اللہ نے کس نور کا یہ عطر نکالا

چہرے سے جو ای جان تو پردے کو اٹھاوے
خورشید بھی ذرہ ہو ترے سامنے آوے

برجیس ترے دیکھنے کی تاب نہ لاوے
مہتاب بھی منہ رشک سے ہالے میں چھپاوے

دیکھے اگر اک دم ترے مکھڑے کا اُجالا

تو حُسن کے عالم میں وہ ہی ای شہِ خوباں
محبوب ترے دیکھنے کا رکھتے ہیں ارماں

آئینہ تجھے دیکھ کے رہ جاتا ہی حیراں
دنیا میں جسے کہتے ہیں سب مل کے پرستاں

واں بھی ترے عالم نے بڑا شور ہی ڈالا

کیا کیا میں کہوں وصف ترے ناز و ادا کا
میں نے تو کوئی نازنیں ایسا نہیں دیکھا

یک شمہ یہ اس ناز و ادا کا ہی اہاہا
دل طور تغافل سے جو ہنی گرنے پر آیا
جھپ اس کو تری طرز تبسم نے سنبھالا
وہ دل کہ بہت طالع ہیں یہاں جس کے مددگار
ہوتا ہی وہ اے جاں تری کاکل میں گرفتار
رکھ دھیان عنایت پہ ترے حسن کی ہر بار
مشتاق نظیر اک نگہ لطف کا ہی یار
اس کو بھی پلا دے کبھی اس مے کا پیالا

دل کے دینے پر یہ کہئے ہوویں ہم مغرور کیا
اور وفا اپنی دکھا کر ہوویں ہم مسرور کیا
کثرت حسن اس صنم کے ہوسکیں مذکور کیا
لاوے خاطر میں ہمارے دل کو وہ منظور کیا
جس کے آگے مہر کیا، مہ کیا، پری کیا، حور کیا
چاہ تو کی ہی تمہاری ہم نے دیکر دل کو یاں
پر نہیں طرزوں سے واقف اسکی اب تک اے میاں
ہم ابھی چاہت کے کوچے میں ہیں جوں نووارداں
دل نیا ہم نے لگایا ہی بتا دو مہرباں
اس کی ہی رہ کیا، روش کیا، رسم کیا، دستور کیا
ہی یہی لازم کہ اس کی چاہ کا ہم دم بھریں
خوش رہیں یا اشک سے ہر آن آنکھوں کو بھریں

کچھ فریب و فن کے اوپر دھیان کیا اپنا دھریں
یاد ہوں عیاریاں جس کو بہت ہم کیا کریں
اس کے آگے مکر کیا، چھل کیا، فسوں کیا۔ زور کیا

دلبروں میں وہ صنم ایسا ہی سرکش تند خو
کھینچے ہی ابرو کی تیغ اُس پر اُسے دیکھے ہی جو
ٹھان کر ہم نے یہ دل میں آج ہونی ہی سو ہو
یوں کہا ہم لیں گے بوسہ اب تو چھو کر زلف کو
بولا منہ کیا، دسترس کیا، تاب کیا، مقدور کیا

دل ہوا جس روز سے اس گل کے سنبل میں اسیر
الفت و مہر اس کی ہی اس کے نہایت دل پذیر
کیا ہوا اگر وہ ہمیں رکھتا ہی نظروں میں حقیر
ہم کو چاہت ایک سی ہی اس پری رو سے نظیرؔ
رو برو کیا، در قفا کیا، متصل کیا، دور کیا

میاں یہ کس پری کے ہاتھ پر عاشق ہوی مہندی
کہ باطن میں ہوئی ہی سرخ ظاہر میں ہری مہندی
کرے خونیں دلوں سے کیوں نہ ہر دم ہمسری مہندی
کٹی، کچلی گئی، ٹوٹی، چھنی، بھیگی پسی مہندی
جب اتنے دکھ سہے جب اس کے ہاتھوں میں لگی مہندی

حنا کی مچھلیاں اس کے کفِ رنگیں میں جو دیکھیں
نگہ میں آن کر اس دم عجب رنگینیاں جھمکیں

کہوں کیا کیا میں ان مہندی بھرے ہاتھوں کی اب تزئین
شفق میں ڈوب کر جوں پنجۂ خورشید ہو رنگیں
چمک میں رنگ میں سرخی میں کچھ ایسی ہی تھی مہندی

ہتیلی چاند سی ہو جن کی اور ناخن ستارے ہوں
وہ پتلی انگلیاں جن سے نزاکت کے سہارے ہوں
طلائی نقری ہیروں کے چھلوں کے کرارے ہوں
جو گورے گورے ہاتھ اور نرم و نازک پیارے پیارے ہوں
تو بس وہ جان ہیں مہندی کی اور ان کا ہی حق مہندی

وہ پہنچے جن میں پہنچی سو نیاز و عجز سے پہنچی
اور ان پوروں کے ملنے سے بڑھی ہی شان چھلوں کی
عجب تم بھیگتی ہو اور عبث پتھر سے ہو پستی
کف نازک پر اس کے تو ہی اصلی رنگ کی سرخی
تمہاری دال یاں گلتی نہیں سنتی ہو بی مہندی

جو دیکھا میں نے ان مہندی بھرے ہاتھوں کا ہل جانا
انگوٹھی بانک چھلے آرسی کا پھر نظر آنا
مرا دل ہو گیا اس شمع رو چنچل کا پروانا
بھلا کیونکر نہ ہوں یارو میں اس کو دیکھ دیوانا
کہ ہو ویں جس پری رو کے پری ہاتھ اور پری مہندی

یکایک دیکھ کر مجھ کو وہ چنچل نازنیں بھرمی
ادھر میں نے بھی دیکھا خوب اس کو کر کے بے شرمی
کہوں کیا کیا میں اس کی اب نزاکت واہ اور نرمی
ہوئی یاں تک اسے میری نگاہ گرم کی گرمی

کہ دست و پا میں اس کے دیر تک مسلی گئی مہندی
کہاں تک گلعذاروں کے بھی ہاتھوں کو رسائی ہی
کہ جن کے واسطے اللہ نے مہندی بنائی ہی
یہ سرخی لعل نے لے پنجۂ مرجاں نے پائی ہی
نظیر اس گلبدن نے اور ہی مہندی لگائی ہی
مبارکباد، اچھا، واہ وا خاصی رچی مہندی

جہاں میں ہم سے جو پُرغم رہے رہے نہ رہے
سرور و عیش سے باہم رہے، رہے نہ رہے
جو یاں بہت رہے یا کم رہے، رہے نہ رہے
ہم اشک غم ہیں اگر تھم رہے رہے نہ رہے
مژہ پہ آن کے ٹک جم رہے رہے نہ رہے
نہ زیب کعبہ نہ دیر و مغاں کی رونق ہیں
نہ حسن دشت ہیں نے گلستاں کی رونق ہیں
کوئی کہے تو بھلا ہم کہاں کی رونق ہیں
رہیں وہ شخص جو بزم جہاں کی رونق ہیں
ہمارا کیا ہی اگر ہم رہے رہے نہ رہے
کسی کی سُن کے زبانی مرا یہ حال تباہ
چلا ہی گھر سے مجھے دیکھنے وہ حسن پناہ نور نگاہ
ہزار درد سے بھاری ہی اب یہ غم واللہ
مجھے ہی نزع میں آتا وہ دیکھنے اب آہ
کہ اس کے آنے تلک دم رہے رہے نہ رہے

درد کو اب کس طرح

فرصت عمر کی

ہم اپنے غم کو بھلا کس طرح کریں اظہار
کہ عمر اپنی تو ٹھیری ہی آکے مثل شرار
کس آرزو پہ بھلا دیویں اپنے دل کو قرار
بقا ہماری جو پوچھو تو جوں چراغ مزار
ہوا کے بیچ کوئی دم رہے رہے نہ رہے

میاں ہماری تو آنکھوں میں دم ہی بر سر راہ
یہ آرزو ہی تمہیں دیکھ لیویں بھر کے نگاہ
ہمارا وقت تو رخصت کا آ لگا اب آہ
ملو جو ہم سے تو مل لو کہ ہم بنوک گیاہ
مثال قطرۂ شبنم رہے رہے نہ رہے

بتوں کے عشق میں جینے سے ہاتھ دھو لیجے
ادا و ناز پہ ان کے نثار ہو لیجے
جو صبر و ہوش کو کھونا ہی اب سو کھو لیجے
یہی ہی عزم کہ دل بھر کے آج رو لیجے
کہ کل یہ دیدۂ پرنم رہے رہے نہ رہے

جفا و جور میاں تم نے ہم پہ جو کچھ کی
یقین ہی تم کو کہ ہم نے وہ سب خوشی سے سہی
ہزار بات کی اک بات ہی یہ سن لو جی
تمہارے غم میں غرض ہم تو دے چکے ہیں جی
بلا سے تم کو بھی اب غم رہے رہے نہ رہے

تمہاری بزم میں اس وقت ہم جو حاضر ہیں
نہ جانیو کہ ہمارے یہ بار خاطر ہیں

نسخہ اشک ادا ہم بھی

ہم اپنے کام میں ابے یار، یار شاطر ہیں
یہی سمجھ لو ہمیں تم کہ اک مسافر ہیں
جو چلتے چلتے کہیں تھم رہے رہے نہ رہے

ہوس ہے اب تو یہی نقد دل تلک دیجیے
شراب عیش کی خوباں میں بیٹھ کر پیجیے

بھرا ہے شوق بہت دل میں آہ کیا کیجے
نظیر آج بھی چل کر بتوں سے مل لیجے
پھر اشتیاق کا عالم رہے رہے نہ رہے

اب تو ہر شوخ پری وش نے سنبھالا بالا
ہر کہیں زور دکھاتا ہے اُجالا بالا

سب کے بالوں سے تمہارا ہے نرالا بالا
تم نے جس دن سے صنم کان میں ڈالا بالا
ہو گیا چاند سے رخسار کا ہالا بالا

آئی وہ شوخ جو کل ناز و ادا سے اس جا
تھی وہ سج دھج کہ پری دیکھ کے ہو جائے فدا

پھرتیاں اس کے میں غمزوں کی کہوں اب کیا کیا
نوک مژگاں کو خبر ہونے نہ دی آہ ذرا
دل کو یوں اس کی نگہ لے گئی بالا بالا

چال چلتی ہے عجب آن سے وہ ناز بھری
ہر قدم پر مرے سینے میں ہے ٹھوکر لگتی

مستیاں واہ میں کیا کیا کہوں اس جوبن کی
جب ہلاتی ہی صراحی سی وہ گردن اپنی
نشۂ حسن کو کرتا ہی دو بالا بالا

اس کی پلکوں کی جو لگتی ہی مرے دل میں نوک
ای دل اس شوخ کے تو بالے سے جوبن کو نہ ٹوک
آہ سینے میں کروں اپنے میں کس کس کی روک
ایک تو قہر ہی کانوں میں کرن پھول کی جھوک
تس پہ کافر ہی جگر چھیدنے والا بالا

بالے بھٹکاوے کے انداز تھے کرتے کیا کیا
جز خجل ہونے کے کچھ جی سے نہ بن آتا تھا
یہ جو ہر جھوک میں ہی اپنی جھلک دکھلاتا
ای دل اس بالے کی ہرگز تو لگاوٹ پہ نہ جا
تجھ کو بتلاوے گا بالی پہ یہ بالا بالا

جب وہ بن ٹھن کے نکلتے ہیں بنا حسن کی شان
اس کی ہر آن پہ ہوتی ہی فدا میری جان
طرز چتون کی لگاوٹ میں دکھا سحر نشان
وہ بھی کیا آن کا ڈھب ہی کہ دکھاتا ہر آن
کان کے پاس سے سرکا کے دوشالا بالا

ہو گیا جب سے دل اس شوخ کے بالے میں اسیر
کوئی بن آتی نہیں وصل کی اس کے تدبیر
یاں تک اس بالے نے کی ہی مرے جی میں تاثیر
اب تو رہ رہ کے مرا دل یہی کہتا ہی نظیر

اک نظر چل کے مجھے اس کا دکھا لا بالا

بہر دنیا کس قدر بے جام مے مستانہ تھا
خوش معاشی کے لئے مشتاق بیتابانہ تھا

شمع بزم عیش و عشرت کا بجاں پروانہ تھا
یہ دل ناداں ہمارا بھی عجب دیوانہ تھا
اس کو اپنا گھر یہ سمجھا تھا جو مہمان خانہ تھا

رات دن تھا محو ربط و اختلاط دوستاں
کچھ وفا اور بیوفائی کا نہ رکھتا تھا گماں

اس کی نادانی و کم فہمی کروں کیا کیا بیاں
تھے جو بیگانے یگانے ان کو گنتا تھا بجاں
اس قدر غفلت میں عقل و ہوش سے بیگانہ تھا

ہے طلسم پر عجائب عالم ظاہر سمات
جس کا رخ آیا ادھر بازی ہوئی پھر اسکی مات

راستی پوچھو تو ہے سو بات کی یہ ایک بات
لے لیا معنی کو اور صورت کو جانا بے ثبات
غور سے دیکھا تو عالم میں وہی فرزانہ تھا

فی المثل پہنچے بہم یاں درہم و دینار و دام
با سرور روز و شب تا انتعاش صبح و شام

یہ نہیں وہ مے جو ٹھیرے ایک ساغر میں مدام
کیا غم اس اسباب ظاہر کا نہ ہو جس کو قیام
چشم معنی بیں میں یکساں ہے اگر تھا یا نہ تھا

جائے عشرت کیا جہاں ہووے تبدل ہر زماں
یعنی جو ثروت تھی یاں سو آج پہنچی جا کے واں
فکر سے دیکھا تو کیا تنبیہہ ہے اے دوستاں
کہتے ہیں عہد سلف میں تھا کوئی ایسا مکاں

قطعۂ خلد اس کا ایک اک کنج اور کاشانہ تھا

رفعت اس کے بام کی بام فلک سے تھی دوچار
منظریں بھی حسن و خوبی میں تھیں یکسر آشکار
ہر مکاں اس کا مرصع اور مطلا استوار
پر صفا و پر ضیا و پر نگار و پر بہار

زیب سے سو سو طرح اس میں جو شاخ او شانہ تھا

ساکن اس کے عیش کے رکھتے تھے کیا کیا کچھ ورود
کر رہے تھے سو تماشے خوش دلی کے زود زود
بج رہے تھے جا بجا قانون و بین و چنگ و عود
لحظہ لحظہ عیش و عشرت دمبدم رقص و سرود

گریۂ مینا و یکسر خندۂ پیمانہ تھا

کچھ نہ رکھتے تھے بغیر عیش و طرب کے دل میں یاد
تھے مہیا سب طرح خاطر کے مقصود و مراد
سیر کرنے کو بہ ہنگام مسا یا بامداد
مالک اس کا جب وہ پشت بام پر پھرتا تھا شاد

کیا کہوں کیا کیا اسے ناز سرافرازانہ تھا

عشرتیں کرتا تھا واں ہر دم وہ کس کس طور سے
ہرگز اندیشہ نہ تھا کچھ آسماں کے جور سے

یہ تبدل سوچیو اے دوستو ٹک غور سے
تھا جہاں یہ کچھ عیاں واں انقلاب دور سے
یک مزہ برہم زدِ ل میں کچھ نہ تھا ویرانہ تھا

ہو جہاں یہ شکل واں باقی رہے کیا ہوش ہیں
سردی آجاوے نہ کیونکر پھر ہوس کے جوش ہیں
کس طرح سے دل تحیر کے نہ ہو آغوش میں
واں طنین یک مگس آئے نہ ہرگز گوش میں
جس جگہ شورِ قیامت سازِ نوبت خانہ تھا

کیوں نہ ہو عقل و خرد کی عالمِ حیرت میں راہ
ایسے ایسے جب یہ تبدیلات آجاویں بگاہ
خطفۂ برق ان کو گنئے یا شراب کہئے آہ
واں نظر آیا نہ ہرگز پارۂ سنگ سیاہ
جس جگہ لعل و گہر سے پُر جواہر خانہ تھا

جس گھڑی اسباب دنیا اس قدر ہوں بیوفا
پھر دل آگاہ کو کیا اعتماد اس کا بھلا
بے بقائی اس کی جو جو کہئے وہ سب ہی بجا
خوب جو دیکھا نظیر ان رفتگاں کا ماجرا
بہرِ خوف و عبرتِ آیندگان افسانہ تھا

قطعات

کہا یہ دل نے مجھے ایک دن کہ باغ کو دیکھ
ذرا تو چل کے گلستاں کو شب چراغ کو دیکھ
جونہی گیا میں چمن میں تو دل ہوا خرم
گلوں کے حسن کو اور ناز اور دماغ کو دیکھ

کہ اس میں آیا نظر مجھکو اک گل لالہ
میں شاد اس کے ہوا عیش با فراغ کو دیکھ
یکایک اس نے کہا تو نگہ نہ کر مجھ پر
نہ میرے بادۂ شبنم سے پر ایاغ کو دیکھ
نہ مری دیکھ تو سبزی نہ رنگ سرخ نظیر
ہی درد مند اگر تو تو میرے داغ کو دیکھ

ایک دن رو کر لگا کہنے دل شیدا مجھے
تو نے عیش زندگانی کچھ نہ دکھلایا مجھے
میں کہا، بازار دنیا میں ہی سب کچھ دیکھنی
جو تجھے درکار ہی اس کی تو کر ایما مجھے

گر یہ دولت چاہئے تجھ کو تو ہی یہ بیوفا
بیوفا سے پھر توقع کیا تجھے اور کیا مجھے
وصف اس بازار دنیا کا کہوں میں تجھ سے کیا
اک نکتہ اس گھڑی ہی خوب یاد آیا مجھے

ایک مزارستاں میں اے دل اک مزار کہنہ تھی
واں ہدایت نے شگاف ایک اس میں دکھلایا مجھے

مختصر تھی اک چمن بندی اور اس میں ایک شخص
مسند زرین پہ بیٹھا واں نظر آیا مجھے

ناگہاں باصد تاسف ہائے دنیا کہہ اٹھا
اس کے کہنے سے تعجب ہو گیا اس جا مجھے

میں کہا ان خوبیوں میں چاہئے افسوس کیا
سن کے بولا اس کا اب افسوس ہی آتا مجھے

میں نے واں کی تھی عبادت اور ریاضت چند روز
لطف حق نے اس کے بدلے یاں یہ کچھ بخشا مجھے

اور جو میں بھر عمر رہتا واں عبادت میں تو پھر
کیا کہوں اس کی عوض ملتا یہاں کیا کیا مجھے

سن کے اس نکتے کو مجھ سے یوں کہا دل نے نظیرؔ
سچ کہا تو نے نہایت یہ پسند آیا مجھے

ایک دن دل خود بخود اک بار قہ قہ کر ہنسا
میں نے اس کا دیکھ کر وہ خندۂ دنداں نما

یوں کہا تجھ کو ملا کیا گنج دولت کا کوئی
یا پڑا پایا کوئی تو نے جواہر بے بہا

یا کہیں سے منصب و جاگیر کی پہنچی نوید
یا تجھے خط اماں کلک اجل نے لکھ دیا

تو ہی غرق معصیت تجھ کو تو ہو کر منفعل
چاہئے عذر گنہ کرنا بصد درد و بکا

ایک دن تیری طرح سے میں بھی باعیش و نشاط
مثل گل خنداں و خرم اک گلستاں میں گیا

دیکھ کر ہنستا مجھے اک گل یہ بولا او میاں
اس قدر اس باغ میں ہنسنا نہیں تجھ کو روا

میں نے اس کو یوں کہا آخر اسی گلزار میں
تو بھلا کس واسطے ہنستا ہے ایسا کِھلکِھلا

سن کے اس نے قطرۂ شبنم کے آنسو چشم سے
کر کے جاری اور بصد افسوس یوں مجھ سے کہا

میرے اور ہنسنے میں تیرے ہے نہایت اختلاف
تو ہنسا غفلت سے اور میں عمر پر اپنی ہنسا

کل جو تھے یاں گل کھلے آج انکی ایک اک پنکھڑی
سامنے مرے اڑا کر لے گئی باد صبا

اب کوئی دم میں یہی ہوگی مری صورت نظیر
پس تیرا ہنسنا بجا ہے یا مرا ہنسنا بجا

کہا دل نے مجھے اک دن کہ یاں دولت غنیمت ہے
نشاط و کامرانی فرحت و عشرت غنیمت ہے

یہ سن کر میں نے اس سے یوں کہا کہتا ہے کیا اے دل
یہ دنیا کی ہوس ہے تو اسے کہہ مت غنیمت ہے

حباب آسا تری ہے زندگی اس بحر دنیا میں
اگر تو غور سے دیکھے تو یہ مہلت غنیمت ہے

پس اس مہلت میں تجھ سے جو عبادت اور ریاضت ہو
تو وہ نعمت تجھے اے دل بہر صورت غنیمت ہے

نظیر اب تجھ سے کہتا ہے یہ اے دل اتنی فرصت میں
جو کچھ حسن عمل کر لے تو یہ فرصت غنیمت ہے

کہا یہ دل نے مجھے دیکھ کر شب مہتاب
کہ میں ہوں اس شب مہتاب میں بہت بیتاب

جو آج کچھ بھی مرے پاس سیم و زر ہوتا
تو کیا ہی عیش کے کرتا میں اس گھڑی اسباب

بلا کے مطرب و رقاص چند بادلہ پوش
بچھا کے فرش مکلف سفید آئنہ تاب

جو چیزیں بزم طرب کی ہیں سب مہیا کر
خوشی سے بیٹھتا محفل میں جوں گل شاداب

ادھر سرور دکھاتے بہار رقص و سرود
ادھر سے عیش بڑھاتے صدائے چنگ و رباب

برستے عیش و نشاط اس طرح سے کر کے ہجوم
کہ جیسے برسے ہی جھڑ باندھ باندھ جوش سحاب

سحر تلک غرض اس بزم عشرت آگیں سے
ہزار فرحت و عشرت میں کرتا استیعاب

یہ سن کے میں نے کہا دل کو ایسی محفل تو
پچاس ساٹھ روپے میں بھی ہو سکے ہی شتاب

کچھ ایسی بات نہیں یہ تو ہی ابھی موجود
پر ایک بات میں پوچھوں جو اس کا دے تو جواب

ہوئے ہیں وہ جو جم و کیقباد و کیکاؤس
کب ان کی دولت و حشمت کا ہو سکے ہی حساب

انھوں نے کھو کے کروڑوں روپے یہ دیکھی سیر
پھر آخرش نہ وہ حشمت رہی نہ وہ اسباب

صراحی رہ گئی حسرت سے خون دل پی کر
پیالہ رہ گیا حیرت سے کرکے چشم پر آب

تو بس اسی میں تو عبرت پذیر ہو اے دل
کہ عیش و عشرت دنیا خیال ہے یا خواب
تو جس کو زیست سمجھتا ہے وہ ہے شعلۂ خس
تو جس کو عیش ہے گنتا سو وہ ہے نقش بر آب

تو آب جس کو سمجھتا ہے عطش غفلت سے
وہ موج آب نہیں ہے فقط ہے موج سراب
نہیں وہ چاندنی ہو جس کے بعد تاریکی
نہیں وہ عیش کہ ہو جس کے بعد رنج و عذاب

وہ مے کہ پہلے ہو جس میں سرور پیچھے شرور
سوائے آب شرا صلا نہ کہیے اس کو شراب
تو جس کے واسطے کرتا ہے اس قدر افسوس
مرے قیاس میں ہے وہ خلاف رائے صواب

مگر خطا نہیں تیری میں خوب سمجھا ہوں
فریب دیوے ہے تجھ کو یہ نفس خانہ خراب
تجھے تو نفس کے برعکس چاہیئے کرنا
کہ جس میں زور نہ پاوے یہ مفتری کذاب

ضیا و نور عبادت سے اپنا خانۂ دل
کر ایسا جیسا کہ ہے آفتاب عالمتاب
فروغ طاعت و تقویٰ کر اس قدر پیدا
کہ جس سے تیری شب گور ہو تجلی یاب

بھروسا عمر کا مت کر نہیں وفا اس میں
جو کچھ نکوئی ہی کرنی تو وقت رادریاب
نظیر کی تو یہی بات یاد رکھ ای دل
کہ یہ جہاں تو ہی دریا اور اس میں تو ہی حباب

ترجیع بند

ای گل اندام دل آرام پریزاد صنم
کتنے دن سے جو تری وضع کو ہیں دیکھتے ہم
نہ تکلم نہ تبسم نہ تلطف نہ کرم
کیا خطا ہم سے ہوئی جس سے ہوا تو برہم
تُو تو معشوق ہی البتہ نہیں تجھ کو غم
لیکن اس بات سے ہی ہم کو بہت درد والم
چاہے شمشیر لگا لے تو پر ابرو نہ مروڑ
ٹکڑے ٹکڑے ہمیں کر ڈال تو پر دل کو نہ توڑ

خوبرویوں کے تئیں چاہئے خوش کرداری
یعنی خوش خوئی و خوش خلقی و خاطر داری
غمزدوں اپنے کی ہر آن نئی غم خواری
مہر محبوبوں سے لگتی ہی نہایت پیاری
پیار میں سہتے ہیں عشاق بھی ہلکی بھاری
خوبی رکھتی نہیں آزردگی و بیزاری

چھوڑ نرمی کو قدم سختی کی منزل میں نہ رکھ
سو گرہ زلف میں رکھ پر تو گرہ دل میں نہ رکھ

دیکھ کر تو جو ہمیں لیتا ہی ہر دم منہ موڑ
ہم سمجھ جاتے ہیں پیارے تیری خاطر کی مروڑ
بے گنہ ہم سے تو اب رشتۂ الفت کو نہ توڑ
تیری خفگی سے ہمیں ہوتے ہیں اندوہ کروڑ

عرض کرتے ہیں تیرے سامنے ہم ہاتھ کو جوڑ
یہ چلن خوب نہیں ہی اسے ای جان تو چھوڑ
ہو کے محبوب دل آرام دل آزار نہ ہو
گل کیا ہی تجھے اللہ نے تو خار نہ ہو

ہم تو ای جان دل و جاں سے ہیں اب تجھ پہ نثار
تیرے بن دیکھے نہیں رکھتے ہیں ایک آن قرار
چاہنے والوں سے لازم نہیں خاطر میں غبار
تا بمقدور نہ کیجیے دل عاشق بیزار

گرچہ عالم میں بڑے حسن کے ہیں گے گلزار
لیکن اس باغ کی ہی چاہنے والوں سے بہار
گل کی رونق جو ہی بلبل ہی کے منڈلانے سے
شمع کی گرمئی بازار ہی پروانے سے

تو جو تیوری کو چڑھاتا ہی ہمیں دیکھ میاں
اور عیاں کرتا ہی چہرے پہ یہ خفگی کے نشاں
دیکھ ناخوش تجھے ہم ہوتے ہیں دل میں حیراں
بھید اس بات کا ہوتا نہیں کچھ ہم پہ عیاں

منہ بنا بیٹھنا ہرچند کہ ہی حسن کی شان
پردہ موقع سے اگر ہو تو بجا ہی ای جان
بے سبب ہو کے خفا رنگ نہ بدلا کیجے
چشمۂ صاف محبت کو نہ گدلا کیجے

ای مرے مہر جبیں چھوڑ یہ خفگی کی چال
بدر دل دیکھ ترے غصہ کو ہوتا ہی ہلال
ہم سے وہ کونسی تقصیر ہوئی ہی فی الحال
جس کے باعث ترا اب آیا ہی خفگی پہ خیال
روٹھنے سے ترے ہی ہم کو بہت رنج و ملال
ہم ترے ذرۂ بیقدر ہیں۔ ای مہر مثال
ڈال مت ہم کو عبث غم کی پریشانی میں
بے خطا چین نہ لا اپنی تو پیشانی میں

ہم سے آزردہ جو ہونا تھا تجھے بے تقصیر
کیوں کیا تھا ہمیں پھر دام میں زلفوں کے اسیر
جس سے یک چند ملے رہتے ہیں ای ماہ منیر
عمر بھر کرتے نہیں اس کے تئیں پھر دلگیر
اب تو دل کھول کے ملنے میں نہ کر کچھ تاخیر
ہی یہی خوب ترے حق میں جو کہتا ہی نظیر
دل کو عشاق کے غنچے کی طرح تنگ نہ کر
صلح کر چاہنے والوں سے میاں جنگ نہ کر

ہم پرائی بے مہر مت اتنی روا بیداد رکھ
لطف سے ویرانۂ دل کو مدام آباد رکھ

ہم نے کیا کیا دیکھے دل تیرے رکھا ہی دل کو ناشاد
منہ دکھا کر تو بھی اب دل کو ہمارے شاد رکھ

جیسے دل دے کر کہا ہم نے کھلے بندوں تجھے
تو بھی قید غم سے ویسا ہی ہمیں آزاد رکھ

قصر دل کا انہدام اچھا نہیں ہوتا میاں
گر بھلا چاہئے تو بیدردی کی مت بنیاد رکھ

راستی پیشوں سے کرنی کجروی بہتر نہیں
اور جو کرتا ہی تو پھر یہ بات دل میں یاد رکھ

بے دماغی سے نہ چمکے گی طرح داری تری
سرد مہری سے نہ ہوگی گرم بازاری تری

اے گل خنداں لگا مت تو ہمارے دل میں خار
صاف دل میں ہم نہ رکھ تو اپنی خاطر میں غبار

ہو کے آزردہ ہمیں مایوس مت کر لطف سے
ہم فقط ہیں اک نگاہ مہر کے امیدوار

جس سبب سے تلخ ہی تو ہم سے اے شیریں سخن
مت نہاں رکھ اس کو دل میں شوق سے کر آشکار

جھوٹ ہووے گا تو آپی دیں گے ہم اس کا جواب
اور جو سچ ہوگا تو ہم آپ ہی سے ہونگے شرمسار

ہی تو بحر حسن و خوبی تجھ کو یہ لازم نہیں
موج بے تابی سے کرنا ہم کو ہر دم ہم کنار

گر تکدر کا سبب غماز بے انصاف ہی
اُس سخن چیں کی خطا ہی یاں تو سینہ صاف ہی

یاد ہی آگے جو غمازوں نے تھا بہتاں کیا
جب بچشم غور دیکھا سچ وہ نکلا تو بتا

ہیں سخن کہنے میں گو اہل ہوس سیماب طبع
لیکن ان کی بات کا ہی سوچنا بھی کیمیا

جس نے پی تیرے گلابی چشم کے پیالے ہیں مَے
اس پپیہے نے بھلا پھر اور ساغر کب پیا

لاکھ صورت سے لگاوے کوئی بے معنی سخن
ہم نے دل اے شمع رو تجھ بن کسی کو کب دیا

ہم سے چھٹنے کا نہیں چکر ترے کوچے کا جان
جب تلک پھرتی ہی سر پر آسماں کی آسیا

وہ تو از روے گماں غماز کا بہتان ہی
تو اسے جانے یقیں یہ تو بڑا طوفان ہی

قامت موزوں ہی تیرے باغ خوبی کا نہال
کیا قیامت ہی کہ تو ہم کو نہیں کرتا نہال

کبک ہوتی ہی تری رفتار کے آگے خجل
ہم سے تو بیرحمیوں کی کس لئے چلتا ہی چال

کیوں نکالے ہی ہمیں محفل سے اپنی سوچ تو
کونسا گل باغ سے دیتا ہی بلبل کو نکال

ہم تو سر پاؤں پہ رکھتے ہیں ترے ہو کر خوشی
تو ہمیں کس واسطے کرتا ہی غم سے پائمال

نقص کیا دیکھا ہمارے چاہ میں ای تندخو
جس کے باعث سے تری ہم پر یہ خفگی ہی کمال
ہم کھڑے ہیں منتظر اور تو نہیں کرتا نگاہ
اور تو اب کیا کہیں بس واہ واجی واہ واہ

تو جو رشتے کی طرح کھاتا ہی ہم سے پیچ و تاب
سوزنِ غم دل میں لگتی ہی ہمارے بے حساب
ہم کو چشمِ لطف ہی تجھ سے سو تو اس کی عوض
بے مروت، بے گنہ، بے جرم کرتا ہی عتاب

ذرہ گو ناچیز ہی پر مہر اپنے مہر سے
دیکھ کتنی دور سے کرتا ہی اس کو نوریاب
بس اس صورت سے تو بھی مہربانی کر میاں
ہم ترے ذرے ہیں اور تو ہی ہمارا آفتاب

لشکرِ آزردگی سے تیرے ای سرکش صنم
کشورِ خاطر ہمارا مدتوں سے ہی خراب
چیں بہ ابرو تیرا ہونا حق میں اپنے سیف ہی
ایک نگہ کی تو کرے ہم سے بخیلی حیف ہی

کیوں بدلتا ہی ہمیں تو دیکھ کر ہر آن رنگ
ہم ہیں تجھ سے صلح میں تو کس لئے کرتا ہی جنگ
دلکشائی جس کی کیجے مہر سے پھر جور سے
غنچہ ساں ای گل نہ کیجے اس کی پھر خاطر کو تنگ

حسن کو مت دیر پا اپنے سمجھ غافل نہ ہو
یہ وہ طائر ہی جسے اڑتے نہیں لگتی درنگ

اب جو کرنا ہی وہ کرلے دور خوبی میں میاں
پھر نہیں پھرتا کماں سے جس گھڑی نکلا خدنگ

شیشۂ دل کو ہمارے بے سبب ہو کر خفا
توڑ مت ای بے وفا سنگیں دلی کا لے کے سنگ

اس قدر بے رحم اور بے درد مت یک لخت ہو
نرم وضعوں سے میاں اپنے نہ اتنا سخت ہو

جو مزا ہی مہر میں نا مہربانی میں تہیں
لطف سے خوبی دو بالا ہوتی ہی ای نازنیں

ہو گیا جو کچھ کہ ہونا تھا بس اب جلدی سے تو
دور کر غصے کو اور رہو مہربانی کے قریں

ہی یقین تجھ کو بھی یہ دل سے کہ تیری چاہ میں
ہم نے اک مدت سے کیا کیا کچھ جفائیں ہیں سہیں

حسن کا رہنا ہمیشہ عقل میں آتا ہی کب
گرچہ دولت ہی بڑی لیکن نہیں رہتی کہیں

یہ جو ہم شکوہ ہیں کرتے تجھ سے ہو کر رو برو
سب یہ الفت کا سبب ہی ٹھیک جان اس کے تئیں

تیری خفگی سے نظیرؔ اب شاکی ہی دن رات کا
آ ملا جب تو گلے سے پھر گلا کس بات کا

ترکیب بند

تیرے لب لعل سے گل اندام
ہی حسرت لعل حسرت انجام

گلبرگ ہی غرق شبنم رشک
دیکھے سے ترا یہ لطف اندام

عارض سے خجل ہی عارض صبح   کاکل سے خجل ہی کاکل شام
یہ حسن یہ کام دل تو پاکر   رکھتا ہی عبث ہمیں تو ناکام
خوبی نے کیا ہی تجھ کو زیبا   زیبندہ نہیں ہی تجھ سے یہ کام
اتنی بھی نہ کیجئے جفائیں   جو خوبی میں آوے جس سے الزام
دکھ پا کے تری تعدیوں سے   ہم سخت بجاں ہیں ای دل آرام
اب چھوڑ عتاب کی ادا کو
دے طول نہ رشتہ جفا کو

رہتے ہیں تری جفا سے گرو   آنکھوں میں ہمارے سرخ آنسو
کاہے کو یہ شکل ہو ہماری   گر لطف کی اک نگہ کرے تو
غم دیدہ ہی مو بمو ہمارا   فرق اس میں نہ جان اک سرمو
دل تجھ سے چھڑا نہیں بھی سکتے   کچھ تو نے کیا ہی ایسا جادو
گر دیکھے تو ہنس کے اس طرف کو   سب رنج و الم ابھی ہوں یکسو
ہم چاہتے ہیں اشارہ لطف   تو کھینچے ہی ہم پہ تیغ ابرو
تنگ آئے ہیں اب تو ہم نہایت   اے برق نگاہ آتشیں خو
اب چھوڑ عتاب کی ادا کو
دے طول نہ رشتہ جفا کو

تجھ میں تو نہ تھی جفا کی علت   نفرت سے تجھے تھی سخت نفرت
کیا ہم سے خطا ہوئی کہ جس سے   کم ہو گئی تیرے دل کی الفت
باندھی ہی کمر ستم پہ تو نے   سب چھوڑ کے مہر اور محبت
رکھ ہم سے وہی نگاہ پہلی   ایسا بھی نہ ہو تو بے مروت
دل ہم سے لیا تھا منتوں سے   اب جاتی رہی کہاں وہ منت
آرام و قرار و طاقت و صبر   سب ہوتے ہیں آج ہم سے رخصت

ہر آن کی رنجشوں سے تیری
پہنچی ہی ہیں بہت اذیت
اب چھوڑ عتاب کی ادا کو
دے طول نہ رشتہ جفا کو

سمجھے تھے تجھے ہم اپنا دلدار
سو تو نے کیا ہیں دل افگار
خیر اس کا گلہ تو ہی بہت سا
اب کیجئے کہاں تک اس کو اظہار
جیساکہ تو ہی جفا سے مجبور
ہیں ویسے ہی ہم وفا سے لاچار
دل تجھ سے ابھی چھڑالیں ہم تو
پر اہل وفا کا یہ نہیں کار
اقرار کیا ہو ساتھ جس کے
پھر اس سے کبھی نہ کیجئے انکار
جتنا کہ تو ہم پہ مہربان تھا
اتنا ہی ہوا ہی اب تو بیزار
شدت سے ہم آ گئے ہیں عاجز
ای دلبر و دل شکن۔ دل آزار
اب چھوڑ عتاب کی ادا کو
دے طول نہ رشتۂ جفا کو

دل تیرے لگا کے خال و خد سے
ہم تجھ پہ فدا ہیں دیکھ کد سے
آتے ہیں تیری گلی میں بیباک
ہر روز ہم عشق کی سند سے
الفت میں تیرے لگا کے دل کو
فارغ ہیں جہاں کے نیک و بد سے
چاہت سے تیری، ہیں کسی کے
مطلب نہ قبول سے نہ رد سے
دیوانہ کو تیرے ای پری رو
کیا کام ہی دانش و خرد سے
ہم تیری ادا کے مبتلا ہیں
کاوش تو نہ کر جفا کی کد سے
آزردگیوں سے تیری ہم پر
گزرا ہی الم زیادہ حد سے
اب چھوڑ عتاب کی ادا کو
دے طول نہ رشتۂ جفا کو

ہی حسن میں تجھ کو تاجداری اور کشورِ دل میں حکم جاری
ہوتا ہی برنگ بلبل زار گل دیکھ کے تیری گلعذاری
ٹک دیکھ جفا سے تیری بے مہر کیا شکل ہوی ہی اب ہماری
دل تڑپے ہی مثل مرغ بسمل اور چشم کرے ہی اشکباری
تھا جرم وہ کونسا کہ ہم کو دی جس کے عوض یہ دلفگاری
گر ہووے گناہ ہم پہ ثابت تو ہم سے تو لے گناہ گاری
کچھ ہم میں نہیں ہی تاب و طاقت اتنی بھی نہ کر ستم شعاری
اب چھوڑ عتاب کی ادا کو
دے طول نہ رشتۂ جفا کو

وہ گل ہی تو آج حسن ایجاد ہی گلشن حسن تجھ سے آباد
قامت کا ترے بیان خوبی کرتے ہیں چمن میں سرو و شمشاد
ہیں تیری ہوا کے ہم ہوادار تو ہم کو نہ کر الم سے برباد
ہم دیکھ تجھے ہیں شاد ہوتے تو ہم کو کرے ہی غم سے ناشاد
یوں زلف میں تیری ہم پھنسے ہیں ہو دام میں جیسے صید صیاد
ہو دل سے فدا جو اپنے اوپر. اتنی نہیں کرتے اسپہ بیداد
تیرا ہی نظیر جان و دل سے سن عرض یہ اس کی اک پری زاد
اب چھوڑ عتاب کی ادا کو
دے طول نہ رشتۂ جفا کو

مثنوی

یک زماں از بحر عشرت زائے دہر آگئی دریائے خاطر میں یہ لہر
یعنی ٹک دریا کی جانب جائیے دو گھڑی وہاں دل کو خوش کر آئیے

آپڑا جب یہ ارادہ دھیان میں — جا پڑا دل شوق کے عمان میں

جی طلب کا سر بسر گھر ہو گیا — لجۂ خواہش سمندر ہو گیا

ہر طرف سے دل کے ہو کر روبرو — جوش میں آیا محیط آرزو

آگئی کثرت میں فوج اشتیاق — سر سے گذری دل کی موج اشتیاق

کھینچ کر لنگر ہوس نے ناگہاں — زورق خاطر کے باندھے بادباں

تند تر ہو کر تمنا کی ہوا — لے چلی کشتی تصور کی بہا

کیوں نہ وہ کشتی رواں ہر آن ہو — شوق جس کشتی کا کشتی بان ہو

کیوں نہ وہ کشتی طپش لیتی چلے — جس کو خواہش اور طلب کھیتی چلے

کیوں نہ وہ کشتی رواں ہو مثل باد — جس کی ہووے آرزو بادمراد

کیوں نہ وہ کشتی روانی میں ہو طاق — جس کے چپو ہوں بدست اشتیاق

کیوں نہ وہ کشتی رواں ہو تیر ساں — جس کے قبضہ میں ہوس کی ہو کماں

کیوں نہ وہ کشتی ہو پراں آب پر — دے تمنا جس کو ہر دم بال و پر

الغرض غالب ہوئی جب دل کی چاہ — سیل کی مانند لی دریا کی راہ

جب نظر آیا کنارہ بحر کا — دشت بھی اک اس کے پہلو سے لگا

جی نے یوں چاہا کہ خوش ہو دمبدم — وصف صحرا پہلے کر لیجے رقم

پر جو اول نام آیا بحر کا — پہلے اس میں ہی سخن پیرا ہوا

بھا گئیں اس کی جو طرحیں خاصیاں — کیں اسی کے آب میں غواصیاں

کیا کہوں دریا ہی وہ یا عین نور — جس کی اک اک موج ہی بحر سرور

یوں وہ آب صاف سے پر نور ہی — جس سے حسن نور کا منظور ہی

ہی یہ کچھ حسن صفا پایا ہوا — جیسے آئینہ جلا پایا ہوا

ہی یہ کچھ تہ کی تجلی گستری — جیسے آئینہ میں ہو عکس پری

تابش الماس ہی حسرت مقیم — قطرہ قطرہ روکش دُرِّ یتیم

پہلو سے دشت تھا

چاہا پہلے

جس سے گرد لا
چشمہ کافور ہی

دن میں کرتا ہی وہ آب سیم مات — رات میں ہی چشمہ آب حیات
ہی غذویت اسکی وہ شکر فشان — شہد جس کے وصف میں عذب البیان
قند ہی چپکا نہ ہی واں ہو کے مات — منہ سے مصری کے بھی نکلے ہی نہ بات
شربت اس پانی کے آگے روتا ہی — دودھ بھی پانی سے پتلا ہوتا ہی
اس کی شیرینی کی گر سنتی صفیر — بھولتی شیرین کو اپنی جوے شیر
سردی اور شیرینی اس میں یوں ملی — جس طرح ہو برف کی شیریں ڈلی
اولے اس کو دیکھ کر غش کھاتے ہیں — ہونٹ شکر کے بھی چپکے جاتے ہیں

موج رکھتی ہی نزاکت میں وہ نہر — جوں کنارے کی بناوٹ میں ہو لہر نہر
دیکھ کر اس کی وہ چین دلنشیں — رشک میں ہی یار کی چین جبیں
حد تو یہ ہی اس کے چین آباد سے — بھولی ہی جعد مسلسل یاد سے
نیمۂ شبنم کی چن کر آستیں — گر کوئی اس موج کے لاتا قریں

تاب کیا جو پاس آنا جانتی — دور ہی سے دیکھ کر چیں مانتی
جب نسیم صبح واں آجاتی ہی — بہتی ہی لہر اس سے اور لہراتی ہی دل میں کیا کیا اپنے لہریں
کیا کروں اس کے تواتر کا بیاں — اس طرح ہوتی ہی پے در پے عیاں کھاتی ہیں۔

جیسے طبع عشق زر سے زود زود — کرتی ہیں ہر دم نئی لہریں نمود
ہر حباب اس کا نزاکت جوش ہی — موج کی تھالی کا وہ سرپوش ہی
یا کہ ہی دریا نے پہنی کر کے چاہ — سر پہ شبنم کی فقط سادی کلاہ
یا ہوا نے قصد کر کے خواب کا — ہی یہ بے چوبہ بنایا آب کا
درج سیمیں ہوش اس پر کھوتا ہی — گنبد گردوں تصدق ہوتا ہی

کسنے دیکھا سیر میں اس کے سوا — آب پر الٹا کٹورا سیم کا
کسنے غیر اس کے ہیں دیکھی بہالیاں — آب پر چینی کی الٹی پیالیاں
ہی ہوا اس میں یہ کچھ خوبی بھری — جس طرح ہوتی ہی شیشہ میں پری
ہی تنک اتنا کہ وار اور پار سے — خوف رکھتا ہی نگہ کے بار سے
چمک کیا کہوں اس کی صفائی اور جھلک — کاسۂ بلور رہ جاتا ہی ڈھک دھک
موتیوں پر غم کے اولے پڑتے ہیں — تن میں شیشہ کے پھپولے پڑتے ہیں
اب کہوں خوبی میں اس کی تا کجا — بندھ رہی ہی زور میں اس کی ہوا

گردش گرداب ہی اسطور کی — میں نے اس کے وصف میں جب غور کی
فکر میں سر کو وہیں دور آگیا — ہوش کا بھی مغز چکر کھا گیا
دیکھ لے گر اس کی گردش کا کمال — چاک ہووے سینۂ چرخ کلال
کف پڑا پھرتا ہی اس میں یہ شگرف — چاک کے ہمراہ جوں پھرتا ہی ظرف
چرخ جب کہتا ہی اس پر ہوں نثار — ہی زبان موج کہتی دور پار
حیراں اس کی گردش میں وہ چکر خاص ہی — جس پہ قرباں دامن رقاص ہی
بحر دیکھ اس کی پھرت کی بیڑیاں — ناچتا ہی لے کے چکر پھیریاں
جب نگہ جاتی ہی اس میں گھرتی ہی — کیا کہوں پانی میں پھرکی پھرتی ہی
اب پڑوں کب تک میں اسکی آب میں — کشتیٔ دل جا پڑی گرداب میں
اور بھی مضموں کوی میں لاتا گھیر — گر نہ آجاتی طبیعت کو گھمیر

ماہی ایک اس کی وہ ندرت بھری — جس کے ہر اک پر کو تکتی ہی پری
دیکھتا ہی اس کی خوبی کو یہ مہر — شب کو عکس ماہ دن کو عکس مہر
ہیں وہ ان سے حسن کی ہمراہیاں — مشت میں جیسے حنا کی ماہیاں

آوے کب لطف ان کا آگاہی تلک — شورِ جن کا ماہ سے ماہی تلک جن کا غل ہے
یوں دل دریا میں ہوتی ہیں عیاں — جیسے نقطہ نون کے ہو درمیاں
ماہیِ چرخ ان کو پاکر اچھیاں — دور سے لیتی ہیں ان کی مچھیاں
ہے تڑپنے کی کجی میں وہ جمال — دن کو گر ہوتا تو غش کرتا ہلال
ایسی کچھ ان کی وہ کجیاں ہیں نفیس — دیکھتا ہے جن کو نون خوشنویس
ان کی کجیوں پر نظر جب لاتی ہے — برق کیا کیا دُہری ہو ہو جاتی ہے
آب بھی ان کی کجی کے روبرو — دلبروں کے آبروں کی آبرو
وہ کجی جب سر سے پاتک آتی ہے — نون کی گردن کی ہے بن جاتی ہے
دیدۂ شوق ان کو ہیں یوں تک رہے — جیسے ماہی کی دو چشمی ہووے ہے

ہر صدف بلور سے شفاف ہے — ریگ بھی آب گہر سے صاف ہے
ساحل اس کا وہ صفا سے ہمکنار — جس کی خوبی کا نہیں کچھ وار پار
ریگ کے ذرے جو واں ہموار ہیں — وہ بھی یکسر گوہر شہوار ہیں
کیا کہوں دروں کی اس کے آب و تاب — تک رہا ہے جن کی صورت آفتاب
ایک طرف ہیں قاز و بگلوں کے پرے — ایک طرف سارس کلنگ اور قرقرے
اس طرح کا بحر جب دیکھا رواں — دل نے بھر لیں راحتوں کی کشتیاں
طبع میں عشرت پناہی آگئی — غم کی کشتی پر تباہی آگئی

یاں سے اب لیتا ہوں میں صحرا کی راہ
ہیں عجب کچھ واں بہاریں واہ واہ
وادیِ خاطر پہ چمن سے ملتا ہے
غنچۂ دل دیکھتے ہی کھلتا ہے

گلشن اس کے حسن کا دل بستہ ہی
باغ اس صحرا کا اک گلدستہ ہی

گل سے ہر گل اب رگڑ تا دوش ہی
بلبلوں کا بھی نہایت جوش ہی

اس طرح کی جا بجا ہی سبز کاہ
جس سے ہوتی ہو ہری کشت نگاہ

ہی نزاکت اس کی سبزی میں یہ-واں
اطلس سبز اس قدر نازک کہاں

مخمل اس سبزی کے اوپر سوتی ہی
پرنیاں ہر دم تصدق ہوتی ہی

لہلہاہٹ اس کی ہی یہ خوشنما
جس طرح چلتا ہو پانی لہر کھا

برگ برگ اس کا زمرد کا نگیں
قطرۂ شبنم بھی جوں درثمیں

موج می ہی اس کی ہر موج ہوا
اک نشہ سا دل کو آتا ہی چڑھا

خواب مغز سر میں ڈالے ہی کمند
خود بخود آنکھیں ہوئی جاتی ہیں بند

اونگھ پر اونگھ اس مزے کی آتی ہی
آنکھ گہ کھلتی ہی گہ مند جاتی ہی

نکہت جیب ہوا ہی یہاں تلک
ہی معطر جسم جس سے جاں تلک

ہر شجر اس کا دُم طاؤس ہے
بوٹا بوٹا طبع کا مانوس ہے

دیکھ شکل اس دشت نزہت بہر کی
اُٹھ گئی دل سے محبت شہر کی
تازگی دیکھ اس نضارت بار کی
اُٹھ گئی اُلفت در و دیوار کی

دل نے یوں چاہا کہ اب رہیے یہیں
خلق میں کہلائیے صحرا نشیں
اب جو یہ صحرا ملا ہے بے تلاش
کیجیے یاں مثل مجنوں بود باش

چھوڑیے دانش کی خوش اسلوبیاں
دیکھیے دیوانہ پن کی خوبیاں
بے محابا شادمانی کیجیے
بے تکلف زندگانی کیجیے

دیکھیے وارستگی کی شادیاں
کیجیے دل کھول کر آزادیاں
عمر بھر اٹھیے نہ یاں سے اے نظیر
دیکھیے ہر دم یہ دشت دل پذیر

عجب دلکشا عالم حسن ہے   عجب جانفزا عالم حسن ہے
صفت حسن کی کس زباں سے کہوں   کہوں کیا اگر اس زباں سے کہوں
دکھائے ہے کس کس طرح کی بہار   فدا ہوں میں اس حسن صنعت کے یار
زباں میں اگر حسن گفتار ہو   تو شمہ بھی اس کا نہ اظہار ہو

ادا حسن کی وہ ہی اور آن بھی ۔ کہ جس پر فدا ہی دل اور جان بھی
تبسم شکر، خوشس اشارات ہی ۔ تکلم بھی ایسا کہ کیا بات ہی
سراپا عیاں زینت افزائیاں ۔ حیا، شوخیاں، جلوہ آرائیاں
جہاں صاحب حسن تشریف لائیں ۔ تو واں لوگ پھولے نہ تن میں سمائیں
اگر روٹھ بیٹھیں تو منت کریں ۔ خوشامد کریں دل سے خدمت کریں
جدھر یہ دکھا دیں جفا کاریاں ۔ اُدھر سب کریں ناز برداریاں
جنھیں ناز نیں ہنس کے دشنام دیں ۔ وہ اس کا مزا دل ہی دل بیچ لیں
جو ایک انکی جھڑکی سے ممتاز ہوں ۔ تو کیا کیا وہ دل میں سرافراز ہوں
یہ ہو کر خفا جن سے لڑنے لگیں ۔ وہ ان کو منا پاؤں پڑنے لگیں
یہ کوچے سے اپنے اٹھا دیں جنھیں ۔ وہ قسمیں دلا کر بٹھا دیں انہیں
یہ تیوری کو جن پر چڑھائے رہیں ۔ وہ چاہیں انہیں اور جفائیں سہیں
سہی قد سمن بر گل اندام ہیں ۔ صنم ہیں پری ہیں دل آرام ہیں
عناں دل کی دے کر نظیر ان کے ہاتھ ۔ غنیمت ہی الفت جو ہو انکے ساتھ

کوئی نازنیں تھا بہت خوش جمال ۔ پری شکل اور صاحب ملک و مال
وہ رنگین ادا نو گل باغ حسن ۔ کہ جس پر فدا سو گل باغ حسن
کہاں حسن کی اس کے تقریر ہو ۔ پری دیکھ کر جس کو تصویر ہو
عجب اس کی سج دھج عجب آن بان ۔ عجب اس کی شوکت عجب اسکی شان
رہی سر پہ رفعت کی وہ سج کلاہ ۔ کہ جس کو تکیں جاہ سے کج کلاہ
قبا تن میں حشمت کی وہ دلفریب ۔ کہ رہ رہ کے دیکھیں جسے جامہ زیب
چمک حسن پر مہر اور ماہ کی ۔ ترقی بہت دولت و جاہ کی
جدھر کو نکلتا وہ ہو کر سوار ۔ ادھر لوگ اس گل پہ ہوتے نثار

نگہ کی کوئی پی کے مے جھومتا کوئی اسپ کے نقش پا چومتا
کوئی دام کاکل میں ہوتا اسیر کوئی دل میں کھاتا نگاہوں کے تیر
اٹھاتا کوئی تیغ ابرو کے وار کوئی نوک مژگاں سے ہوتا فگار
غرض ملک خوبی میں تھا وہ جواں شہ دلبراں خسرو دلبراں

مکاں اس کے کیا کیا چمکتے ہوئے بلند اور وسیع اور جھمکتے ہوئے
کئی زرفشاں اور کئی سنگ کے بچھے فرش ان میں کئی رنگ کے
جو خورشید کی پڑتی اُن پر جھلک تو جاتی جھلک اُن کی کوسوں تلک
خواصیں کنیزیں بھی سب دلربا بہت خوبرو اور بہت خوش ادا
وہ ناز اُن کنیزوں کے کرتے تھے کام کہ سن کر کئی دل تھے ان کے غلام
لباسوں میں سب سیم تن سی پھریں جواہر کے گہنے پہ منت دھریں
نئے چوچلے ناز انکھیلیاں انوٹھی ادا اوں میں البیلیاں
وہ باغ اس کے سب سرو و سنبل بھرے گل و بلبل ان میں تھے بالکل بھرے
جو کچھ وصف کی باغبانی کرے تو نوک قلم گلفشانی کرے
کہے وصف گر اک خیاباں کا تو کاغذ ہو تختۂ گلستاں کا
محل اس سے ہوتا شبستان حسن چمن اس سے ہوتا گلستان حسن
ندیم اس کے خاطر کے مرغوب تھے جو یہ خوب تھا وہ بھی سب خوب تھے

گیا ایک دن کھیلنے وہ شکار عجب واں تماشہ ہوا آشکار
یہ پہنچے جو نخچیر گہ میں شتاب سب اسباب ہر صید کا بے حساب
نہ چھوٹے تھے چیتے ابھی اور نہ باز نہ جُرّے نہ شکرے سوئے کبک و قاز

یکایک نئی اک شمیم آگئی
برنگ نسیم آکے لہرا گئی

وہ نکہت کی جب واں ہوئی وارداتّ
تو اس میں ہوی یہ تعجب کی بات

کہ آئی نہ وہ یار و اغیار کو
مگر ان کو اور ان کے رہوار کو

جونہی مغز میں ان کے وہ بو گئی
تو حالت کچھ ان کی عجب ہو گئی

نہ اپنی خبر اور نہ توسن کی سدھ
نہ کچھ ہوش جاں کا نہ کچھ تن کی سدھ

وہ توسن بھی ویسا ہی کچھ ہو گیا
چلا بو کی جانب برنگ ہوا

نہ ہانکا انھوں نے نہ مہمیز کی
ولے اسنے رفتار واں تیز کی

انہوں نے تو اسکی نہ دی باگ اٹھا
وہ یکبارگی خود بخود بھاگ اٹھا

لگا تازیانہ جو تقدیر کا
تو دیکھ اس کو ہوش اڑ گیا تیر کا

سواروں نے گھوڑے اٹھائے بہت
کڑے تازیانے لگائے بہت

کیا برق ساں سرخہ و زرد کو
پر اس کی نہ پہنچا کوئی گرد کو

وہ آگے یہ پیچھے تگ و تاز میں
وہ انجام میں اور یہ آغاز میں

انہیں متصل ایڑ پر ایڑ تھی
اسے اور ہی ایڑ کی چھیڑ تھی

گرہ ایک ہوا کی نمایاں ہوی
جو نزدیک پہنچی تو پیچاں ہوی

سمیت اسپ اس کو اڑا لیگئی
یہ دیکھو ہوا کو ہوا لے گئی

جو دیکھا رفیقوں نے یہ اس کا حال
تو ہو جی میں دلگیر اور پر ملال

پھر آئے سوے شہر آنسو بہا
یہ احوال اس کے پدر سے کہا

پدر یہ خبر سن کے غمگیں ہوا
دل اس کا بہت حیرت آگیں ہوا

فلک بازی اس ڈھب کی جس جا کرے
تو واں شخص مجبور پھر کیا کرے

یہ حال اس کا جس نے سنا رو دیا
تعجب میں آ ہوش کو کھو دیا

جو ہوتا تھا واں درد و غم سو ہوا
اب آگے سنو ماجرا جو ہوا

گئی اس کو لے کر ہوا جس گھڑی تو کیا کیا چلی واں سے ہو کر کڑی
پھر آخر اسے لا کے ایک آن میں اتارا عجب اک بیابان میں
ہوا جس گھڑی واں کی ان کو لگی ہوی دل کی اور ہوش کی تازگی
یہ اترے جو اس دشت میں آن کر تو دیکھا ادھر اور ادھر دھیان کر
بڑا دشت آیا نظر ایک ہرا بہت فرحت افزا بہت دلکشا
جو آئیں نظر واں کی ہریالیاں تو کیا کیا ہوئیں دل کو خوش حالیاں
ہوا نرم نرم ایسی تفریح بار چمن میں چلے جوں نسیم بہار
کروں کیا ہوا کی میں خوبی رقم لکھوں تو ہری ہو سراپا قلم
اگر رنج کی دل میں بنیاد ہو تو سب اس ہوا سے وہ برباد ہو
کرے جس طبیعت سے ہمراہیاں تو کیا کیا جتاوے ہوا خواہیاں
خوش آئی وہاں کی انھیں جو ہوا ہوی آگے چلنے کی دل کو ہوا

رسیدن جوان بر کنار چشمہ

بڑھے جب یہ آگے کو ہو شادماں
تو دیکھا کہ اس دشت کے درمیاں
بہت خوشنما ایک تالاب ہے
صفا پرور اس کا بہت آب ہے
تموج ہے کیا کیا ادا کر رہا
کناروں تلک آب ہے بھر رہا
بنا ہے بہت طرفہ معمول میں
بڑے عرض میں اور بہت طول میں

جو فکر اس کے بحر صفت میں تبرے
تو جوں موج مضموں بہتا پھرے
قلم بھی لکھے کچھ جو آ بہر میں
تو پیرے وہ انگشت کی نہر میں
رقم ہو تو کاغذ کے اوپر شتاب
پھریں دوڑتے حرف مثل حباب
یہ کچھ موج کی سلسلہ بندیاں
کہ سنبل کی شاخیں ہوں شرمندیاں
شنا ماہیوں کا اس ادا سے میں
کہ جوں عکس مہ کا پھرے آب میں
اُگے سبزۂ سبز بخت اس کے گرد
کھڑے لہلہاتے درخت اس کے گرد
طیوران کی ہر شاخ پر ناز میں
بھریں خوبیاں ان کی آواز میں
کناروں پہ سروں کی پر آبیاں
پھریں بیچ میں ترتی مرغابیاں
بنے قاز سرخاب بگلے بہت
وہے باں کے بگلوں سے اگلے بہت
کہیں پانی پیوے کلنگوں کی صف
بطیں بھی پھریں پیرتی ہر طرف
کہیں اس کے ساحل پہ مشکیں غزال
پییں ڈال کر منہ وہ آب زلال

اسے بھی یہ دیکھ عیش گستر ہوے
پیا پانی اور شادماں تر ہوے
سمجھ میں تو ان کی بیابان تھا
ولیکن وہ دشت پرستان تھا

ماندن جوان بوقت شب در آں بیاباں

جو دیکھا وہ صحرا نیا یک بیک
تو خوش ہو یہ دیکھا کیے دیر تک
تماشا کبھی اس فضا کا کیا
کبھی وصف آب و ہوا کا کیا

ہوے دشت میں واں کے مشغول یہ
چمن اپنے گھر کے گئے بھول یہ
دل ان کا جو تھا عشرتیں گن رہا
تو اس میں کوئی دو گھڑی دن رہا

یہ سوچے کہ یاں سے اٹھا چاہیے
کہیں شب کو چل کر رہا چاہیے
کچھ اک میوے اس جا کیے نوش جاں
ہوے پانی پی کر وہاں سے رواں

ہنسی اور خوشی جب یہ آگے بڑھے
تو واں کوہ تھا اک یہ اس پر چڑھے

چڑھے کوہ پر واں جو یہ پرشکوہ
تو دیکھا مکاں ایک بالائے کوہ

نئی طرز میں اس کی دیکھی بنا
نہایت مصفا بہت دلکشا

انھوں نے نظر کر سب آرام پر
رکھا پاؤں اپنا سر بام پر

چڑھے بام پر جب یہ ہر دل پسند
تو بیٹھے اسی کو یہ کر دل پسند

ہوا اپنی راحت جتانے لگی
بلندی بہاریں دکھانے لگی

چھپا سورج اور وقت دونوں ملے
جو اس وقت کھلتے تھے گل سب کھلے

بسیرے کے طائر لگے بولنے
ہر ایک طرز بسرام کو کھولنے

جو آواز اُن کی بہت واں ہوئی
تو کیا کیا عیاں راحت جاں ہوئی

وہ صحرا کی سبزی وہ ہنگام شام
ہوے رل کے ایسے وہ حسن انتظام
کہ جوں سانولا دلبر باشنگ ہو
چھٹی منہ پہ زلف اس کے شب رنگ ہو

ہوا وصل ان کا وہ اس آن میں
کہ سنبل ہو آغوش ریحان میں
جو دونوں میں واں آشنائی ہوی
تو پھر زور میں مشک سائی ہوی

لگیں لپٹیں آنے ادھر اور اُدھر
مکاں سب گیا مشک و عنبر سے بھر
معنبر وہ صحرا وہ بن ہو گیا
غرض رشک دشت ختن ہو گیا

معطر ہوا جب اُنہوں کا مشام
تو ہنس کر کہا واہ رے یاں کی شام
یہ پھرتے تھے یوں بام پر شادماں
پھرے جوں فلک پر مہ آسماں

کوئی دو گھڑی بعد پھر واں شتاب
نمایاں افق سے ہوا آفتاب
وہ تھا کوہ اس جا جو آئینہ رنگ
تو کیا کیا چمکنے لگے اس کے سنگ

درختوں کے پتے سہانے لگے
ہر ایک شاخ پر جگمگانے لگے

ضیائیں اِدھر چاندنی رات میں
نمائش ادھر جوں طلسمات میں
وہ طائر جو ہیں بولتے رات میں
وہ مشغول سب اپنے نغمات میں
چمکنا جو تھا بھا گیا چاند کا
چکوریں بھی ناچے تھیں چاہت جتا
وہ سب دشت واں مہ کے دستور سے
جھمکنے لگا ہر طرف نور سے
غرض واں بہار اس قدر ہو گئی
کہ ان کو خوشی میں سحر ہو گئی
سحر کا بھی نور اس خوشی کا ہوا
کہ جس کو قمر دیکھ پھیکا ہوا
صباحت وہ اس کی ہوی سو بسو
کہ حیرت میں ہوں جس سے آئینہ رو
چلی اس قدر راحت افزا نسیم

سحر سے بھی یہ خوش بہت ہو گئے
جو خورشید نکلا تو پھر سو گئے
کئی دن اسی طور سے واں رہے
بہت خرم و شاد و خنداں رہے
چلے واں سے آگے بہ مقدور تک
گئے سیر کرتے بہت دور تک

اسی طور کی خوبیاں دیکھیاں
طبیعت کی مرغوبیاں دیکھیاں
کہیں دن کہیں رات کو جا رہے
جہاں دل نے چاہا اسی جا رہے

یہ جتنا کہ آگے چلے جاتے تھے
عجائب بھی ان کو نظر آتے تھے
دکھاتے تھے جلوے نگہ کے حضور
نئے کچھ وحوش اور نئے کچھ طیور

کئی دن میں چل کر یہ پہنچے کہاں
نیا باغ تھا ایک پری کا جہاں
جو آئے یہ اس باغ میں پُر سرور
تو پایا عجب رنگ و بو کا وفور

گل و نسترن سے بھری کیاریاں
نسیم اور صبا کی ہوا داریاں
زمین چمن سے وہ سبزہ اُگا
کہ سلک زمرد ہو جس پر فدا

اکڑ سرو و شمشاد کی دل پسند
صدا قمریوں کی بھی کیا کیا بلند
رہیں بلبلیں ہر طرف چہچہا
رواں نہر اور جوشش فوارہا

ہنسیں کبکیں اور زیب لاتی پھریں
تدر دیں بھی چالیں دکھاتی پھریں

گل و لالہ و سوسن و ارغوان
رہے اپنی اپنی دکھا خوبیاں

اِدھر کو رخ ماروں لعل گوں
اِدھر چشم نرگس بھی رکھتی فسوں

ادھر عبہر اپنی کیئے کج کلاہ
ادھر زلف سنبل بھی دام نگاہ

اِدھر حوض نادر ادھر آبشار
جدھر دیکھیے ہر طرح کی بہار

جو دیکھا انہوں نے وہ باغ ایک بار
طبیعت ہوی ان کی باغ و بہار

مکاں ایک تھا باغ کے درمیاں
بہت زر نگار اور جواہر فشاں

مقطع نہ اونچ اور نہ کچھ نیچ میں
عجب اونچ اور نیچ کے بیچ میں

جگہ ٹھیرنے کی اسے ٹھان کر
گیٔے بیٹھ جلدی یہ واں آن کر

کبھی عارض گل پہ ان کی نگاہ
کبھی زلف سنبل پہ ان کی نگاہ

بہت ہو کے خوش وقت واں بار بار
یہ تھے دیکھتے اس چمن کی بہار

وہ تھا باغ جس کا وہ اک آن میں
ہوی واردِ اپنے گلستان میں
عجب مہر پیکر عجب خوش لباس
خواصیں بھی اس کے بہت آس پاس.

نگہ اس کی جادو ادا فتنہ زا
جو چاہے تو لے دل پری سے اڑا
جب اس نے یہ دیکھا نیا گلبدن
تو ہو مثل بلبل وہ گل پیرہن

لگی کہنے دل میں تعجب میں آ
کہ یہ اس چمن میں نیا گل کھلا
یہ گل اس گلستاں میں بیٹھا ہی جو
کبھی یاں تو آئی نہ تھی اس کی بو

عجب ہی یہ گل گلشنِ ناز ہی
عجب دلربا شوخ طناز ہی
زرا اس سے چل کر ملا چاہیے
کچھ احوال اس کا سُنا چاہیے

یہ کہہ اپنے دل میں وہ سرو رواں
جہاں تھے یہ بیٹھے چلی آی واں
ہوی ان کے آکر وہ یوں عنقریب
کہ جوں گل کے نزدیک ہو عندلیب

منگا جلد دو کرسیاں زرنگار
بٹھایا انہیں اور وہ بیٹھی نگار

بہت خیریت پوچھ کر یوں کہا
نہایت کرم تم نے ہم پر کیا

لگی دیکھنے چاہ سے بھر نظر
انھوں نے نہ دیکھا اٹھا کر نظر

جب ان کی نگہ واں نہ اس سے لڑی
وہ سمجھی کہ اس کی نگہ ہو بڑی

غرور اس کو ہی اور ہی شان کا
یہ انسان ہی اور ہی آن کا

مجھے یہ جو خاطر میں لایا نہ ہاں
اسی میں گھلی جاتی ہو میری جاں

بڑی دیر تک پوچھتی وہ رہی
ولے کچھ انھوں نے نہ اپنی کہی

بہت پوچھنا حال کا جب کیا
یہ جب بھی نہ بولے مگر ہنس دیا

ہنسا جب وہ شمشاد باغ جمال
پری ہو گئی بس اسی میں نہال

ضیافت بڑے لطف سے اس نے کی
ہر ایک چیز پاکیزہ آگے رکھی

کھلایا نہایت خوشی سے انھیں
کیا شاد ربط دلی سے انھیں

جو پھر رسم ہی عطر اور پان کی
وہ لائی بجا اپنے مہمان کی

ہوا ناچ اور راگ بھی خوب سا
مزے پر مزا ان کے دل کو ملا
جو واں ناچ اور راگ دیکھا سُنا
نہ دیکھا کبھی تھا نہ ویسا سُنا

وہ گہنے نئے اور وہ نادر لباس
کہ حسرت میں ہو دیکھ جس کو قیاس
بہت نیند جب ان کو آنے لگی
پلک پر پلک کو جُھکانے لگی

پری نے مکان ان کو بتلا دیا
بہت فرش پاکیزہ بچھوا دیا
انہوں نے کیا جا کے آرام واں
نگہباں رہیں کتنی آرام جاں

پری باغ سے اپنے گھر کو گئی
وہ جاگی تھی جاتے ہی بس سو رہی

ہوئی جب سحر پھر وہ آئی پری
لگی کرنے دلداری و دلبری
جو کل ان سے تھا لطف و احساں کیا
تو آج اس کی نسبت دوچنداں کیا

کوئی دو مہینے تلک روز و شب
رہے باغ میں یہ بہ عیش و طرب

پری تھی دل و جاں سے ان پر نثار
لگے کہنے اس سے یہ ہو بیقرار

اگر تم کہو تو میں صحرا میں جا
شکار افگنی کا بھی لوں کچھ مزا

کہا اس نے بہتر ہے اے مہربان
کرو تم شکار افگنی جا کے واں

شتاب ایک فرس اس نے منگوا دیا
بڑے ساز سے اس کو سجوا دیا

کہا پھر بہت دور مت جائیو
اسی کوہ و صحرا میں ہو آئیو

پہر دو گے اُدھر تم تو کرتے شکار
رہوں گی اِدھر میں بہت بیقرار

نہ آؤ گے پھر جب تلک تم اِدھر
رہے گا لگا دھیان میرا اُدھر

بہت چاہت اپنی جتاتی تھی وہ
پہ خاطر میں ان کے نہ آتی تھی وہ

وہ الفت میں ان کے گرفتار تھی
انھیں اس سے نفرت تھی اور عار تھی

اُنھیں حسن پہ تھا جو اپنے غرور
اسے کچھ نہ گنتے تھے اپنے حضور

ہوئے جب یہ اس باد پا پر سوار
چلے شاد ہوتے سوئے کوہسار

جو کیں وہاں انہوں نے عنان تازیاں
تو وہ اسپ کرنے لگا بازیاں
ابھی تھا زمین پر ابھی کوہ پر
ابھی پل میں آیا اُدھر سے اِدھر

ڈپٹ میں ہوا باد، جب ایڑ کی
اُچک کر اڑا جس گھڑی چھیڑ کی
جو چاہا یہ پکڑیں پرند ہوا
تو ان کا دیا ہاتھ ان سے ملا

جو چاہیں ہرن پکڑیں جیتا ہوا
تو ان کا وہی واں بھی جیتا ہوا
ملا صید جو جو بیابان میں
کیا قید اس نے وہ ایک آن میں

طبیعت جدھر ان کی مائل ہوئی
وہی آرزو ان کی حاصل ہوئی

تو پھر جس گھڑی دن بہت سا چڑھا
درختوں کے سایہ میں بیٹھے یہ جا
یہ سایہ میں بیٹھے تھے جا کر جو ہیں
تو دیکھا کہ اس جا میں ایک نازنیں

سوار اپنے اشہب پہ آتا ہی وہ
بہت لوگ ساتھ اپنے لاتا ہی وہ

عیاں حشمتوں کا کچھ آشکار ہے
زرا حسن میں بھی طرح دار ہے
انھیں اس نے دیکھا تو خوش ہو کے وہاں
اترا اپنے توسن سے وہ نوجواں
سلام ان کو کر کے گلے سے ملا
بہت خرمی سے وہ جوں گل کھلا
وہ دیکھ ان کو جب مثل گل کھل گیا
تو اُن کا بھی واں اس سے دل مل گیا
ہوی اس کو ان سے محبت بہت
انھیں بھی ہوی اس سے الفت بہت
کہا گھر میں رکھیے ہمارے قدم
ہماری تو آنکھیں تمہارے قدم
انھیں واں سے وہ سیمبر لے گیا
غنیمت سمجھ اپنے گھر لے گیا
وہ توسن پہ آے تھے جس پر سوار
دیا بھیج جس کا تھا وہ راہوار
پری ان کی خاطر بھٹکتی رہی
بہت دل ہی دل میں بلکتی رہی
یہ آے جو گھر میں پری زاد کے
تو دیکھے مکان طرفہ بنیاد کے
چمن گلفشاں دلکشا خوب تر
ہر ایک چیز نادر خوشں اسلوب تر

جو ہم عمر ان کا تھا وہ نوجواں
بہت خوش ہوا ان کے آنے سے واں
سوا اُس کے واں اور ہم سن وسال
اُنھیں بھی ہوی ان سے الفت کمال

لگے رہنے ان ہمنشینوں میں شاد
پری کا نہ آیا وہ پھر باغ یاد
یہ دلخواہ صحبت جو اُن کو ملی
تو کیا کیا ہوی ان کو واں خوشدلی

سحر سے لگا شام تک فرحتیں
لگا شام سے صبح تک عشرتیں

رہے واں بہت خوش یہ دو چار ماہ
پھر اک دن پری زاد پر کر نگاہ
کہا یاں جو بہتر کوئی ہو مکاں
تو ہم کو دکھاؤ تم اے قدرداں

کہا اُس نے یاں اک مکاں ہے نیا
برابر نہیں اُس کے یاں دوسرا
تمھیں کل ہم اس جا میں لیجائیں گے
بہت خوبیوں سے دکھالائیں گے

سحر کے یہ ہوتے ہی نکلے شتاب
ہوا وہ پری زاد بھی ہمرکاب

وہ گھوڑے ہوا کا جو بھرتے تھے دم
اُنھوں نے رکھا دم میں اس جا قدم

گئے واں یہ جس دم نزاکت نشاں
تو دیکھا عجب اک بلوریں مکاں

ہرا گرد صحرا تھا کوسوں تلک
بچھا فرش مینا تھا کوسوں تلک

بنا یوں وہ اس سبز صحرا میں تھا
کہ الماس ہے جوں زمرد میں جا

بلند اس قدر وہ ضیا دستگاہ
کہ بھولوں کو اکثر بتاتا وہ راہ

جھلک اور جھمک اس کی واں اس قدر
کہ آئینہ شرمندہ ہو دیکھ کر

وہ صحرا جو پہلے انھیں تھا بلا
یہ صحرا جو دیکھا وہ ٹھیرا بُرا

مکاں جتنے دیکھے تھے خوش قطع واں
وہ بھولے اُنھیں جب یہ دیکھا مکاں

یہ مائل جو اُس دلنشیں کے ہوئے
تو مشتاق اس کے مکیں کے ہوئے

کہا اس پریزاد سے ہنس کے واں
کہ ہم کو خوش آیا بہت یہ مکاں

اب اس کی ہے اس دم تمنا ہمیں
کہ جس کی یہ جا ہے ٹک اس سے ملیں

سنا جب یہ اس نے تو اُن سے کہا
اسے دیکھ لینا نہیں کچھ بھلا
یہ جس کا مکاں خوب پرنور ہے
بہت حسن پر اپنے مغرور ہے

نگہ برق زلف سیہ جال ہے
ستمگر ہے سرکش ہے قتال ہے
گھمنڈ اپنی سج پر ہے اس کو بہت
غرور اپنی وضع پر ہے اس کو بہت

بڑے حسن میں یاں جو ہیں خوبرو
تو ان کو وہ کہتی ہے یہ کیا ہے تو
یہ نام اس کا ہے وہ جو محبوب ہے
نہایت طرح دار اور خوب ہے

یہ سُنکر انھوں نے کہا واہ واہ
بھلا ہم بھی اب دیکھ لیں اک نگاہ
اسے ہم جو ٹک دیکھ جاویں گے یاں
کریں گے صفت جا کے ہم اپنے ہاں

پری زاد یار، ان کو لایا اُدھر
جہاں جلوہ گر تھی وہ رشک قمر
ہوئے واں جو یہ اس پری سے دوچار
پڑے دام ان پر ہزاروں ہزار

وہ محبوب بھی دیکھ انھیں غش ہوئی
عیاں چاہ کی دل میں آتش ہوئی

کہا آیئے یاں کرم کیجیے
کنیزی میں اپنی ہمیں لیجیے
یہ بولے کہ ہم پر جو اعطاف ہے
فقط آپ کا حسن الطاف ہے
وگرنہ یہ رتبہ ہمارا کہاں
جو یاں آویں یہ ہم ہیں یارا کہاں
اُدھر عجز اس نے کیا بار بار
ادھر سے اِنھوں نے کیا انکسار
دلوں میں بہم تازہ الفت ہوئی
پھر الفت سے بڑھ کر محبت ہوئی
پھر آگے محبت کے تو عشق ہے
ہوا عشق پھر عشق کو عشق ہے
ہوے دونوں آپس میں جب مبتلا
تو لائی وہ رسم ضیافت بجا
وہ کھانے جو تھے زرفشاں خوان کے
سو آگے رکھے اپنے مہمان کے
نہایت تکلف کی تیاریاں
ملیں ان کو کیا کیا مزیداریاں
دکھایا انھیں ناچ پھر اس قدر
کہ جادو نے مجرا کیا آن کر
پکڑ ہاتھ چاہت جتاتی پھری
مکانات ان کو دکھاتی پھری

چمن بھی پھر اپنے دکھائے انھیں
تر و تازہ میوے کِھلائے انھیں
بڑا لطف ان پر نمایاں کیا
ہزار عیش سے ان کو شاداں کیا

پری کی جو مادر تھی والا صفات — تو واں اُس نے کی تھی مقرر یہ بات
کہ جب تک رہے دن یہ اس جا رہے — جو شب ہو تو مجھ پاس پھر آ رہے
پھر اس میں جو دن واں ذرا سا رہا — دیا اس نے معمول اپنا جتا
گئے تھے جو دونوں دل آپس میں مل — تو ہوتا نہ تھا واں سے اٹھنے کو دل
یہی تھی تمنا یہی تھی طلب — کہ بیٹھے رہیں متصل روز و شب
پھر اتنے میں چھپنے لگا آفتاب — یہ بے بس چلی واں سے اُٹھ کر شتاب
پھر آئے جو گھر تھا پریزاد کا — و لیکن دل ان کا اسی جا رہا
رہی جی میں اس کی ملاقات بھر — نہ آئی انھیں نیند واں رات بھر
ہوئی ان کے جی پر جو یاں واردات — وہی حالت اس کی رہی ساری رات
سحر پھر چلے اس کا لیتے یہ ناؤں — وہ محبوب بھی آئی تاروں کی چھاؤں
ملے جب تو پھر شادمانی ہوئی — عیاں سو خوشی کی نشانی ہوئی
بہم مل کے بیٹھے جو دونوں وہ گل — گئی رات کی غنچگی دل سے کھل
خوشی کے لگے ہونے باہم سخن — طرب کے کھلے جی میں کیا کیا چمن
لگی ہونے مہر و وفا آشکار — یہ اس پر فدا اور وہ ان پر نثار
بہت شام تک خوش طبیعت رہی — ہر ایک طور خاطر کو فرحت رہی
اسی طور مدت تلک دم بدم — رہے شاد و مسرور دونوں بہم

یہ ملتے جو ہر روز تھے بے خطر
تو اک دن ہوا اس خلل کا اثر

کہ ناگہ ادھر اس کی ماں آگئی
پری دیکھ کر اس کو تھرا گئی

نہایت وہ غصہ ہوی اور خفا
انھیں تو نہ ہرگز کچھ اس نے کہا

طمانچہ مگر اس کے عارض پہ مار
اسے لے گئی واں سے ناچار وار

جو اس کے طمانچہ وہ آکر لگا
تو واں منہ پر اور ان کے دل پر لگا

وہ مہوش جو مکھڑا ہوا لال کچھ
تو ان کے ہوا دل کا احوال کچھ

وہ نقش انگلیوں کا جو اس جا ہوا
تو نقشا عجب ان کے دل کا ہوا

قرار دل اور ہوش جاں کھو دیا
جو کچھ بس نہ دیکھا تو بس رو دیا

پھر آکر یہ گھر میں پریزاد کے
ہوئے ہم نفس آہ و فریاد کے

ہوا ہجر کا ان کے دل پر وہ جوش
کہ خواب و خورش کا رہا کچھ نہ ہوش

نہ باہر یہ نکلیں نہ باتیں کریں
دم سرد ہر دم یہ بیٹھے بھریں

یہ بیکل اُدھر وہ پری بیقرار
یہ آہیں کریں وہ اُدھر اشکبار

رہا ایک مدت اسی طور حال
اُنھیں درد و غم اس کو رنج و ملال

پری زاد دیکھ ان کو جنجال میں
پڑا سخت تشویش کے جال میں

کوی سوچ کر بات دل میں وہیں
گیا واں جہاں تھی وہ اندوہگیں

حضور اس کی ماں کے بصد عجز جا
جھکا سر کو اور پاؤں پر گر پڑا

کہا وہ جو گھر میرے انسان ہی
کہوں کیا وہ میرا دل و جان ہی

جو اس کے تئیں میں نہ لاتا ادھر
تو برسوں تلک وہ نہ آتا ادھر

اگر پر لگاتا وہ اسباب میں
تو ہرگز پہنچتا نہ یاں خواب میں

وہ انساں ہی اور یہ پرستان ہی
وہ اس جا مسافر ہی مہمان ہی

بہت شرمگیں اور ہی صاحب حیا
نہیں اس نے کی یک سر مو خطا

میں، لایا اسے جب یہ الفت ہوئی
یہ میرے سبب سے محبت ہوئی

نہیں زہر ہرگز وہ تریاک ہے
اُسے آج تک الفت پاک ہے

اب اس کا پریشاں بہت حال ہے
اِدھر یہ بھی فرقت سے پامال ہے

رہے یونہی دونوں جو اندوہگیں
تو کچھ شکل جینے کی اُن کے نہیں

مناسب تو اب عقل کے ہے یہی
کہ نسبت سے دونوں کی ہو زندگی

مجھے عرض کرنا سزاوار ہے
مزاج آپ کا آگے مختار ہے

نہایت وہ صاحب خرد تھی پری
اسی بات میں دیکھ کر بہتری

کہا خیر بہتر ہے اب جائیے
برات اُس کی جاکر بنا لائیے

یہ فرماں ہوا جب پریزاد کو
چلا اپنے گھر کی طرف شاد ہو

جب آیا وہ گھر اپنے فرخندہ فال
بہت خوش ہو کھولا در گنج و مال

وہ کیں اس نے شادی کی تیاریاں
کہ جس کی ہوئیں واں نمو داریاں

کیے طرفہ عشرت کے سامان سب
نمایاں ہوئے دورِ عیش و طرب
ہزاروں پریزاد رنگیں قبا
ہوئے بزم شادی میں رونق فزا

کئی دن تلک ناچ اور راگ کا
ہر ایک اہل محفل نے پایا مزا
بہت خوان واں نعمتوں کے دھرے
کھلائے ہر اک کو ورے اور پرے

گل اور پان بھی طرفہ آداب سے
بھرے ظرف شربت سے اور آب سے
وہ سلک زمرد دُرِ بے بہا
وہ ہر چیز شادی کی عشرت فزا

وہ سہرا سنہرا جواہر نگار
وہ جوڑا شہانا وہ گوہر کے ہار
بخوبی یہ سب کچھ پنہا یا اُنھیں
بہت خوب دولھا بنایا اُنھیں

بنا زیب و زینت سے اک راہوار
کیا ان کو اس پر بہ زینت سوار
ہوئی جب عیاں تھی جو ساعت بھلی
برات اُن کی بن ٹھن کے یاں سے چلی

گئے اس کے در پر تو کر کر نگاہ
لگے کہنے سب شاد ہو واہ واہ

غرض جا کے اتری جب ان کی برات
رہیں چھلیں اور عشرتیں ساری رات

جو رسمیں تھیں وہ سب خوشی سے ہوئیں
سبھی باتیں سو خوشش دلی سے ہوئیں

پری سے ہوا بیاہ ان کا جو واں
بہت عیش و عشرت ملی ان کو ہاں

پھر اک تخت پر بیٹھ کر شان سے
پری کو یہ لائے پرستان سے

ہوئیں ان کے ماں باپ کو فرحتیں
اُنھیں بھی رہیں عمر بھر عشرتیں

جو دیکھا عجب عظمت حسن ہی
جہاں میں بڑی دولت حسن ہی

جو کچھ حسن میں خوبی آیات ہی
وہ خوش ہی نظیر اس کی کیا بات ہی

عجب عشق کا رتبہ و جاہ ہی
عجب عشق کی رسم اور راہ ہی
عجب عشق کی شوکت و شان ہی
عجب عشق کا طور و عنوان ہی
عجب عشق کا رمز اور راز ہی
عجب عشق کا سوز اور ساز ہی
مجھے بھی جو ہی کچھ مزا عشق کا
سخن دل میں رکھتا ہی جا عشق کا
سنا تھا جو میں نے کبھی ایک جا
تو لکھتا ہوں یاں سے میں ابتدا

کوئی شخص تھا صاحب عز و جاہ
کسی وقت میں تھا وہ حشمت پناہ

بہت حسن و خوبی میں آراستہ
بہت زیب و زینت میں پیراستہ

بہت اس کی تھیں وضع میں خوبیاں
طرح داریاں اور خوش اسلوبیاں

یہ تھا خُلق اور جسم میں نرم پن
کہ جس پر فدا تھے گل و نسترن

نہایت مزاج الفت انگیز تھا
تکلم بہت شکر آمیز تھا

سخن میں طبیعت تھی مُشکل پسند
مضامین رنگیں بہت دل پسند

محبت بہت ہر گل اندام سے
دل آرام رکھتا دلآرام سے

سخن حسن کا اس کے مرغوب تھا
ادا کا سمجھنا بہت خوب تھا

محل اور مکاں تھے وہ کچھ خوشنما
کہ تھی واں نگہ کو تحیر کی جا

عجب رونق ان میں نمودار تھی
پری اس جگہ نقش دیوار تھی

مہیا سب اسباب نُدرت کے ساتھ
ہر اک چیز تھی سو نزاکت کے ساتھ

کئی یوں تو اس کے گلستان تھے
بہاروں کے ان سب میں سامان تھے
ولے ایک باغ اس کے منظور تھا
دل اس کا بہت اس سے مسرور تھا
گل اس کے بہت رنگ و بو سے بھرے
دو رستہ کھڑے سرو باندھے پرے
طرب عندلیبوں کی آواز میں
نسیم عیش میں اور صبا ناز میں
ادھر نسترن کے رہے بھر چمن
ادھر یاسمین کے چمن در چمن
ادھر سرو کے سنبل آغوش میں
اُدھر ڈالیوں کے گل آغوش میں
ادھر چاندنی جگمگاتی ہوئی
ادھر نرگس آنکھیں لڑاتی ہوئی
ادھر بلبلیں عشق میں بھر رہیں
ادھر قمریاں شور و غل کر رہیں
ادھر شان شمشاد زینت فزا
ادھر آب ا نہار موج انتما
وہ غنچوں کے لب مسکراتے ہوئے
وہ گل شاخ پر کھلکھلاتے ہوئے
رہی زور سبزوں میں بھر تازگی
ادھر کو تری اور ادھر تازگی
وہ اس باغ میں گلعذاروں کے ساتھ
بہت سیر کرتا بہاروں کے ساتھ

ہوئی ایک دن واں عجب واردات
کہ اس باغ میں وہ رہا ایک رات

ہوئیں بزم عشرت کی تیاریاں
نشاط و طرب کی نموداریاں

مے و ساقی و مطرب خوش نوا
سبھوں نے دیا حسن محفل بڑھا

صراحی گلابی جھمکنے لگی
مے ناب ہر دم چھلکنے لگی

وہ رقاصہ ہا شوخ اور اچپلی
ادا ان کی چنچل نگہ چلبلی
لباس ان کے جھمکیں دکھاتے ہوے
وہ زیور بھی سب جگمگاتے ہوے

وہ سب ناچنے اور گانے لگیں
مزے زندگی کے دکھانے لگیں
گئی رات آدھی جو اس میں گزر
ہوئی نیند آنکھوں میں آ جلوہ گر

جو غالب وہ خواب آن کر ہوگیا
تو اس عیش و عشرت میں وہ سوگیا
وہ سویا جو عشرت کے اسباب میں
تو یکبارگی آن کر خواب میں

دل اس کا کوئی نازنیں لے گئی
وہ گل تھا اسے بیکلی دے گئی
دکھا کر جھمک وہ تو چلتی ہوئی
رہی اس کی جاں ہاتھ ملتی ہوئی

دکھا حسن اس نے اُدھر راہ لی
اِدھر اس نے کی آہ اور چاہ لی
دکھا آن وہ تو نہاں ہوگئی
اسے زندگی بار جاں ہوگئی

دکھا زلف وہ تو گئی جال میں
دل اس کا پڑا عشق کے جال میں

دکھا آں وہ تو گئی آن میں
بھرا عشق اس کے دل و جان میں

دکھا تیغ ابرو کی وہ نازنیں
گئی کر کے زخمی جب اس کے تئیں

کھلی یک بیک آنکھ اس خواب سے
ہوا تر بتر چشم کے آب سے

اگرچہ وہ جاگا پہ روتا رہا
دل اس کا فدا اس پہ ہوتا رہا

اگرچہ وہ جاگا تو فی الفور تھا
ولے اس کے دل کا وہی طور تھا

اگرچہ وہ جاگا تو ہنگام سے
پہ اس کا نہ چھوٹا دل اس دام سے

اگرچہ وہ جاگا تو حسرت بھرا
نہ بھولا مگر اس صنم کو ذرا

خلل آگیا اس کے احوال میں
پڑا کچھ عجب ڈھب کے جنجال میں

کبھی یاد اس حسن اور شان کی
کبھی یاد اس ناز اور آن کی

کبھی یاد اس مہ سے رخسار کی
کبھی یاد اس چشم خونخوار کی

کبھی یاد اس طرز مرغوب کی
کبھی یاد اس قامت خوب کی

کبھی یاد اُس زلف کج باز کی
کبھی یاد اس دھج کے انداز کی
طپش دمبدم دل کے ہمراہ تھی
خلش ہر گھڑی ہر نفس آہ تھی

نہ لگتی تھی کچھ بات جی کو بھلی
وہی بیقراری وہی بیکلی
تحیر میں آکر پڑا ایک بار
نہ دل کو تسلی نہ جی کو قرار

رکھے دل میں اس بھید کو یا کہے
عجب حال تھا کیا کرے کیا کہے
نہ کچھ عشق کا جلد آنا ہوا
کہ عاقل سے دم میں دِوانا ہوا

دیا جھپ کچھ ایسا جھکڑا دکھا
کہ سویا خوشی سے اٹھا غم بھرا
نمایاں ہوئی جب سحر آن کر
تو خادم وہ سب وقت پہچان کر

لے آیا کوئی گڑ گڑی کو بنا
کوئی آفتابے کو لایا اُٹھا
نظر آیا مسند پہ لیٹے ہوئے
دوپٹے سے منہ کو لپیٹے ہوئے

کہا شب جو گزری مے و جام میں
ہیں اس واسطے اب تک آرام میں

بہت دن چڑھا جب تو حیراں ہوئے
جنھوں نے سُنا وہ پریشاں ہوئے

جو تھے اقربا آ گئے آن میں
کہا سچ کہو تم ہو کس دھیان میں

اگرچہ کٹی جاگتے رات ہے
پر اتنا بھی سونا یہ کیا بات ہے

نہ دیکھا نہ دل کو سنبھالا ذرا
کسی سے نہ بولا نہ چالا ذرا

کئی طور سے سب نے تدبیر کی
ولیکن کسی نے نہ تاثیر کی

مہینوں تک اس کا یہی حال تھا
پریشاں دل و خستہ احوال تھا

کسی سے نہ کہتا وہ کچھ بات تھا
اسی کے تصور میں دن رات تھا

مصاحب جو اس کے تھے اور ہمنشیں
پراگندہ خاطر دل اندوہگیں

ہر اک نے اس احوال پر کر نظر
کہا اس کی خدمت میں یوں آن کر

بہت دن ہوئے آپ کو اس طرح
رنجیگی بھلا بات یہ کس طرح

نہ ہنستے ہو ہرگز نہ کچھ بولتے
نہ بھید اپنے دل کا ہو کچھ کھولتے

کہو کچھ تو اب اس کی تدبیر ہو
تفحص میں ہرگز نہ تاخیر ہو
کہو کچھ تو اب اپنے مقدور تک
کریں جستجو اس کی ہم دور تک

یہ سُن کر کہا ان سے احوالِ دل
کہ میرا ہوا ہے یہ کچھ حالِ دل
رہے ڈھونڈتے وہ بھی مدّت تلک
نہ دیکھی رخِ مدعا کی جھلک

کہا پھر یہ تدبیر ہے اب سنو
کہ قصہ کہانی ہر ایک شب سنو
جو اس میں بر آوے تمہاری مراد
یہی خاص اب ہے ہماری مراد

تمہارا جو اس طور کا حال ہے
کہیں کیا ہمارا جو احوال ہے
تمہارا جو نقشہ ہے اس طور کا
کہیں کیا ہمیں غم ہے کس طور کا

کہا جب انھوں نے یہ ہو دردمند
اسے بھی یہ تدبیر آئی پسند
جسے تھا جو کچھ یاد آنے لگا
زباں پر وہ احوال لانے لگا

بہت داستاں اور کہانی ہوئی
مہینے تک افسانہ خوانی ہوئی

ہوا کوئی وارد جو ایک رات وہاں
تو اس نے کہی جلد یہ بات وہاں

کہ میں نے جو دیکھا اب ایک حال ہے
کہوں کیا غرض طرفہ احوال ہے

گیا تھا میں ایک دن کسی کام کو
ہوا وہاں سے پھرنا میرا شام کو

مجھے شام کا وقت جس جا ہوا
تو اس دہشت میں یہ تماشا ہوا

کئی خوشنما وہاں پرند آ گئے
وہ آئے پھر ان سے دو چند آ گئے

بہت پیارے پیارے خوش آہنگ کے
پر و بال اُن کے کئی رنگ کے

بہت دلربا نازک اندام تھے
نگہ کے لئے اُن کے پر دام تھے

ابھی ان پرندوں کے تھے طور کچھ
بدل کر ابھی ہو گئے اور کچھ

عجب گفتگو اور عجب چال ڈھال
بہت خوبرو اور بہت خوش جمال

جو پریوں کی تصویر میں ہے سند
وہی ان کی صورت وہی ان کے قد

بہت خوش لباس ان کے پر دوش پر
کچھ ایسے کہ دیکھ انھیں ہوش پر

کسی نے دیا فرش اس جا بچھا
جھمک وہ کہ ہو تاش جس پر فدا

کسی نے بہت حسن ترکیب سے
رکھے مسند اور تکیۓ ترتیب سے

کسی نے مے اور جام لاکر رکھے
طرب کے سرانجام لاکر رکھے

ہوئیں جا بجا روشن اس بزم میں
عجب ڈھب کی شمعیں عجب مشعلیں

وہ سب کر چکے۔ تھا جو کچھ عزم میں
پرند اور آئے پھر اس بزم میں

پریزاد وہ بھی ہوئے آن کے
بڑے حسن کے اور بڑی شان کے

جواں تھا جو ان میں بہت نازنیں
ہوا زیبِ مسند وہ مسند نشیں

جو آئے تھے بیٹھے وہ گرد آن کر
ادب سے مقام اپنے پہچان کر

یہ تھا ہمنشینوں میں حُسن اس کا واہ
نُمایاں ہو جیسے ستاروں میں ماہ

ہوا ناچ اور جام چلنے لگے
نشے خوش دلی کے اُچھلنے لگے

نوا زنگ کی اور صدا تال کی
خوشی دل کی اور تازگی حال کی

ادا جادو اور سحر انداز تھے
عجب راگ تھے اور عجب ساز تھے

زہ چمکے تھے حسن اور لباس اس گھڑی
چھٹے جیسے مہتاب یا پھلجھڑی

یہ عالم جو وہاں رُخ دکھانے لگا
تو وہ دشت سب جگمگانے لگا

یہ دیکھا تماشا جو اُس رات تھا
کہوں کیا عجب کچھ طلسمات تھا

سوا اِس کے اور ایک سُنئے بیاں
کہ اُن میں جو مسند نشیں تھا جواں

یہ کچھ عیش تھا اور یہ سامان تھا
پر اس کو نہ ہرگز اُدھر دھیان تھا

ملال اپنے چہرے پہ لائے ہوئے
دل آزردہ۔ چُپ۔ سر جھکائے ہوئے

کسی پر نظر وہ اٹھاتا نہ تھا
وہ عیش اس کو ہرگز خوش آتا نہ تھا

خفا تھا نہایت ہی اُس کا مزاج
خبر کیا کہ اس کا کدھر تھا مزاج

رہی دو گھڑی رات جب وقت وہاں
تو ایک پیک محفل میں آیا دواں

پھرا گرد مسند نشیں کے وہ آ
جھکا سر کو مجرا کیا اور کہا

کہ احوال وہاں کا بدستور ہے
ابھی راہ مطلب بہت دور ہے

یہ سن کر جواں آہ کر کر اُٹھا
دم سرد محفل سے بھر کر اُٹھا
گیا وہاں سے اپنے اسی دھیان میں
گئے سب وہ ساتھ اس کے ایک آن میں

گئے وہ۔ میں لے کر ہوس رہ گیا
تعجب تحیّر میں بس رہ گیا
وہ جھکیں نگہ ساتھ گھرتی رہیں
وہ شکلیں تصوّر میں پھرتی رہیں

زرا میری ان پر طبیعت رہی
کئی دن تلک مجھ کو حیرت رہی
گیا میں کئی بار یوں تو اُدھر
ولے پھر وہ نقشہ نہ آیا نظر

یہ جب اُس کی خدمت میں وہ کہہ چکا
تو ساتھ اُس کے یہ بھی اُدھر کو گیا
امید اپنے دل کو یہ دینے لگا
خبر دشت میں اُن کی لینے لگا

کہ شاید پھر آویں تو ان سے ملوں
یہ احوال اپنا میں ان سے کہوں

کیا ایک مدت تلک انتظار
ہوا بارے ان کا پھر اس جا گزار
وہی آ کے نقشہ نمایاں ہوا
یہ دیکھ اُن کے عالم کو حیراں ہوا
بچھا فرش اور زیب اس جا ہوئے
سب اسبابِ عشرت مہیا ہوئے
جو مسند نشیں تھا اس عنوان سے
وہ مسند پہ بیٹھا اسی شان سے
وہی ناچ اور راگ پھر واں ہوا
سُنا تھا جو کچھ سب نمایاں ہوا
یہ دیکھا جب اس نے تو اٹھ کر وہیں
گیا واں جہاں تھا وہ مسند نشیں
جو حاضر ہوا بزم میں آن کر
تو اس نے بھی ہمسر اسے جان کر
پکڑ آستین پاس لایا اسے
بغلگیر ہو کر بٹھایا اُسے
بہت خوبی و لطف و اکرام سے
ہوا واقف اس کے وہیں نام سے
کہا تم نے کی مہربانی بہت
ہمیں اب ہوئی شادمانی بہت
دل اس کا ہوا اس کے آنے سے شاد
یہ اس کے ہوا دل لگانے سے شاد

کہا یہاں یہ آنا سبب کا ہی کچھ
فقط لطف ہی یا تمنا ہی کچھ
سنی یہ جو بات ان سے اس ماہ کی
تو پھرا فک آنکھوں میں ایک آہ کی

کہا کیا تمنا میں اپنی کہوں
عجب طور کے رنج اور غم میں ہوں
یہ سن کر کہا کچھ تو کہئے بھلا
جب ان سے یہ احوال اپنا کہا

کہ میں باغ میں اپنے ایک شب رہا
بہت عیش و عشرت میں پھر سو گیا
کوئی دلربا آن کر خواب میں
خلل کر گئی طاقت و تاب میں

مجھے بیکل اور مبتلا کر گئی
کہوں کیا میں تم سے کہ کیا کر گئی
دکھایا جو مکھڑا مجھے بے نقاب
تو مجھ میں تحمل رہا پھر نہ تاب

دکھایا مجھے حسن اس آن سے
کہ شیدا ہوا میں دل و جان سے
دکھائی کچھ ایسی مجھے آن بان
کہ سینہ گئی توڑ اور دل کو چھان

جو کچھ حسن میں اس کے تھی برتری
کہوں کیا مگر حور تھی یا پری

کھلی آنکھ میری تو پھر وہ کہاں
میں بے بس تڑپتا رہا نیم جاں

تلاش اُس کی میں نے بہت دور کی
جھلک بھی نہ دیکھی پھر اس نور کی

محبت میں اس کی گرفتار ہوں
جگر خستہ ہوں اور دل افگار ہوں

ہر ایک طور سے جب میں بے بس ہوا
تو خدمت میں لایا ہوں اب التجا

یہ احوال جب گوش اُن سے کیا
تو سنتے ہی کی آہ اور رو دیا

کہا تم جو بیکل ہو اور زرد ہو
ہمارے غرض تم بھی ہمدرد ہو

تمہارے جو کچھ دل کا احوال ہے
ہمارے بھی دل کا وہی حال ہے

پری ایک ہے دلربا نازنیں
بہت خوش ادا مہ لقا نازنیں

بہت پُر غرور اور بہت ہٹ بھری
کوئی اس کے ہمسر نہیں یہاں پری

عجب حسن میں اس کے عنوان ہیں
جو پریاں ہیں وہ اس پہ قرباں ہیں

لگا دل کو اس کی ہر ایک آن سے
ہم اس پر فدا ہیں دل و جان سے

یہی آرزو دل میں رکھتے ہیں آہ
کہ دیکھیں کسی دن اسے بھر نگاہ
وے ہم کو وہ منہ دکھاتی نہیں
ہیں کوئی عشرت خوشش آتی نہیں

نہیں دل جو لگتا تو پھر ہار ہم
ادھر کو بھی آتے ہیں لاچار ہم
کئی قاصد اپنے اُدھر جاتے ہیں
خبر اس کی ہر روز لے آتے ہیں

اسے جس گھڑی ہم پہ مہر آوے گی
تو ہم پاس وہ رشکِ مہر آوے گی
رہو تم ہمارے کنے مہرباں
جو کچھ ہم سے ہو گا وہ ہو گا عیاں

جب اس کے تیئں ان نے یوں کہہ دیا
وہیں آکے قاصد نے مجرا کیا
کہا واں نہیں بات کچھ اور ہے
وہی رنگ ہے اور وہی طور ہے

تو پہر دو گھڑی رات جس دم رہی
گئے وہ۔ اسے بھی ملی ہمرہی
یہ ہمدرد کے ساتھ ایک آن میں
ہوا جلد وارد پرستان میں
دکھائے اُنھیں وہاں کے رنگین مکاں
مرصّع طلائی جواہر فشاں

دکھائے انھیں وہاں کے باغ وچمن
گل و بلبل و نرگس ونسترن
بہاریں عجب اور فضائیں عجب
صدائیں عجب اور ہوائیں عجب
انھیں دیکھنے میں وہ کب آتے تھے
محبت نے ان کو وہ دکھلائے تھے
کہاں یہ کہاں حد پرستان کی
بلندی یہ ہے عشق کی شان کی
مہینے تک ان کی ضیافت رہی
پھرے سے ادھر سے ادھر تک یہی
شب و روز فرحت فزا انجمن
طرب۔رقص۔گلگشتِ باغ وچمن
وہ قاصد جو اس کے تھے جاتے اُدھر
پھر آتے تھے ہر دم اُدھر سے اِدھر
کسی نے پھر ایک دن بصد خورشدلی
نوید آن کر اس کے ملنے کی دی
کہا وہاں سے دور اعتراضی ہوئی
وہ محبوب اب دل سے راضی ہوئی
خوشی یہ جو زیبِ زبانی ہوئی
نہایت اسے شادمانی ہوئی
وہ جب خوش ہوا وہاں تو اس نے بلا
کسی اپنے ہمراز سے یوں کہا

یہ مہماں ہیں ان پر کرم کیجئے
جو کچھ یہ کہیں اُس کو سُن لیجئے
کہا اس نے کہئے انھوں نے کہا
کہ ہوں اب میں جس نازنیں پر فدا

یہ شکل اور یہ قد اور یہ انداز ہے
یہ کچھ حسن ہے اور یہ کچھ ناز ہے
کہا اس نے سن کر کہ یہاں ایک پری
اسی حسن اور ناز میں ہے بھری

کئی دن میں جا اس کو راضی کیا
مئے جامِ عشرت انھیں بھر دیا
بڑی دھوم سے شادی اُن کی ہوئی
بڑے غم سے آزادی اُن کی ہوئی

پریزاد نے ہو کے وہاں شاد جب
بنا طرفہ شادی کے اسباب سب
کر آراستہ خوب ایک انجمن
تکے جس کو ہر لحظہ باغ و چمن

بڑی دھوم سے بیاہ اپنا کیا
بیاں اس کا جاتا نہیں کچھ لکھا
دل اپنا جب اس نے پُرعشرت کیا
تو اس جا سے ان کو بھی رخصت کیا

پری کو یہ ساتھ اپنے لائے اِدھر
خوشی خرمی سے رہے عمر بھر

کروں کیا نظیر اب میں تقریرِ عشق
عجب حسن رکھتی ہے تاثیرِ عشق

تمت

ضمیمہ دیوان

نظیر اکبر آبادی

فہرست غزلیات ضمیمۂ دیوان حصہ اول و دوم

نمبر | صفحہ

ردیف۔ل

ردیف۔م

ردیف۔ن

نمبر شمار | صفحہ

ردیف۔ و

ردیف۔ ہ

ردیف۔ ی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ردیف الف

رہوں کا بے کو دلخستہ پھروں گا بے کو آوارا
اگر آن ترک شیرازی بدست آرد دل ما را

خدا اگر مجھ گدا کو سلطنت بخشے تو میں یارو
بہ خال ہندوش بخشم سمرقند و بخارا را

ہم اپنا تو بہشت و چشمۂ کوثر سمجھتے ہیں
کنار آب رکنا باد و گلگشت مصلےٰ را

زمیں پر آیا جب یوسف اسی دن آسماں بولا
کہ عشق از پردۂ عصمت برون آرد زلیخا را

یہ ظالم سنگدل محبوب جادوگر ستم پیشہ
چناں بردند صبر از دل کہ ترکاں خوان یغما را

جو صاحب حسن ہیں ہرگز نہیں محتاج زینت کے
بہ آب و رنگ و خال و خط چہ حاجت روے زیبا را

بتوں کی گالیوں میں بھی عجب لذت نکلتی ہے
جواب تلخ می زیبد لب لعل شکر خارا

تو ہستی کی گرہ پر عقل کے ناخن نہ توڑ اے دل
کہ کس نکشود و نکشاید ز حکمت ایں معما را

نظیرؔ اس لطف سے تضمیں کر تو مصرعۂ حافظ
کہ بر نظم تو افشاند فلک عقد ثریا را

جہاں میں جو نہ ہوا اس پری کا دیوانہ
تو اس نے آہ مزا عاشقی کا کیا جانا

کہا یہ شوخ نے ہم کو تو چاہتا ہے نظیرؔ ق
یہ پوچھا میں نے بھلا تم نے کس طرح جانا

تو ہنس کے کہنے لگا اس طرح میں سمجھا ہوں
کہ تجھ کو پاس ہمارے ہے دمبدم آنا

جو ہم نہ ہوویں تو آکر ہمارے کوچے میں
یہ جم کے بیٹھنا پہروں تلک نہ گھبرانا

جو ہم خفا ہوں تو آکر ہزار منت سے
خوشی ہو چھیڑنا ہنس ہنس کے گالیاں کھانا

بس ایسی باتوں سے کیونکر نہ چاہ ثابت ہو
خدا کو دیکھا نہیں عقل سے تو پہچانا

ہوئی صبح جب گھر سے وہ یار نکلا — کہا خلق نے رشک گلزار نکلا
کئی آ گئے پیچ ہیں زلف کے واں — مری چشموں سے جو گہر بار نکلا
قضا تیری کافر ادھر آ گئی جو — بھلی لٹ پٹی باندھ دستار نکلا
عجب پھیر قسمت کا ہے میری یارو — جسے یار سمجھا وہ اغیار نکلا
خفا ہم سے شب کو صنم ہو نشے میں — سرے مجھ کو لے کر وہ بازار نکلا
بہت چاہا دل بیچ دیجے صنم کو — مرے دل کا وہ ناخریدار نکلا
صراحی سے ساقی نے مے جو پلا لی
نظیر اس قدر ہو کے سرشار نکلا

کیا جو یار نے ہم سے پیام رخصت کا — تو دم نکل گیا سنتے ہی نام رخصت کا
مثال شمع کے جھٹ پٹ ٹپک پڑے آنسو — سنا جو شوخ کے منہ سے کلام رخصت کا
چلا ہوں یار کی مجلس سے اٹھ کے اے ساقی — مجھے پلا دے تو اب ایک جام رخصت کا
میاں جو شکل ستم کی تھی سو تو سب دیکھی — امیدوار ہے اب یہ غلام رخصت کا
تم اپنے ظلم سے ہرگز نہ باز آؤ گے
چلا، نظیر سے لیجے سلام رخصت کا

جب میں سنا کہ یار کا دل مجھ سے ہٹ گیا — سنتے ہی اس کے میرا کلیجہ الٹ گیا
فرہاد تھا تو شیریں کے غم میں ہوا غریب — لیلی کے غم میں آن کے مجنوں بھی لٹ گیا
میں عشق کا جلا ہوں مرا کچھ نہیں علاج — وہ پیڑ کیا ہرا ہو جو جڑ سے اکھٹ گیا
اتنا کوئی کہے کہ دوانے اڑا ہی کیا — جا دیکھ ابھی ادھر تو ٹوپی پہ یوں کا غٹ گیا
چھپتا تھا دل کو چشم نے لیکن میں کیا کروں — ادھر ہی ادھر برشتگاں میں بٹ گیا

کیا کھیلتا ہے نٹ کی کلا آنکھوں آنکھوں میں — دل صاف لے لیا ہے جو پوچھا تو نٹ گیا

آنکھوں میں میری صبح قیامت گئی جھمک — سینے سے اس پری کے جو پردہ الٹ گیا

سن کر لگی یہ کہنے وہ عیار نازنین — "کیا بولیں، چل ہمارا تو دل تجھ سے پھٹ گیا"

جب میں نے اس صنم سے کہا کیا سبب ہے جان — اخلاص ہم سے کم ہوا اور پیار گھٹ گیا

ایسی وہ ہماری مجھ سے ہوئی کون سی خطا — جس سے یہ دل اداس ہوا جی اچٹ گیا

آنکھیں تمہاری کیا پھریں اس وقت میری جان، — سچ پوچھیے تو مجھ سے زمانہ الٹ گیا

عشاق جاں نثاروں میں ہیں تو امام ہوں — یہ کہہ کے میں جو اس کے گلے سے لپٹ گیا

کتنا ہی اس نے تن کو چھڑایا جھڑک جھڑک — پر میں بھی قینچی باندھ کے ایسا چمٹ گیا

یہ کشمکش ہوئی کہ گریباں مرا ادھر — ٹکڑے ہوا، اور اس کا دوپٹہ بھی پھٹ گیا

آخر اسی بہانے ملا یار سے **نظیر**
کپڑے بلا سے پھٹ گئے سودا تو پٹ گیا

ملا مجھ سے وہ آج چنچل چھبیلا — ہوا رنگ سن کر رقیبوں کا نیلا

کیا مجھ سے جس نے عداوت کا پنجہ — سنلقی علیک قولاً ثقیلا

نکل اس کی زلفوں کے کوچے سے اے دل — تو پڑھتا، قم اللیل الا قلیلا

کہستاں میں ماروں اگر آہ کا دم — وکانت جبالٌ کثیبا مہیلا

نظیر اس کے فضل و کرم پر نظر رکھ
فقل حسبی اللہ نعم الوکیلا

بتوں کی مجلس میں شب کو مہ رو جو اور ٹک بھی قیام کرتا
گذشت دیراں، صنم کو بندہ، برہمنوں کو غلام کرتا

۵۔ اصل آیت یوں ہے۔ وَكَانَتِ الْجِبَالُ كَثِيبًا مَّهِيلًا۔

خراب خستہ سمجھ کے تو نے پیارے مجھ کو عبث نکالا
جو رہنے دیتا تو نگر خوں میں قسم ہی تیری میں نام کرتا
کروڑوں دل جو موئے پڑے ہیں نکلتے خونیں کفن سے نالاں
قیامت آجاتی جو وہ قامت گلی میں اپنے خرام کرتا
نہ اتنے قصے نہ جنگ ہوتی پیارے تیرے ملاپ اوپر
رقیب آپی سے زہر کھاتے جو وصل کا تو پیام کرتا
وہ سرو قامت جو مسکرا کر چمن میں جاتا ، خرام کرتا
تڑپتی بلبل سسکتی قمری، گلوں پہ ہنسنا حرام کرتا
بھلا ہوا جو نقاب تو نے اٹھایا چہرے سے ہی یہ پردہ
دگرنہ سینے سے دل تڑپ کر نگہ میں آکر مقام کرتا
جو زلفیں مکھڑے پہ کھول دیتا صنم ہمارا تو پھر یہ گردوں
نہ دن دکھاتا نہ شب بتاتا نہ صبح لاتا نہ شام کرتا
وہ بزم ایسی تھی مے خوری کی فرشتے ہوجاتے مست بیخود
جو شیخ جی واں سے بچ کے آتے تو پھر میں ان کو سلام کرتا
نظیر تیری اشارتوں سے یہ باتیں غیر نے کی سن لی ہی
دگرنہ کس میں تھی تاب و طاقت جو مجھ سے آکر کلام کرتا

مرا دل ہی مشتاق اس گلبدن کا — کہ یہ باغ اک گل ہی جس کے چمن کا
وہی زلف ہی جس کی نکہت سے اب تک — پڑا خون سوکھے ہی مشک ختن کا
وہی لعل لب ہی کہ حسرت سے جس کے — جگر آج تک خوں ہی لعل یمن کا
عجب سیر دیکھی نظیر اس چمن کی — ابھی وصل تھا نرگس و نسترن کا
ابھی یک دگر جمع تھے سنبل و گل — ابھی تھا بہم جوش سرو و سمن کا

ابھی چہچہے بلبلوں کے عیاں تھے — ابھی شور تھا قمری نعرہ زن کا
گھڑی بھر کے ہی بعد دیکھا یہ عالم
کہ نام و نشاں بھی نہ واں تھا چمن کا

تیرے بیمار کو تجھ بن شفا ممکن نہ تھی ہونی — فلاطوں کیا اگر خود عیسیٔ گردوں نشیں آتا
عجب احوال ہے کچھ اضطراب دل سے کیا کہیے — غرض اک دم قرار اس بن نہیں آتا نہیں آتا
مری بیتابیوں کی اب تک اس کو بدگمانی ہے — اگر وہ بھی کہیں پھنستا تو اس کو بھی یقیں آتا
مجھے یا نتک خوشی تھی اسکے آنیکی کہ میں خوش تھا — اگر وہ قتل کو میرے چڑھائے آستیں آتا
بڑے حظ لوٹتے گر اس شب مہتاب میں یارو — ادھر ساقی ادھر مطرب، ادھر وہ مہ جبیں آتا

تجھے کچھ بھی خدا کا ترس ہو او سنگدل ترسا — ہمارا دل بہت ترسا ارے ترسا نہ اب ترسا
میں اس پر مبتلا وہ غیر مذہب شوخ اک ترسا — قیامت ہے مسلماں عاشق اور معشوق ہو ترسا
ہوا بیمار تیرے عشق میں جو چرخ چارم پر — مسیحا پڑھ رہا ہے کچھ بچھا کر اپنا بستر سا
پکارا دور سے دیکر صفیر اس نے جو نہی مجھ کو — گیا میرا کلیجہ دھک سے ہو لوٹن کبوتر سا
نظیر اک دو گلے کرنے بہت ہوتے ہیں خوباں کے
چلو اب چپ رہو بس کھول بیٹھے تم تو دفتر سا

گلزار ہی داغوں سے یہاں تن بدن اپنا — کچھ خوف خزاں کا نہیں رکھتا چمن اپنا
اشکوں کے تسلسل نے چھپایا تن عریاں — یہ آب رواں کا ہی نیا پیرہن اپنا
کس طرح بنے ایسے سے انصاف تو ہی شرط — یہ وضع مری دیکھو وہ دیکھو چلن اپنا
انکار نہیں آپکے گھر چلنے سے مجھ کو — میں چلنے کو موجود جو چھوڑو چلن اپنا
مسکن کا پتہ خانہ بدوشوں سے نہ پوچھو
جس جا پہ کہ بس گر رہے وہ ہی وطن اپنا

گو لکھوں میں اگر تیرے غم کے جھیلوں کا
تو ہو نباہ نہ کچیلوں کا اور نہ بہیلوں کا
سنے سے نام محبت کا تھرتھراتے ہیں
یہ کچھ تو حال ہے تیرے ستم کے دہلوں کا
کہا جو یار سے اک دن کہ دل یہ چاہے ہے
طریق جیسے ہے عشرت کے اہلے گہلوں کا
مکاں ہو ایک سنہرا، دھرے ہوں شیشہ و جام
بچھا ہو فرش بھی واں بادلہ روپہلوں کا
یہ سن کے اس نے کہا یہ تو وہ مثل ہے نظیرؔ
کہ سوئیں جھونپڑے میں خواب دیکھیں محلوں کا

ہولی کی رنگ فشانی سے ہے رنگ یہ کچھ پیراہن کا
جو رنگا رنگ بہاروں میں ہو صحن چمن و گلشن کا
جس خوبی اور رنگینی سے گلزار کھلے ہیں عالم میں
ہر آن چھڑکوان جوڑوں میں ہے حسن کچھ ایسا ہی تن کا
لے جام لبالب بھر دینا پھر ساقی کو کچھ دھیان نہیں
یہ ساغر پہنچے دست تلک یا ہاتھ لپک لے دشمن کا
ہر محفل میں رقاصوں کا کیا سحر دلوں پہ کرتا ہے
وہ حسن جتانا گانے کا اور جوش دکھانا جوبن کا
ہے روپ عبیر دکھا منہ پر اور رنگ گلالوں کا گلگوں
ہیں بھرتے جس میں رنگ بنا ہے رنگ عجب اس تن من کا
اس گل رو نے یوں ہم سے کہا کیا مستی اور مدہوشی ہے
نا دھیان ہیں کچھ چولی کا نا ہوش تمہیں کچھ دامن کا
جب ہم نے نظیرؔ اس گل رو سے یہ بات کہی ہنس کر اس دم
کیا پوچھے ہے اے رنگ بھری یہ مست بنیا پھاگن کا

رخ و جبین، مژہ تیز، چشم و ابرو کو
سنان و بدر و مہ و نرگس و ہلال، لکھا
تن و دل و لب و دنداں کو روئے نکہت سے
عقیق و سیم و دُرّ و سنگ کے مثال، لکھا
ذقن کو، چاہ زنخداں کو، گوش و گردن کو
صراحی، سیب و گل و چشمۂ زلال، لکھا
کفِ حنائی و انگشت ساعد و قد کو
سناں و برگ گل و غنچہ و نہال، لکھا

خرام ناز سے اس شوخ نے دامن کو جب جھٹکا
ہماری خاک نے کیا کیا ہو اس کے ساتھ سر پٹکا
نہیں گھٹا عبادت کا ترے ماتھے پہ ہے زاہد
نشاں ہے یہ کسی محبوب بے پروا کی چوکھٹ کا

عبث محنت ہی کچھ حاصل نہیں پتھر تراشی سے
یہی مضمون تھا فرہاد کے تیشے کی کھٹ کھٹ کا

نظیر آرام سے گر تجھ کو اس دنیا میں رہنا ہو
سوا اللہ کے ہرگز کسی سے دل کو مت اٹکا

آج دیکھ اس نے مری چاہ کی جنبش یارو
منہ سے گو کچھ نہ کہا دل میں تو جانا ہوگا

پھر نظیر دیکھیں گے اس عہد شکن کی صورت
دیکھیے کون سا یا رب وہ زمانہ ہوگا

تلخی مرگ جسے کہتے ہیں افسوس افسوس
ایک دن سب کے تئیں زہر یہ کھانا ہوگا

دیکھ لے اس چمن دہر کو دل بھر کے نظیر
پھر ترا کاہے کو اس دہر میں آنا ہوگا

گر ہم نے دل صنم کو دیا پھر کسی کو کیا
اسلام چھوڑ کفر لیا پھر کسی کو کیا

کیا جانے کس کے غم میں ہیں آنکھیں ہماری لال
اے ہم نے گو نشہ بھی پیا پھر کسی کو کیا

آپی کیا ہے اپنے گریباں کو ہم نے چاک
آپی سیا سیا نہ سیا پھر کسی کو کیا

آغوش تصور میں جب ہم نے اسے مسکا
لب ہائے نزاکت سے اک شور تھا بس بس کا

اس تن کو نہیں طاقت شبنم کے تلبس کی
اے دست ہوس اس پر تو قصد نہ کر مسکا

سو بار حریر اس کا مسکا نگہ گل سے
شبنم سے کب اے بلبل پیراہن گل مسکا

شہر دل آباد تھا جب تک وہ شہر آرا رہا
جب وہ شہر آرا گیا پھر شہر دل میں کیا رہا

کیا رہا پھر شہر دل میں جز ہجوم درد و غم
تھی جہاں فوج طرب واں لشکر غم آ رہا

آ رہا آنکھوں میں دم اور تو بھی نہ آیا صنم
حیف کس سے پوچھیے جا کر کہ وہ کس جا رہا؟

ادھر اس کی نگہ کا ناز سے آ کر پلٹ جانا
ادھر مرنا تڑپنا غش میں آنا دم الٹ جانا

یہ کچھ بہروپ پن دیکھو کہ بن کر سبز خط انکی
بکھرنا، سبز ہونا، لہلہانا، پھر سمٹ جاتا
یہ یکسائی یہ یکرنگی، تس اوپر یہ قیامت ہے
نہ کم ہونا، نہ بڑھنا، او ہزاروں گھٹ بڑھ جانا

تمھاری زلف کا اک بار ہم سے بل نہ گیا
ہمارے دل ستی اک بال بھر خلل نہ گیا
ہمیں ہیں دیکھ جو قدموں پہ گر رہے ہیں ترے
وگرنہ یاں سے میاں ہاتھ کون مل نہ گیا
جلا کے پر جو لگن میں پڑا اسلگتا ہے
پتنگ پہلے ہی خانہ خراب جل نہ گیا

دیکھتے جلوہ جو اس کے حسن بالا دست کا
حوصلہ اتنا کہاں اپنی نگاہ پست کا
بے صدا آکر لگا اور ہو گیا سینے کے پار
یہ خدنگ صاف تھا کس بے نشاں کے شست کا

ایک پردۂ ہستی نہ رہا، جوں نظر آیا
وہ پردہ برانداز ہمیں کیوں نظر آیا
اس مہر پُر انوار سے شبنم کی طرح ہم
گم ہوتے گئے ہم کو وہ جوں جوں نظر آیا

سرسبز دل جلوں کو نہ ہرگز کرے فلک
دانہ کہیں اُگا ہے جو آتش میں بھن گیا
جب سے ہوے ہیں وہ لبِ جاں بخش جلوہ گر
تب سے تمام نسخۂ عیسیٰ کا گن گیا

لاکر ہر اک ادا میں وہ عیار چٹکلا
چٹکی بجا کے چھوڑے ہے ہر بار چٹکلا
سب جانتے ہیں چٹکلا بازی نظیر کی
اس کے ہر اک سخن میں ہے اک یار چٹکلا

خط کے آنے پر بھی کافر مجھ کو ترساتا رہا
جیسا شرماتا تھا جب ویسا ہی شرماتا رہا
آہ کے نالے کے ٹھنڈی سانس کے یا اشک کے
اب خدا جانے کہ کس کے ساتھ جی جاتا رہا

ابھی کہیں تو کسی کو نہ اعتبار آوے — کہ ہم کو راہ میں ایک آشنا نے لوٹ لیا

ہزار عشق کے آفات کے صدموں میں نظیر — کام مشکل تھا پر اللہ نے آسان کیا

لائے خاطر میں ہمارے دل کو وہ مغرور کیا — جس کے آگے مہر کیا، مہ کیا، پری کیا، حور کیا

دل ہوا جس دن سے بسمل ابروئے دلخواہ کا — تھا وہی پہلا دن اس بسمل کی بسم اللہ کا

نہ گل اپنا نہ خار اپنا نہ ظالم باغباں اپنا — بنایا آہ کس گلشن میں ہم نے آشیاں اپنا

پہنچے نہ ذیل وصف میں دست ایکے عام کا — موصوف ہو جو خاص خدا کے کلام کا

عیسیٰ کے قُم سے حکم نہیں کم فقیر کا — ارنی پکارتا ہے سدا دم فقیر کا

سبھوں کو مئے ہمیں خونِ ناب دل پلانا تھا — فلک ہمیں پہ تجھے کیا یہ زہر کھانا تھا

یہ سیل کے اشکوں کی بیاباں میں نہیں نہر — پھوٹا کوئی مجنوں کے مگر پاؤں کا چھالا

ہم نے چاہا تھا کہ حاکم سے کریں گے فریاد — وہ بھی کمبخت ترا چاہنے والا نکلا

دیکھ سبزوں کی طراوت کو زمیں پڑھتی ہے — آیۂ انبتہ اللہ نباتاً حسناً

چمن طرازِ حقیقت نے اپنی صنعت سے کسی کو پھول بنایا کسی کو گھانس کیا

وصل اس کا ہو تا کیوں کر میسر وہ نورِ جاں تھا میں آب و گِل تھا

جو وصفِ زلف کو پوچھا تو حلقے حلقے کو تاب و مرجع و ملجائے صد اسیر کہا

دیکھ اُسے رنگِ بہار و سرو و گل اور جو بار اک اڑا، اک گر گیا، اک جل گیا اک بہہ گیا،

تو ہی وہ گل ای جاں کہ ترے باغ میں شوق جبریل کو بلبل کی طرح نعرہ زنی کا

ہے کون سی وہ چشم نہیں جس میں اس کا نور ہے کون سا وہ دل کہ نہیں جس میں اسکی جا

بدن گل، چہرہ گل، رخسار گل، لب گل دہن ہے گل،
سراپا اب تو وہ رشکِ چمن ہے ڈھیر پھولوں کا

نظیر اب اس ندامت سے کہوں کیا فآہا ثم آہا ثم آہا

ہے کفِ پا وہ مصفا کہ جسے دیکھ یاں للہ پائے نظارہ یہ کہتا ہے کہ پھسل جاؤں گا

نہ آئی بو جو ذرا تیرے مصحفِ رخ کی نسیم پھاڑ گئی آ کے ہر ورق گل کا

اب تو ذرا سا گانوں ہی بیٹھی نہ دے ابے　　لگتا تھا، ورنہ جبین کا دامادہ آگرا

ہم وہ درخت ہیں کہ جیسے دم بدم اجل　　ارہ ادھر دکھاتی ہی ادھر تبر قضا

بتوں کی ناز برداری میں بھی تیری عبادت کی　　مری اس بندگی کا اب تو ہی شاہد ہی جو دا

عزیزو کیا پڑے سوتے ہو غفلت میں تم راجا گو　　جرس فریاد میدارو کہ بر بندید محمل ہا

ہوئی جو رد و بدل رائے کتنی بار نظیرؔ　　تو اس نے خط کا ہمارے نہ پھر جواب لکھا

بہار آئی کیا ہر شاخ پر گل نے مکاں اپنا　　بنا اب تو بھی ای بلبل چمن میں آشیاں اپنا

ہی تاج گنج میں اب تو نظیرؔ کا میلا　　نظیر کیا ہی عجب ہے نظیر کا میلا

جس کام کو جہاں میں تو آیا تھا ای نظیرؔ　　خانہ خراب تجھ سے وہی کام رہ گیا

ردیف۔ ب

جب کھلے اس معجزہ آرا کے لب　　بند ہوئے حضرت عیسیٰ کے لب
عشق میں اس گوہر نایاب کے　　آج تلک خشک ہیں دریا کے لب
نام سے اس لب کے ہیں لبریز شہد　　خلد کی حوران شکر خا کے لب
لعل بھی ہو رشک سے یاقوت زرد　　دیکھے اگر اس در یکتا کے لب

ایک تبسم سے بنے لالہ فام ایسے ہیں اس شاہدِ رعنا کے لب
اس لبِ جاں بخش کے آگے نظیرؔ
کس کو خوش آئیں گے مسیحا کے لب

تمہارے ہاتھ سے کل ہم بھی رو لیے صاحب جگر کے داغ جو دھونے تھے دھو لیے صاحب
کل اس صنم نے کہا دیکھ کر ہمیں خاموش ق کہ اب تو آپ بھی ٹک لب کو کھولیے صاحب
یہ سن کے میں نے نظیرؔ اس سے یوں کہا ہنس کر جو کوئی بولے تو البتہ بولیے صاحب

ہوا جو اس کا وہ کوچہ ہمیں سرشت نصیب خدا نے ہم کو اسی جا کیا بہشت نصیب
یہ کم نصیب ہوئے ہم کہ بعد مرگ نظیرؔ ہوئی مزار کو اپنے نہ ایک خشت نصیب

دل سا درِ یتیم بکا کوڑیوں کے مول کیا کیجیے، خیر، یہ بھی خریدار کے نصیب
بازارِ یوسفی نے نہ دیکھی تھیں خواب میں جو گرمیاں ہوئیں ترے بازار کے نصیب

میں ہوں اور مہ رو ہو اور ساقی ہو اور بزمِ شراب یہ خدا جانے یہ بیداری ہی اے دل یا کہ خواب
ثروت و مال و منال و حشمت و جاہ و جلال کوئی اس کو کچھ کہو ہم تو سمجھتے ہیں یہ خواب

کچھ اسے شرم کچھ ہی ہم کو حجاب ہی نئی چاہ میں یہ طرفہ عذاب
کیوں نہ عشرت دو چند ہو جو ملے یار مہ چہرہ اور شبِ مہتاب

ساغر کے لب سے پوچھیے اس لب کی لذتیں کس واسطے کہ خوب سمجھتا ہے لب کی لب

ہو حسنِ اثر کیوں نہ میری آہ میں یارب سب کچھ ہی مہیا تیری درگاہ میں یارب

گزرے دو دم نہ خوشی سے کبھی اے وائے نصیب تھی عجب کلک کہ جس سے مرے لکھوائے نصیب

بقول حضرت صائب ہزار حیف نظیرؔ کہ در بہار نہ دارم بکف بہائے شراب

ردیف ۔ ت

تیری قدرت کی قدرت کون پا سکتا ہے کیا قدرت
تیرے آگے کوئی قادر کہا سکتا ہے کیا قدرت

کھل گیا رخسار اس کا جس گھڑی کاکل سمیت
حسن کے گلشن کا دیکھا ہم نے گل سنبل سمیت

قسمت میں گر ہماری یہ مے ہے تو ساقیا
بے اختیار آپ سے شیشہ کرے گا جست

کچھ ہم کو امتیاز نہیں صاف و درد کا
اے ساقیان بزم بیار یہ ہرچہ ہست

ردیف ۔ چ

طریق عشق بے مرشد نہ ہو طے
کہ ہے یہ راہ نہایت پیچ در پیچ

نظیر یار سے کیوں درد دل نہیں کہتا
سنا نہیں ہے وہ تو نے کہ سانچ کو کیا آنچ

ردیف ۔ د

چھوٹا بڑا نہ کم نہ منجھولا ازار بند
ہے اس پری کا سب سے امولا ازار بند

ہر اک قدم پہ شوخ کے زانو کے درمیاں
کھاتا ہے کس جھلک سے جھکولا ازار بند

گوٹا کناری بادلہ مقیش کے سوا
تھے چار تولہ موتی جو تولا ازار بند

ہنسنے میں ہاتھ میرا کہیں لگ گیا تو وہ
لونڈی سے بولی کھا مرا، دھولا ازار بند

اور دھو نہیں تو پھینک دے ناپاک ہو گیا
وہ دوسرا جو ہے سو پرو لا ازار بند

اک دن کہا جو میں نے کہ اے جان آپ کا
ہم کبھو مزے میں نہ کھولا ازار بند

سن کر لگی یہہ کہنے کہ اے واچھڑے چہ خوش ایسا بھی کیا میں رکھتی ہوں پولا ازار بند
آجاوے اس طرح سے جواب ہر کسی کے ہاتھ ویسا تو کچھ نہیں مرا بھولا ازار بند
اک رات میرے ساتھ وہ عیار مکر باز لیٹی چھپا کے اپنا مولا ازار بند
جب سو گئی تو میں نے بھی دہشت سے اسکی آ پہلے تو چپکے چپکے ٹٹولا ازار بند

آخر بڑی تلاش سے اس شوخ کا نظیرؔ
جب آدھی رات گزری تو کھولا ازار بند

رکھتے ہیں ہم شمس و قمر کا سا تفاوت نور ید بیضا و کف پائے محمدؐ

ردیف ۔ ذ

عشق کا دور کرے دل سے جو دھڑکا تعویذ
اس دھڑکے کا کوئی ہم نے نہ دیکھا تعویذ

ردیف ۔ ر

دنیا ہی ایک نگار فریبندہ جلوہ گر الفت میں اس کی کچھ نہیں جز کلفت و ضرر
آج اس پہ بھی کہیں تو لگا ئی کل اس سے گھات حسرت فزا و ہوش ربا و شکیب بر
ہوتا ہی آخر اس کے گرفتار کا یہ حال جیسے مگس کے شہد میں بھر جاویں بال و پر
سحر و فسوں وہ رکھتی ہی بہر فریب دل حیراں ہو سحر سامری بھی جس کو دیکھ کر
لینے کو نقد عمر کے شیریں ہی مثل قند جب لبے چکھے تو ہوتی ہی حنظل سے تلخ تر
جو اس سے دل لگاتے ہیں آخر ہو منفعل ملتے ہیں اپنے دست تاسف بیک دگر
تو بھی جو اس کے پاس لگا دیگا دل تو یار اس نخل سے ملیگا تجھے بھی یہی ثمر
میں تجھ کو اسکے ربط سے کرتا نہ منع آہ لیکن کروں میں کیا۔ تجھے در پیش ہی سفر
تو اس مثل کو سوچ زرا گر مسافر گزیں کرتا ہی قطع راہ کو باندھے ہوئے کمر
گر درمیان رہ کوئی مل جائے باغ اُسے تو چلتے چلتے دیکھتا جاتا ہی اک نظر

بس اس نگار خانے کو تو بھی اسی نمط　　سیر مسافرانہ کر اور اس سے درگزر

اس حرف کو **نظیر** کے یوں دل میں دے مکاں
کرتا ہے جیسے نقش نگیں کے جگر میں گھر

ہرگز نہ پلا مَے مجھے تو آنکھ بدل کر　　ساقی ترے کوچے سے نہ جاؤں گا نکل کر
میں کشتۂ ابرو ہوں ترا اے مرے قاتل　　آتے ہو لئے ہاتھ میں کیوں تیغ مچل کر
تم نے تو اداؤں سے کیا قتل ہے مجھ کو　　بیٹھے ہو لبیں باندھ کے باہر جو نکل کر
جب ہم سے خفا ہو کے ہے وہ شمع رو جاتا　　خاموش ہو رہ جاتا ہوں پروانہ سا جل کر
میں عاشق بیدل ہوں ترا اے مرے جانی　　مت آنکھ چرا ہم سے تو ایسا نہ خلل کر

کہتا ہے **نظیر** اس کو ذرا پیارے تو سو جا
تب اُٹھ کے کھڑا ہوتا ہے وہ شوخ اچھل کر

دیتے ہیں جان حور و ملک جس کی آن پر　　کیوں کر نہ ہو پھر اس کا دماغ آسمان پر
سبزہ پڑا ہے کان میں اس سبزہ رنگ کے　　سر سبزیاں ہیں اب تو زمرد کی کان پر
جگنی پہ جان تڑپے ہے چنپا کلی پہ دل　　اور روح لوٹتی ہے پڑی عطر دان پر

کوچے میں اس کے جاتے تھے سینہ سپر کئے
کل تو میاں **نظیر** بھی کھیلے تھے جان پر

اس کے بن دیکھے جو مر جاؤں میں آنکھیں بھر کر　　ڈر خدا سے اے فلک اتنا تو مت اندھیر کر
میں تو بے غیرت نہیں کیا جانوں اس میں خود کے آپ　　کون سا کمبخت پھر لاتا ہے مجھ کو گھیر کر
داغ مرنے کا وہی محروم جلنے جس کو آہ　　موت آ پہنچی شتاب اور یار آیا دیر کر

پڑی ہے خاک گورستاں میں کیا کیا قد موزوں پر　　اگی ہے گھاس کس کس گلبدن کے روئے گلگوں پر
وہ رکھے اینٹ چھاتی پر پڑے ہیں خاک سوتے ہیں　　چمکتے ہیں سنہری قصر جن کے بام گردوں پر

لن ترانی نے کیا اپنا ظہور آخر کار　　موسیٰ بے خود ہوئے اور جل گیا طور آخر کار
قرب سمجھا تھا جسے تو وہ ہے دوری اے شیخ　　اسی نزدیکی نے پھینکا تجھے دور آخر کار

مستزاد

یوں ہجر میں روتا ہوں میں اس گل کے شب و روز۔ کرنالہ و فریاد۔ جیسے کہ کسی وقت
یوسف کے لئے روتی تھیں یعقوب کی آنکھیں۔ ہر شام و سحر کو۔ خونناب میں بھر بھر
خط میں نے جو بھیجا اسے باحسرت دیدار۔ لکھ خون جگر سے۔ اور داغ کی کر مہر
تکتی رہیں جا کر مرے مکتوب کی آنکھیں۔ اس رشک قمر کو۔ حسرت سے سراسر

مستزاد

یہ مہر فزا رخ۔ کرتا ہے نگاہوں کو ترا مطلع انوار
اب تیرے سوا رخ۔ کس کا ہے بتا نام خدا ایسا جھمک دار
فرقت کے الم سے۔ دل تڑپے ہے اور آنکھیں کھلی رہتی ہیں دن رات
دیکھیں گے ترا رخ۔ وہ کون سا دن ہوگا مبارک جو ہم ای یار

کتنا تنک صفا ہے کہ پائے نگاہ کا ہلکا سا اک غبار ہے چہرے کے رنگ پر
بندے کے قلم ہاتھ میں ہوتا تو غضب تھا صد شکر کہ ہے کاتب تقدیر کوئی اور
گل عارض شگفتہ صبح دم دیکھ اس کا خجلت سے گیا پانی سحر کا آفتاب ارغوانی پر

ردیف۔ س

ابھی تازہ حلقۂ زلف میں جو پھنسا ہے طائر دل بھلا
اسے رنج پہنچے ہے ای صبا تو گھڑی گھڑی نہ ہلا قفس

ردیف۔ ش

وا ماندگان راہ تو منزل پہ جا پڑے اب تو بھی ای نظیر یہاں سے قدم تراش

ردیف ف

اے صف مژگاں تکلف برطرف　　دیکھتی کیا ہے الٹ دے صف کی صف
دیکھ وہ گورا سا مکھڑا رشک سے　　پڑ گئے ہیں ماہ کے منہ پر کلف
آگیا جب بزم میں وہ شعلہ رو　　شمع تو بس ہو گئی جل کر تلف
ساقی بھی یوں جام لے کر رہ گیا　　جس طرح تصویر ہو ساغر بکف

ردیف ق

مضمون سرد مہری جاناں رقم کروں　　گر ہاتھ آئے کاغذ کشمیر کا ورق

ردیف ل

جب لے چلا وہ دل مرے پہلو سے کھینچ کر　　دل سے مرے صدا یہی نکلی کہ ہائے دل

ردیف م

اسی کی ذات کو ہے دائما ثبات و قیام　　قدیر و حی و کریم و مہین و منعام
بروج بارہ میں لاکر رکھی وہ بارہ سی　　کہ جس کو پہنچے نہ فکرت نہ دانش و اوہام
ادھر فرشتہ کروبی اور ادھر غلماں　　قلم کو لوح پہ بخشی ہے طاقت ارقام
یہ دہر میں شمس و قمر اور ساتھ ان کے یار　　عطارد و زحل و زہرہ مشتری، بہرام
جو چاہیں ایک پلک ٹھہریں سو یہ طاقت کیا　　پھرا کریں گے یہ آغاز سے لے تا انجام
بشر جو چاہے کہ سمجھے انھیں سو کیا امکاں　　ہے یاں فرشتوں کی عاجز عقول اور افہام
نکالے ان سے گل و میوہ و شاخ و برگ و بار　　سب اس کے لطف و کرم سے ہیں عام انعام
اسی کے باغ سے دل شاد ہو کے کھاتے ہیں　　چھوارے کشمش و انجیر پستہ و بادام

چمکتا ہے اسی کی یہ قدرتوں کا نور — بہر زمان و بہر ساعت و بہر ہنگام
کہ اس کا شکر کریں شب سے تا بروز ادا — اطاعت اسکی بجا لاویں صبح سے تا شام

نظیر نکتہ سمجھ مہر و فضلِ خالق کو
اسی کے فضل سے دونوں جہاں میں ہے آرام

دور سے آئے تھے ساقی سن کے میخانے کو ہم — بس ترستے ہی چلے افسوس پیمانے کو ہم
مے بھی ہے مینا بھی ہے ساغر بھی ہے ساقی نہیں — دل میں آتا ہے لگا دیں آگ میخانے کو ہم
کیوں نہیں لیتا ہماری تو خبر اے بے خبر — کیا ترے عاشق ہوئے تھے درد و غم کھانے کو ہم
ہم کو پھنسنا تھا قفس میں کیا گلہ صیاد کا — بس ترستے ہی رہے ہیں آب اور دانے کو ہم
طاق ابرو میں صنم کے کیا خدائی رہ گئی — اب تو پوجیں گے اسی کافر کے بتخانے کو ہم
باغ میں لگتا نہیں صحرا سے گھبراتا ہے دل — اب کہاں لیجا کے بیٹھیں ایسے دیوانے کو ہم

کیا ہوئی تقصیر ہم سے تو بتا دے اے نظیر
تا کہ شادی مرگ سمجھیں ایسے مرجانے کو ہم

کبھو دیکھوں سنبلِ باغ کو میں، مجھے اس خمِ زلفِ دوتا کی قسم
نہ نگہ کروں عارضِ گل کی طرف، مجھے اُس رخِ مہر و وفا کی قسم
یوں پھرے ہے چمن کی فضا میں صبا، وہ ہزار طرح سے ہو فتنہ گستا
مرے دل کو نہ ہو کبھی اس کی ہوا، مجھے کوئے صنم کی ہوا کی قسم
جونہی آیا اِدھر کو وہ چشم سیہ، وہیں لے گیا دل کو بسیر نگہ
رہی عقل و خرد کو نہ جی میں جگہ، مجھے اُس بت ہوش ربا کی قسم
بدن اس کا ہے رشکِ برگِ سمن، مرے بر میں جو آوے وہ رنگِ چمن
کھلے غنچۂ دل میرا گل کے نمن، مجھے اس کھلے بندِ قبا کی قسم
ترے عشق نے دل میں جو درد دیا، تو کچھ اُس سے مزہ میں لیا لیا

نہ کروں نہ کروں نہ کروں ہیں دوا میں نے کھائی ہے اب تو دوا کی قسم
لگی مہندی جو ہاتھوں میں اس کے میاں، تو وہ سرخی کچھ ایسی ہے اللہ نشاں
وہ شفق جو کہ صبح کو ہووے عیاں، سو وہ کھائی ہے اُسکی حنا کی قسم
میں نے دیکھا **نظیر** جو اس کے تئیں، تو وہ شرم و حیا سے ہو سرو قریں
لیا نیچی نگاہوں سے جان دل و دیں میں کہوں کیا اب اُسکی حیا کی قسم

ہوں تیرے تصوّر میں میری جاں ہمہ تن چشم
دل ہے مرا جوں آئینہ حیراں ہمہ تن چشم
تا ایک نظر دیکھے تجھے اے مہ تاباں
رہتا ہے سدا مہر درخشاں ہمہ تن چشم
آنکھوں کو ملے تا کہ ترے پاؤں کے نیچے
ہر نقش قدم سے ہے بیاباں ہمہ تن چشم
دیوانگی میری کے تحیّر میں شب و روز
ہے حلقۂ زنجیر سے زنداں ہمہ تن چشم
اس آئنہ رو کے ہے تصوّر میں **نظیر** اب
حیرت زدہ نظّارہ، پریشاں ہمہ تن چشم

دیکھے نہ مجھے کیوں کر از چشم حقارت او
وہ سرو جواں یار و، من فاختۂ پیرم
چپ بیٹھوں تو کہتا ہے "خاموش چرا ہستی؟"
کچھ بولوں تو کہتا ہے "آزردہ ز تقریرم"

ردیف ۔ ن

صفائی اسکی جھلکتی ہے گورے سینے میں
چمک کہاں ہے یہ الماس کے نگینے میں
نہ تو ئی ہے، نہ کناری نہ گوکھرو دستی پر
سجی ہے شوخ نے انگیا بنت کے بینے میں
جو پوچھا میں کہ "رو کہاں تھی" تو ہنس کے یوں بولی
"میں لگ رہی تھی اس انگیا موئی کے سینے میں"
پڑا جو ہاتھ مرا سینے پر تو ہاتھ جھٹک
پکاری "آگ لگے اوئی اس قرینے میں"
جو ایسا ہی ہے تو اب ہم نہ روز آویں گے
کبھو جو آئے تو ہفتے میں یا مہینے میں
کبھو مٹک، کبھو لبس لبس، کبھو پیالہ پٹک
دماغ کرتی تھی کیا کیا شراب پینے میں

چڑھی جو دوڑ کے کوٹھے پہ وہ پری اک بار — تو میں نے جا لیا اسکو ادھر کے زینے میں
وہ پہنا کرتی تھی انگیا جو سرخ لاہی کی — لپٹ کے تن سے وہ تر ہو گئی پسینے میں

یہ سرخ انگیا جو دیکھی ہے اس پری کی **نظیرؔ**
مجھے تو آگ سی کچھ لگ رہی ہے سینے میں

کیا کاسہ مے لیجیے اس بزم میں اے ہمنشیں — دور فلک سے کیا خبر پہنچے گا لب تک یا نہیں
یہ کاسۂ فیروزگوں، ہے شیشہ باز پرفنوں — جتنے حیل ہیں اور فسوں سب اسکے ہیں زیر نگیں
ہو اعتماد اس کا کسے ہے شیشہ بازی یاد اسے — رکھتا ہے شاد اک دم جسے کرتا ہے پھر اندوہگیں
کل دامن صحرا میں ہم گزرے جو وقت صبحدم — اک کاسۂ سر پر الم آیا نظر اپنے وہیں
بولا بہ فریاد و فغاں کیا دیکھتا ہے او میاں — تھے ہم بھی سر بر آسماں گو اب تو ہیں زیر زمیں
گلگوں سے نازک بدن سر پاؤں سے رشک چمن — زریں و سیمیں پیرہن دلکش مکانوں کے مکیں
دن رات ناز و نعمتیں مہ طلعتوں کی صحبتیں — عیش و نشاط و عشرتیں ساقی قراں مطرب قریں
باغ و چمن پیش نظر، بزم طرب شام و سحر — ہر سو بکثرت جلوہ گر حسن بتان نازنیں
ایک آسماں کے دور سے اک گردش فی الفور سے — اب سوچیے گا غور سے در لحظہ آں در لحظہ ایں
سنتے ہی جی تھرا گیا، رخسار پر اشک آ گیا — دل حیرتوں سے چھا گیا - خاطر ہوئی بس سہمگیں

اس میں سر اپنا ناگہاں ہر مو ہوا مثل زباں
بولا **نظیرؔ** آگہ ہو ہاں، ہم تیرہ روز سے ہیں

کیوں نہ ہو بام پہ وہ جلوہ نما تیسرے دن — ماہ بھی چھپ کے نکلتا ہے دلا تیسرے دن
ہاتھ سے اب تو قلم رشک مسیحا رکھ دے — نسخے بدلے ہیں جہاں کے حکما تیسرے دن
غرق دریائے محبت کی نہیں ملتی لاش — ورنہ ڈوبا ہوا نکلے ہے سنا تیسرے دن
دل بیمار رہے عشق میں کیوں کر سرسبز — خاک سے دانے کو ہے نشو و نما تیسرے دن
چھوڑ مت زلف کے مارے کو تو دریا میں ہنوز — سانپ کے کاٹے کو دیتے ہیں بہا تیسرے دن

اب ذرا چشم کے بیمار کا کر اپنے علاج   ہوتی معلوم ہے تاثیر دوا تیسرے دن
لوگ کہتے ہیں کہ ہیں پھول ترے کشتے کے   مہندی ہاتھوں میں تو قاتل نہ لگا تیسرے دن
عمر اک ہفتہ نہیں باغ میں اے گل مت پھول   رنگ بدلے ہے زمانے کی ہوا تیسرے دن
چار حرف اس بت پرخوں کے اوپر بھیج نظیر
آپ سے آپ جو ہو جائے خفا تیسرے دن

دیوانہ ترا عاشق زار میں ہوں   فدا تجھ پہ مدت سے اے یار میں ہوں
فریبوں میں کب تیرے آتا ہوں ظالم   فریبی جو تو ہے تو عیار میں ہوں
جسے اس نے کاٹا موا بے اجل وہ   سمجھتا تری زلف کو مار میں ہوں
اگرچہ وہ گل ہے تو یا چشم نرگس   ترے باغ تازہ کا اک خار میں ہوں

لیتا ہے جان میری تو میں سر بستہ ہوں   اے یار میں تو کشتۂ روز الست ہوں
اک دم کی زندگی کے لیے مت اٹھا مجھے   اک بے خبر میں نقش زمیں کی نشست ہوں
تو مست کر شراب سے اے گل بدن مجھے   ظالم میں تیری چشم گلابی سے مست ہوں
وہ راز طریق تجھ کو سمجھ ہو نہ زاہدا   گر تو خدا پرست ہے میں بت پرست ہوں
ان سنگ دل بتوں کا گلہ کیا کروں نظیر
میں آپ اپنے شیشۂ دل کی شکست ہوں

تذکرہ ہوتا ہے ایسا بھی گل اندام نہیں   مے نہیں شیشہ نہیں ساقی نہیں جام نہیں
دل کی بیتابی نہیں ٹھیرنے دیتی ہے مجھے   دن کہیں رات کہیں صبح کہیں شام کہیں
ایک دل دیجیے کس کس کو سبھی مانگتے ہیں   گیسوے بانکے کہیں اور زلف سیہ فام کہیں
نامہ بر نامہ لکھوں یا میں زبانی کہہ دوں   خط کے پرزے پہ لکھوں قاصد ناکام کہیں

دل بھی اور جان دیا سب نے اسی پر ہے نظیر
گُل کہیں، غنچہ کہیں، بلبل بدنام کہیں

نہ دن کو چین نہ راتوں کو خواب آنکھوں میں
بھر آرہی ہے ترے غم سے نیند آنکھوں میں

جدھر وہ دیکھے ادھر صف کی صف الٹ دے ہے
بھری ہے شوخ کے ایسی شراب آنکھوں میں

تھما نہ اشک نہ نیند آئی نا ایک جھپکی
بسا ہے جب سے وہ خانہ خراب آنکھوں میں

شتابی آن کے جھمبو بگڑیاں رنگ لو
نظیر آیا ہے بھر کر شباب آنکھوں میں

جبکہ الٹی ہم نے یکبار نظر پر آستیں
کھینچ لی اس نے رخ رشک قمر پر آستیں

اس پری رو کے دوانے کی یہ ہے شکل لباس
تار دامن خار پر، شاخ شجر پر آستیں

طلعت یوسف صباحت میں ہے لاثانی وہ ہے
یہ نمک یہ خال و خط یہ زلف یہ ابرو کہاں

کس طرح سنبل ہو ان زلفوں سے آکر ہمسر
یہ لٹک یہ بل یہ پیچ و تاب یہ خوش بو کہاں

یہ حسن دی بہاراں جھن دہلی آندیاں ہیں
کہ کہ طرح جگر وچ دھواں مچاندیاں ہیں

کوئی نہ دیکھدا ہے، دیکھو ادھر تو پیارے
تم بن بہاریں اکھیاں آنجو بہاندیاں ہیں

کل نظیر اس نے جو پوچھا بزبانِ پنجاب
نہ ہمیں چینڈی ہے کیسے حال تہاڈے میاں

جوڑ ہتھ ہم نے کہا حال اساڈے دل دا
تسی سب جانڑدی ہو جی اسے کی عرض کراں

چاہیے ابا کن اصرار تو ہم ہیں
کیوں دل جھگڑتے ہو گنہگار تو ہم ہیں

کیا کیا کو دکھلاتے ہو انداز خرام آہ
حسرت زدہ شوخیٔ رفتار تو ہم ہیں

چھوٹا سا خال اس رخ خورشید تاب میں ذرہ سما گیا ہے دل آفتاب میں

چمن میں جب سے لب اس غنچہ لب نے کھولے ہیں گلوں کے پہلو میں غنچے ہنس ہنس پھولے ہیں

میں اک اپنے یوسف کی خاطر، عزیزو یہ ہستی کی ساری دکاں بیچتا ہوں

طوفاں اٹھا رہا ہے مرے دل میں سیل اشک وہ دن خدا نہ لائے جو میں آبدیدہ ہوں

صبح جب بول اٹھا مرغِ سحر ککڑوں کوں اٹھ گئے پاس سے وہ رہ گیا میں ٹڑوں ٹوں

کس کو کہیے نیک اور ٹھیرائیے کس کو برا غور سے دیکھا تو سب اپنے ہی بھائی بند ہیں

ردیف و

جدا کسی سے کسی کا غرض حبیب نہ ہو یہ داغ وہ ہے کہ دشمن کو بھی نصیب نہ ہو
جدا جو ہم کو کرے اس صنم کے کوچے سے الٰہی راہ میں ایسا کوئی رقیب نہ ہو
علاج کیا کریں حکما تپ جدائی کا سوائے وصل کے اس کا کوئی طبیب نہ ہو
نظیر اپنا تو معشوق خوبصورت ہے
جو حسن اس میں ہے ایسا کوئی عجیب نہ ہو

مہ ہے اگر جوئے شیر، تم بھی زری پوش بن دودھ چھٹی کا اسے یاد دلانے چلو
آئینۂ ماہ کو لعل لب اپنے دکھا چشمۂ کافور میں آگ لگانے چلو

تم ہو مہ چار دہ، چار قدم رکھ کے آج / بدر فلک قدر کی قدر گھٹانے چلو

دل جن کو دیا تا تم تلک ان کا نہ پوچھا / تکلیف نہ ہوتا لب ریحاں نفسوں کو
گو آتش گل بھڑکی ہے، پر یہ نہیں توفیق / پھونکے جو اسیران چمن کے قفسوں کو

تیر نگہ کو راہ ادھر دیکھ بھال دو / لکڑی سے پہلے تاڑنے والوں کو ٹال دو
ان ابروؤں کے تو بھی مقابل نہ ہو سکیں / بالفرض آسماں پہ اگر ہوں ہلال دو
ڈالی سمیت گل کو اٹھایا تو ہے ولے / ہینچے میں نازکی ہے بس اب اس کو ڈال دو
تلوار اس کے ابرو نے کھینچی میاں نظیرؔ
دل تم بھی دو بدو ہی کے سانچے میں ڈھال دو

خط کے رخساروں پر اس گل کے جو تحریریں ہیں دو / ہے یہ مصحف کہ ہے جس کے ساتھ تفسیریں ہیں دو
فی الحقیقت قیس جذب عشق سے باہم ہیں ایک / لیلیٰ و مجنوں کی گو ظاہر میں تصویریں ہیں دو

ہزاروں پھرتے ہیں یاں غنچہ لب ایک نہ دو / رکھے ہے پر کوئی تیری سی چھب نہ ایک نہ دو
کہا جو ایک لیے بوسہ میں دو لگا لینے / تو ہنس کے کہنے لگے چل بے اب نہ ایک نہ دو

ڈھب ہم کو بناوٹ کی اداؤں کا نہیں ہے / وہ آن غضب ہے کہ جو خداداد کوئی ہو

سرچشمۂ بقا سے ہرگز نہ آب لاؤ / حضرت خضر کہیں سے جا کر شراب لاؤ

ردیف ۔ ہ

تری وہ شان کی رفعت ہے یا رسول اللہ / کہ لامکاں نے کہا لا الٰہ الا اللہ

وہ نورِ دیدۂ احمد کہ جس کے رتبے کی — حدیث بضعۃ منی ہے، دو جہاں ہیں گواہ

غم نہیں گر دلبری سے دل کو لیجاتا ہے وہ — پاس میرے تب تو آتا ہے جو دل پاتا ہے وہ

مصحفِ رخ پہ ترے ابروئے پیوستہ نہیں — موقلم سے یدِ قدرت نے لکھا بسم اللہ

تا ابد آزاد ہیں دام و قفس کے جور سے — بلبلِ تصویر و طاؤسِ خیالِ آئینہ

سرخ گالوں پہ جو بسم کرتے ہیں اس گل کے نگاہ — پڑی نارنگیاں ٹپکے ہیں ہزاروں دلخواہ

ردیف۔ ی

جو تو کہتا ہے اے غافل "یہ میرا ہے یہ تیرا ہے" — یہ جس کا ہے، اُسی کا ہے "نہ تیرا ہے نہ میرا ہے"
تو اول سوچ تو دل میں کہ تو ہے کون اور کیا ہے — نمازی ہے کہ شرابی ہے، اچکا ہے کہ لٹیرا ہے
فرشتہ ہے کہ پری ہے، کہ دیو ہے یا آدمی جن ہے — بلا ہے بھوت ہے یا من، مزور یا کمیرا ہے
تری کیا ذات ہے کیا نام ہے کیا کام کرتا ہے — مسافر ہے وطن ہے یا ترا اس جا پہ ڈیرا ہے
جب ان چیزوں سے اپنے تئیں کچھ چیز ٹھہرا لے — تو اس کے بعد پھر کہیو "یہ میرا ہے یہ تیرا ہے"
یہ چیزیں تو غرض کیا ہیں، تو اپنا ہی نہیں مالک — تجھے او بے خبر ناداں یہ کس غفلت نے گھیرا ہے
تو کچے سوت کا دھاگا کہ جس میں بل پہ بل کھاتا ہے — یہ سب وہم غلط ہے اور قصور فہم تیرا ہے
تو کیا جانے کہ تجھ کو کس نے کس چرخے میں کاتا ہے — تو کیا جانے کہ تجھ کو کس اٹیرن پہ اٹیرا ہے
تماشا ہے مزا ہے سیر ہے کیا کیا اہا ہا ہا! — مصور نے عجب کچھ رنگ قدرت کا بکھیرا ہے
ترقی ہے تنزل ہے، تنزل میں ترقی ہے — اندھیرے میں اجالا ہے اجالے میں اندھیرا ہے

طلسمات حقیقی ہے یہ کچھ سمجھا نہیں جاتا — یہی چاند اور یہی سورج یہی شام اور سویرا ہے

نظیر اللہ اللہ! اس جہاں میں دم غنیمت ہے
کہاں ہم اور کہاں پھر تم، کوئی دم کا بسیرا ہے

ہم تو عاشق ہیں ترے ناز اٹھانے والے — تم سے کم دیکھے ہیں محبوب ستانے والے
بند کر قید محبت میں خبر میری نہ لی — دام میں جس کے پھنسے دام چھڑانے والے
کل شب وصل میں کیا جلد کٹی تھیں گھڑیاں — آج کیا مر گئے گھڑیال بجانے والے
کل جو رستے میں ملاقات ہوئی تو یہ کہا — کہاں جاتے ہو طرحدار جلانے والے
گذری مدت کہ مرے ساتھ لپٹنے نہیں آئے — کیا ہوئے یار وہ گلے ہم کو لگانے والے
یوں تو اوقات گذرتی ہے مزیداری میں — نہ ملے چین مرے دار دکھانے والے

اب کے ملنا ہو نظیر اس سے تو کہنا جا کے
کیا ملیں ہم نہ رہے یار بلانے والے

کسی کی چھین نہ لی ہم نے جاہ کی گٹھڑی — نظر پڑی نہیں ہرگز نباہ کی گٹھڑی
پس از وفات نہ آئے ہماری تربت پہ — بجائے سبزہ رکھی لاکے کاہ کی گٹھڑی
مژدہ سے اس کی پڑا ہے مقابلہ، یارب — ادھر یہ دل ہے ادھر ہے سیاہ کی گٹھڑی
حضور میں تری رحمت کے جھک نہیں سکتا — کہ سر پہ ہے مرے بار گناہ کی گٹھڑی
رکھے ہے کون، جنوں، وادیٔ محبت میں — بغیر آبلہ پا زاد راہ کی گٹھڑی
ہم ہوا تھا جو کچھ یاں طواف کعبہ سے — کرشمے نے وہ بتوں کے تباہ کی گٹھڑی
کوئی تو غرق ہے بحر فراق کا یاں شوخ — نہیں حباب یہ ہے سوز و آہ کی گٹھڑی
ابھار سینے پہ اس کے کچوں کا ہے بلا ہے — یہ شاہ حسن کے ہے خیمہ گاہ کی گٹھڑی
پڑا ہے ناز و ادا کا ہم جو یہ لشکر — بچا ہے گر کہیں گرد سپاہ کی گٹھڑی

زمیں، نظیر نہیں گرم اس میں ہی کیا خاک
مگر بزور طبیعت نباہ کی گھٹری

سراپا حسن سمدھن گویا گلشن کی کیاری ہی — پری بھی اب تو بازی حسن میں سمدھن سے ہاری ہی
کھنچی کنگھی، گندھی چوٹی، جمی پٹی لگا کاجل — کماں ابرو، نظر جادو، نگہ ہر اک دلاری ہی
جبیں مہتاب آنکھیں شوخ، شیریں لب گہر دنداں — بدن موتی، دہن غنچہ، ادا ہنسنے کی پیاری ہی
نیا کمخواب کا لہنگا، جھمکتے تاش کی انگیا — کچیں تصویر سی جن پر لگا گوٹا کناری ہی
ملائم پیٹ مخمل سا، کلی سی ناف کی صورت — اٹھا سینہ صفا پیڑو عجب جوبن کی ناری ہی
سریں نازک، کمر پتلی، خط گلزار رومادل — کہوں کیا آگے اب سے مقام پردہ داری ہی
لٹکتی چال، مدماتی، چلے بچھوؤں کو جھنکاتی — ادائیں دل لئے جاتی عجب سمدھن ہماری ہی

بھرے جوبن پہ اتراتی جھمک انگیا کی دکھلاتی
کمر لہنگے سے بل کھاتی، لٹک گھونگٹ کی بھاری ہی

اس گورے بدن کا کوئی کیا وصف کہے آہ — ختم اس کے اوپر گلرخی و سیمتنی ہی
منہ چاند کا ٹکڑا ہی بدن چاند کی تختی — دنداں ہیں گہر، ہونٹ عقیق یمنی ہی
بلّور کی پتلی کہوں یا موتی کا دانہ — یا چین میں اک چینی کی مورت یہ بنی ہی
نرمی میں صفائی میں، نزاکت میں تن اس کا — ریشم ہی نہ گلبرگ، نہ برگ سمنی ہی
گر پھول کی پتی کی نبا، پہنے وہ پوشاک — چھل جاوے بدن اسکا یہ نازک بدنی ہی
کل میں نے کسی شخص سے نام اسکا جو پوچھا — یعنے یہ پری یا کہ غزال ختنی ہی
وہ بولا کہ اس شوخ کے تئیں کہتے ہیں ہیرا — کام اس کا سدا دلبری و دل شکنی ہی

تب میں نے وہیں ہنس کے کہا اس سے نظیر آہ
ہیرا نہ کہو اس کو یہ ہیرے کی کنی ہی

کمر تک اُس نے زلفوں کو جو بل دے دیکے چھوڑا ہی
یہ دو زلفیں نہیں ہیں کافر ایک ناگن کا جوڑا ہی

سمند آسماں کب آپ سے دوڑے ہی اس پر تو
کسی کی ایڑ پر ہی ایڑ اور کوڑے پہ کوڑا ہی

دیا اس سنگدل کے ہاتھ اپنے شیشۂ دل کو
جو سچ پوچھو تو میں نے لعل کو پتھر سے پھوڑا ہی

یہی ہی دھوم کل سے وہ مرے ملنے کو آتا ہی
گلے میں ہار ہی اور تن میں نافرمانی جوڑا ہی

غرض میں تو **نظیر** اس سے سمجھتا ہوں کہیں شاید
کسی کا نیل بگڑا ہی جو یہ طوفان جوڑا ہی

تاب اس کے دیکھنے کی نہ لائے چلے گئے — کیا کیا پری جوان تھے آئے چلے گئے
آدم رہا نہ کوئی پیمبر رہا یہاں — وہ بھی سر زمیں میں سمائے چلے گئے
دارا رہا نہ جم نہ سکندر سا بادشاہ — تخت زمیں پہ سینکڑوں آئے چلے گئے
عالم تھا یہ زلیخا کا یوسف کی چاہ میں — رقعے ہزار بیاہ کے آئے چلے گئے

دیکھا **نظیر** میں نے چمن میں جو آپ کو
مہندی بھرے جو ہاتھ دکھائے چلے گئے

سرشک چشم سے موتی بہت پروے گئے — ولے یہ داغ جگر کے نہ ہم سے دھوئے گئے
غرور نے تو ہمارے بہت ہی کھینچا سر پا — پھر اس کو ہم بھی سدا خاک میں ملوئے گئے
ہماری ان کی رہی عمر بھر یہی صحبت — اُدھر وہ ہنستے گئے ہم ادھر سے روئے گئے
سمائے ایسے ہیں آ کر کہ پھر مرے دل سے — نہ جاگتے میں کبھی اور کبھی نہ سوئے گئے

نظیر کیا ہی مزہ تھا کہ کل خوشی سے ہم
گئے تھے یار کو لینے سو آپہی کھوئے گئے

لگایا دام زلفوں کی شکن نے پیچ نے بل نے
بنایا پان نے رنگ ادا سنبھالا سحر کاجل نے

مرا دل دیکھتے ہی اس صنم کو ہو گیا شاداں
نگاہیں دم بدم سوزش و عشرت سے لگیں چلنے

کبھی خوش ہو کے ہو ہو کی کبھی بولا اہا ہا ہا
عجب لوٹے مزے اس وقت نظارہ کی اٹکل نے

نہ بولا منہ سے ہرگز دیکھ کر وہ خوشدلی میری
مگر کچھ کچھ تبسم کی شکر لب سے لگا ملنے

مجھے کر جلد سے غافل بھولی صورت کا بنا نقشہ
کیا اک بار رستہ غصہ میں سرخ عیاں آنچل نے

اب اس ظالم کے ہاتھوں سے بچاؤں کیونکر اپنا جی
اٹھا کر جھٹ قدم واں سے لگا گھر کی طرف چلنے

چلا ڈرتا جو آگے کو تو وہ پھر ہنس کے یوں بولا
اڑا کر مفت نظارہ بچا اب تم گئے ملنے

ادب سے یوں کہا اب تو ہوئی تقصیر مجھ سے
لگے قطرے پسینے کے مرے منہ سے وہیں ڈھلنے

لگے غمزے لگانے تیر ادھر دکھلا کے مو پھیری
ادھر سے تیغ ابرو کی بھی پھر کیا کیا لگی چلنے

ادھر آنکھوں کے جادو نے بنایا باولا کیا کیا
ادھر کیں پھرتیاں کیا کیا نگاہوں کی بھی چھل بل نے

دکھا کر مجھ کو اپنی واں زبردستی کے یہ نقشے
وہیں دل لے لیا جھٹ پٹ نظیر اس شوخ چنچل نے

ہم کل ایک ایسے پری رو کے نظر بند ہوئے
جس کا منہ دیکھ کے پریوں کے بھی پر بند ہوئے

ایسے کمبخت ہوئے ہاتھ ہمارے ہیہات
ایک دن اس کی کمر کے نہ کمر بند ہوئے

جو پہنچے نہ پری جن کی نزاکت کو نظیر
ایسے کچھ حضرت آدم کے جگر بند ہوئے

بالفرض اگر ہم ہوئے حوا کے شکم سے
آدم کے تئیں پوچھیے یہ کس کا جنا ہے

حکمت ہے الٰہی کی بھری جن کی نظر میں
وہ کہتے ہیں غافل یہ بقا ہے یہ فنا ہے

اک اُس کی دوا بھی نہیں جاتی نظیرؔ آہ
کچھ زور ہی معجون کا نسخہ یہ بنا ہے

یوں یکار رواں شباب کا گزرا کہ گوش زد — آواز پا ہوئی نہ صدائے درا ہوئی
پوچھی نظیرؔ آ کے کل شکل وصل یار ق — ہم نے کہا یہ اُس سے کہ کیا کہئے کیا ہوئی
جو شکل دور باش تھی روز نخست کی — اب بھی جو ہم گئے تو وہی برملا ہوئی

زلف ہو بہر احساں تو گرفتار کرے — چشم کی عین عنایت ہو تو بیمار کرے
تیغ ابرو کی نوازش ہو، تو ہو زخم حصول — شور لب زخم کو چاہے، تو نمک زار کرے

پکارا قاصد اشک آج فوج غم کے ہاتھوں سے — ہوا تاراج پہلے شہر جاں، دل کا نگر پیچھے
سنو، میں خوں کو اپنے ساتھ لے آیا ہوں اور باقی — چلے آتے ہیں اُٹھتے بیٹھتے لخت جگر پیچھے

ہستیاں نیستیاں یاں بھی ہیں ایسی، جیسے — وہ کمر اور وہ دہاں کچھ نہیں اور سب کچھ ہے
بے زری، فاقہ کشی، مفلسی، بے سامانی — ہم فقیروں کے بھی ہاں کچھ نہیں اور سب کچھ ہے

تن دیکھئے جیسی گل کا جاں جھپٹ کے تن نکلے — وہ سیم تن اس تن سے کس طرح نہ تن نکلے
یہ نقش ہیں چھاپے کے منہ پر عرق آلودہ — یا حسن کی صافی سے قطرے کئی چمن نکلے

آدم اک دمڑی کی حقیا کو رہے عاجز بندا — ہم کو کیا کیا بیچواں اور گڑگڑی پر ناز ہے
غور سے دیکھا تو اب وہ یہ مثل ہے اے نظیرؔ — وہ باپ نے پدڑی نہ ماری بیٹا تیرانداز ہے

کمبوری چوٹی ادامیں موٹی، جفامیں لمبی وفامیں چھوٹی
ہے اس سے کھوٹی، کہ دل ہر اک کا۔ ایک لٹ میں لٹک رہا ہے

وہ نیچی کافر سیاہ پٹی نہ دل کے زخموں پہ باندھے پٹی
پڑھی ہے جس نے کہ اس کی پٹی وہ پٹی سے سر ٹپک رہا ہے

موسیٰ کے نہیں تو شجر طور کی سوجھی
پر ختم رسالت کو بڑی دور کی سوجھی

ہر جھلکے ہیں جھمک تسپہ غضب بالا ہے
اب کوئی آن میں سب خلق تہ و بالا ہے

وہ نیاز عشق تھا اسکی نگہت آشکار
جس طرف سے تھک رہے طائر کہیں پرواز سے

جس طرف تھے دیکھئے ہمیشہ ظریفکا جوش تھا
مستی و رندی ہوس بازی وہ بے اندیشگی

قد میں خم آنکھوں میں نم، چہرہ پہ چھری رنگ زرد
سر سے پا تک سخت ناخوش منظری بدہیئتی

مرتا ہے جو محبوب کی ٹھوکر پہ نظیر آہ
پھر اس کو کبھی اور کوئی لت نہیں لگتی

میٹھے بٹھائے خلد میں ابلیس نے نظیر،
کیا دم دیا ہے حضرت آدم کو دیکھئے

منہ زرد، آہ سرد و لب خشک و چشم تر
سچی جو دلگی ہے تو کیا کیا گواہ ہے

بھبکی نکلتی ہے یا اشکوں کی شیشاں یارب
ہمارے سینے میں کس شیشہ گر کی بھٹی ہے

چمک ہے درد ہے کوندن پڑی ہے ہوک اٹھتی ہے
مرے پہلو میں کیوں یاروں یہ دل ہے یا کہ پھوڑا ہے

ہو کے خفا اور تیوری چڑھا کے بولی ہیں اپنی کہہ نظیر
آپ نے بعد مکھالی ہے نہیں بن ٹھن اوسکا تن جیسے

گئی گزری ہی وہ مئی کشی لگی جب سے آگ فراق کی
یہ جلے ہے دل ہو کباب ہے، یہ سرشک چشم شراب ہے

مری اس چشم تر سے ابر باراں کو ہے کیا نسبت
کہ وہ دریا کا پانی اور یہ خون دل ہے برساتی

عشق پھر رنگ وہ لایا ہے کہ جی جانے ہے
دل کا یہ رنگ بنایا ہے کہ جی جانے ہے

میں دست و گریباں ہوں دم بازپسیں سے
ہمدم اسے لاتا ہے تو لا جلد کہیں سے

کچھ نہ دیکھا ہم نے جز بیداد تیرے ہاتھ سے
اے ستمگر بیداد گر فریاد تیرے ہاتھ سے

وہ جب گھر سے نکلے سچکتے سچکتے
قدم بھی اٹھائے جھجکتے جھجکتے

باتیں ہماری دلکی کہدیں نظیر اس نے
ہے سچ تو یوں کہ دل کو ہوتی ہے راہ دل سے

(مطبوعہ دیال پرنٹنگ پریس دہلی)

عام پسند سلسلہ

اُردُو زبان کی اشاعت و ترقی کے لیے بہت دِنوں سے یہ ضروری خیال کیا جا رہا تھا کہ سلیس عبارت میں مفید اور دل چسپ کتابیں مختصر حجم اور کم قیمت کی بڑی تعداد میں شایع کی جائیں۔ انجمنِ ترقی اُردُو (ہند) نے اسی ضرورت کے تحت عام پسند سلسلہ شروع کیا ہے اور اس سلسلے کی پہلی کتاب ہماری قومی زبان ہے، جو اُردُو کے ایک بڑے محسن اور انجمنِ ترقیٔ اردو (ہند) کے صدر جناب ڈاکٹر سرتیج بہادر سپرُو کی چند تقریروں اور تحریروں پر مشتمل ہے۔ امید ہے کہ یہ سلسلہ واقعی عام پسند ثابت ہوگا اور اُردُو کی ایک بڑی ضرورت پوری ہو کر رہے گی۔ قیمت ۸/

ہمارا رسم الخط

از جناب عبدالقدّوس صاحب ہاشمی

رسم الخط پر علمی بحث کی گئی ہے اور تحقیق و دلیل کے ساتھ ثابت کیا گیا ہے کہ ہندستان کی مشترکہ تہذیب کے لیے اُردُو رسم الخط مناسب ترین اور ضروری ہے ——— گیارہ پیسے کے ٹکٹ بھیج کر طلب کیجیے۔

مینجر انجمنِ ترقیٔ اُردُو (ہند) ۱ دریا گنج۔ دہلی